امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات وواقعات، ذات وصفات، تعلیمات
اجتہادات، تصنیفات، فقہی اصطلاحات اور محدثانہ خدمات کا بیان
مع مختصر انتخاب دیوانِ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

حیاتِ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ



تالیف:

کامران اعظم سوہدروی

تصحیح وتخریج

نوید احمد ربانی

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے



In the Name of Allah, Most Gracious, Most Merciful

اشاعت	:	جنوری 2012ء
نام کتاب	:	حیات امام شافعی رحمہ اللہ
مصنف	:	کامران اعظم سوہدروی
تصحیح وتخریج	:	نوید احمد ربانی
نظر ثانی	:	شاہد حمید
تزئین واہتمام	:	گگن شاہد۔ امر شاہد
پکچرز ایڈیٹنگ	:	ابو امامہ
پروف ریڈنگ	:	ولی اللہ
سرورق	:	محمد شکیل طلعت
مطبع	:	زاہد بشیر پرنٹرز، لاہور

التماس: اللہ ربّ العزت کے فضل وکرم سے انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کتاب کی تصنیف، پروف ریڈنگ، پکچرز ایڈیٹنگ، طباعت، تصحیح اور جلد بندی میں انتہائی احتیاط کی گئی ہے۔ تاہم غلطی کا احتمال بہرحال باقی رہتا ہے۔ بشر ہونے کے ناطے اگر سہواً غلطی رہ گئی ہو یا صفحات درست نہ ہوں تو ناشر، پروف ریڈرز اور طابع ہر قسم کے سہو پر اللہ غفور الرحیم سے عفو وکرم کے خواستگار ہیں۔ قارئین سے گزارش ہے کہ کتاب میں اگر کہیں بھی غلطی یا خامی نظر آئے تو ازراہِ کرم مطلع فرما دیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں درستگی عمل میں لائی جا سکے۔ ادارہ "بک کارنر جہلم" کے متعلقین اپنے کرم فرماؤں کے تعاون کیلئے بے حد شکر گزار ہیں۔ (ناشر)

facebook
book corner showroom
website
www.bookcorner.com.pk
email
info@bookcorner.com.pk
amarshahid@gmail.com

امام العصر، ناصر الحدیث، فقیہ الملت

ابو عبد اللہ محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ

حیات امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

تالیف

کامران اعظم سوہدروی

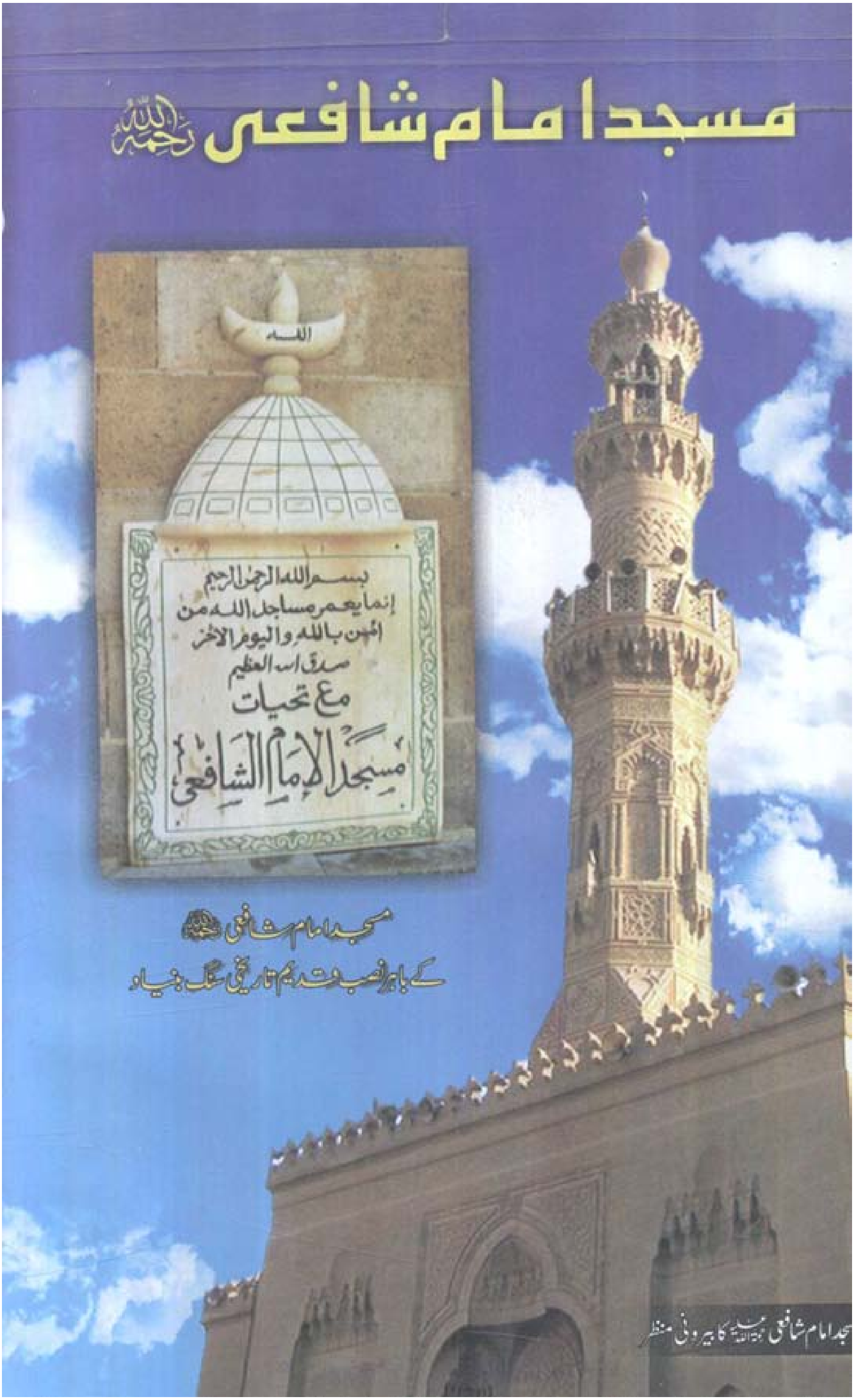
تصحیح وتخریج

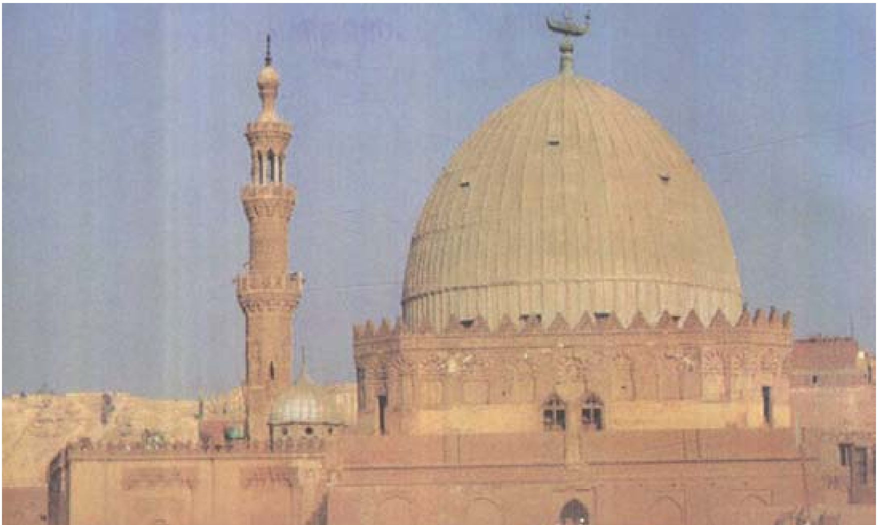
نوید احمد ربانی

بک کارنر شوروم
بالمقابل اقبال لائبریری
بک سٹریٹ جہلم پاکستان

فون نمبر 0544-614977
فون نمبر 0544-621953
موبائل 0323-5777931
موبائل 0321-5440882

ویب سائٹ www.bookcorner.com.pk ای میل info@bookcorner.com.pk


مسجد امام شافعی رحمہ اللہ
الله
بسم اللہ الرحمن الرحیم
إنما يعمر مساجد الله من
آمن بالله واليوم الآخر
صدق الله العظيم
مع تحيات
مسجد الإمام الشافعي
مسجد امام شافعی رحمہ اللہ
کے باہر نصب قدیم تاریخی سنگ بنیاد
مسجد امام شافعی رحمہ اللہ کا بیرونی منظر



یادگار: مزار امام شافعی رحمہ اللہ

بمقام: القرافۃ الصغریٰ، امام شافعی سکوائر، امام شافعی سٹریٹ، قاہرہ (مصر)

بنیاد: 608ھ بمطابق 1211ء

دورِ حکومت: عہد ایوبی

زیر سرپرستی: سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ

یہ مزار حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے لیے تعمیر کیا گیا۔ آپ رحمہ اللہ 150ھ بمطابق 767ء میں غزہ میں پیدا ہوئے۔ 198ھ بمطابق 813ء میں انہوں نے مصر کا سفر کیا اور مسجد عمرو بن العاص میں معلم کے فرائض سرانجام دیئے۔ اس طرح بہت سے مصری علماء کو ان سے استفادہ کرنے کا بہترین موقع ملا۔ آپ رحمہ اللہ نے 204ھ بمطابق 819ء میں وفات پائی اور اسی مزار میں ابن عبدالحکم کی اولاد کی طرح القرافۃ الصغریٰ ہی میں دفن ہوئے۔ 572ھ بمطابق 1176ء میں صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ کے مزار کی تعمیر کا ذمہ لیا۔ یہ امام شافعی رحمہ اللہ کی قبر پر تعمیر ہونے والی پہلی عمارت تھی۔ 574ھ بمطابق 1178ء میں چوبی کتبے پر کام شروع ہوا جو بعد ازاں مزار پر نصب کیا گیا۔ اسے غیر معمولی مہارت سے کندہ کی گئی تختیوں سے سجایا گیا جن پر قرآنی آیات اور مختصر سوانح حیات امام شافعی رحمہ اللہ منقش ہیں۔ مزید برآں کاریگر کا نام ''عبید النجار'' بھی ایوبی دور کے ناتخی رسم الخط میں درج ہے۔ 608ھ بمطابق 1211ء میں الملک الکامل ابن العادل کی والدہ کی وفات ہوئی اور انہیں امام شافعی رحمہ اللہ کے ساتھ دفن کیا گیا۔ ان کے صاحبزادے نے مزار کو ڈھانپنے کیلئے ایک گنبد تعمیر کرایا۔ الکامل کے تعمیر کردہ مقبرے کا ایک بڑا حصہ ابھی تک قائم ودائم ہے۔ جبکہ موجودہ چوبی گنبد، سنگ مرمر اس تزئین اور آرائش نو کے دوران بالترتیب بنایا گیا جو مملوک سلطان قایتبائی نے 885ھ بمطابق 1480ء میں کروائی۔ مملوک سلطان قنوش الغوری نے بھی مزار کی تزئین اور آرائش نو کروائی۔ عثمانی گورنر علی بیگ الکابر نے چوبی گنبد کی تعمیر نو کا ذمہ لیا۔ مزید برآں اس نے رنگین آرائشی کندہ کاری بھی کروائی جو گنبد اور اندرونی دیواروں پر کی گئی ہے۔

مزار ایک مربع کی شکل میں ہے جس کی اطراف پندرہ میٹر اور دیواروں کی موٹائی 2.75 میٹر ہے۔ یہ زمین سے تقریباً بیس میٹر بلند ہے۔ زیریں دیواریں پتھر سے تعمیر کی گئی ہیں اور اوپر کا باقی حصہ اینٹوں سے بنایا گیا ہے۔ مزار کی جنوبی دیواریں تین محرابوں پر مشتمل ہیں جن میں سب سے بڑی وسط میں ہے۔ ان کے کناروں پر سنگ مرمر کے فریم لگے ہوئے ہیں اور ان کے بالائی حصوں کو چوبی کندہ کاری سے سجایا گیا ہے۔ سلطان قایتبائی نے چھوٹی دیوار کے مشرقی کونے میں چوتھی محراب کا اضافہ کرایا تاکہ قبلہ کی درست سمت کا تعین کیا جا سکے۔ مزار کا احاطہ کرنے والا گنبد نہایت عالیشان ہے اور اس مزار کو مصر میں موجود عظیم ترین مزاروں میں سے ایک تسلیم کیا جاتا ہے۔ مزار کے فرش پر تعمیر کردہ میناروں کی بلندی 27 میٹر ہے۔ مربعی شکل کی اندرونی چھت کے چاروں کونوں پر مقرناس سے محرابی شکل کی ساخت تعمیر کی گئی ہے جو مربعی چھت اور گنبد کے درمیانی حصے کا کام دیتی ہے۔ مقرناس لکڑی سے تعمیر کیا جاتا ہے اور اسے ناخی رسم الخط کی تحریروں سے مزین کیا جاتا ہے۔ مقرناس سے تعمیر کردہ محرابی ساخت کے دونوں اطراف میں کھڑکیاں ہیں جن میں رنگین شیشے نصب ہیں۔ گنبد دو پرتوں پر مشتمل ہے: اندرونی چوبی پرت اور بیرونی پرت جو سیسے سے ڈھکی ہوئی ہے اور اس کی موجودہ شکل میں تزئین و آرائش سلطان قایتبائی نے کروائی تھی۔ مزار کے وسط میں کتبہ ہے جو امام شافعی رحمہ اللہ کی قبر اور الملک الکامل کی قبر پر نصب کیا گیا ہے۔

مزار کے سامنے والا بیرونی حصہ تین منزلوں پر مشتمل ہے جن میں سے گنبد بلند ترین ہے۔ گنبد کی برجی پر تانبے کی بنی ہوئی ایک کشتی نصب ہے۔ یہ عمارت کا اصلی حصہ ہے اور اس کی موجودگی زیر بحث رہی ہے۔ اس کے بارے میں مختلف نقطہ ہائے نظر پیش کیے گئے ہیں۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ کبوتروں کے لیے دانہ پانی رکھنے کے لیے ہے جبکہ دیگر کی رائے ہے کہ یہ امام شافعی رحمہ اللہ کے بے پایاں علم کی علامت ہے گویا انہیں علم کا سمندر تصور کیا گیا ہے۔ درمیانی منزل زیریں منزل سے تقریباً 70 سینٹی میٹر اندر کی طرف ہٹی ہوئی ہے۔ اس کے بیرونی حصے کو الصالح نجم الدین ایوبی کے مدرسے اور قاہرہ کی مسجد الاقمر کی طرح سجایا گیا ہے۔ زیریں منزل کے بیرونی حصے کی چاروں اطراف میں ایک ایک کھڑکی ہے جن میں قوس کی شکل میں طاق بنائے گئے ہیں۔

ترجمہ سید علی عمران جلالپوری (سی ایس ایس)
(بحوالہ www.discoverislamicart.org)



تَعْصِي الْإِلٰهَ وَأَنْتَ تُظْهِرُ حُبَّهُ * هٰذَا مُحَالٌ فِي الْقِيَاسِ بَدِيعُ
لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لَأَطَعْتَهُ * إِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُحِبُّ مُطِيعُ

"You seem to display His love yet you continue to disobey Him; this behaviour is indeed illogical. If you were true in your love of Him, you will obey Him. For invariably, Love requires obedience from the lover to the Beloved."

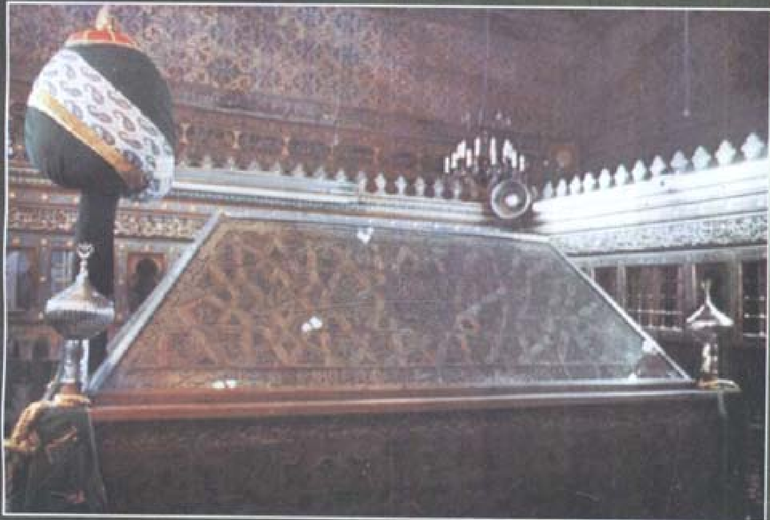
— IMAM SHAFI'I (رحمہ اللہ) —

"تم ویسے تو اُس ذاتِ باری تعالیٰ سے محبت کا دعویٰ کرتے ہو مگر پھر اُس کی نافرمانی بھی کرتے ہو، بے شک یہ رویہ تو غیر منطقی سا ہے، اگر تم اُس کیلئے اپنی محبت میں سچے ہو تو تم اُس کی اطاعت کرو، کیونکہ محبت ہمیشہ ایک محب کا اپنے محبوب کی اطاعت کا نام ہے۔"

(دیوان امام شافعی رحمہ اللہ)



قاہرہ (مصر) میں مسجد امام شافعی رحمہ اللہ سے ملحق آپ رحمہ اللہ کا مزار مبارک



حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے مزار کا اندرونی منظر



حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے مزار پر زائرین فاتحہ خوانی کرتے ہوئے

1874

فہرست

مقدمۃ

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ النبی الکریم امابعد

عزیز کامران اعظم سوہدروی صاحب کی تازہ ترین کتاب ''حیات امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ'' دیکھی۔ ماشاء اللہ عمدہ کاوش ہے۔ اس موضوع پر زیادہ کتب نہیں ہیں اور اس کی غالباً بڑی وجہ یہ ہے کہ پاک و ہند میں شافعی المسلک لوگ نہ ہونے کے برابر ہیں، بخلاف احناف کے۔ اہلحدیث مسلک چونکہ تقلیدی پابندیوں سے آزاد ہے اس لئے اعیان اہلحدیث کی بھی عنان توجہ ادھر نہیں مڑی۔ کسی امام کی شہرت کا باعث اس کے تلامذہ ہوتے ہیں یا مقلدین لیکن برصغیر میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ان ''وکلاء'' سے کافی حد تک محروم رہے ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے نہ یہاں مدارس ہیں نہ مقلدین نہ پرچار۔ یہ عزیز موصوف نے بڑی ہمت کی اور بڑی ہی مستعدی سے کام کیا۔ چند ماہ قبل اس موضوع پر تبادلہ خیال کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے تقریباً اڑھائی سو صفحات پر مشتمل ضخیم کتاب تیار کر کے لے آئے۔ یہ کارنامہ دیکھ کر بندہ کو یہ شعر یاد آ گیا ہے۔

اولوالعزم دانشمند جب کرنے پہ آتے ہیں
سمندر چیر دیتے ہیں کوہ سے دریا بہاتے ہیں

موصوف چاروں ائمہ فقہ کو بنگاہ احترام دیکھتے اور ایک سا خادم قرآن وسنت سمجھتے ہیں اور چاروں سے اکتساب فیضان کرنا اپنا علمی حق سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک حق قرآن وسنت میں دائر ہے۔ وہ سب ائمہ کرام کی علمی کاوشوں سے استفادہ کرتے ہیں مگر اپنی گردن میں جوا صرف اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ڈالتے ہیں۔ ان کے نزدیک ہر ایک کی اطاعت مشروط ہو گی مگر اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت غیر مشروط ہوگی۔ ان کے مطابق غیر نبی سے اپنی علمی رفعت اور فقہی عظمت کے باوجود خطا کا امکان بلکہ وقوع وصدور ہوا ہے لیکن نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسا ممکن نہیں۔ یعنی کسی بھی امام وفقیہہ سے اپنی محدثانہ جلالت اور فقیہانہ بصیرت کے باوجود غلطی کا صادر ہونا

ناممکن نہیں بلکہ یہ ہوتا رہے گا۔مگر جن نفوس قدسیہ سے غلطی کا وقوع نہیں ہوتا وہ انبیائے کرام علیہم السلام ہیں اور ان سب کے سردار وسرتاج فخر کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ صرف معصوم ہیں بلکہ معصوموں کے سردار ہیں۔لہٰذا نصوص قرآن وسنت کی موجودگی میں اقوال وآراء کے تتبع اوراتباع کی ضرورت نہیں رہتی۔

کامران اعظم سوہدروی صاحب نے ''حیات امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ'' تالیف فرمائی۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ کو دوسرے ائمہ عظام رحمہم اللہ سے تعلق خاطر نہیں،آپ کو ان سے بھی ایسا ہی تعلق خاطر ہے جس طرح حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے ہے لیکن چونکہ برصغیر میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی پر بہت کم قلم اٹھایا گیا ہے،لہٰذا آپ نے اس کتاب کو ترجیح دی۔

موصوف نے کتاب ہذا میں حضرت الامام کے کوائف و حالات کے ساتھ بوقلموں عنوانات پر روشنی ڈالنے کے علاوہ اختلافات پر خاطر خواہ تبصرہ کیا ہے۔خصوصاً آپ کی حدیثی خدمات پر تبصرہ فرمایا ہے۔باوجودیکہ کتاب کسی حد ضخیم ہے مگر اس کے مطالعہ میں بوریت یا اکتاہٹ محسوس نہیں ہوتی۔دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو شرف قبولیت فرمائے۔آمین!

محمد ادریس فاروقی

چیف ایڈیٹر''ماہنامہ ضیائے حدیث''

سوہدرہ،ضلع گوجرانوالہ

باب ا

حیات امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسبت:

جبلِ علم، ملتزم السنت امام شافعی کا نام محمد اور کنیت ابوعبداللہ ہے (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۲۷۷) اور لقب ناصر الحدیث ہے۔ جیسا کہ خود فرماتے ہیں: "سمعت ببغداد ناصر الحدیث"...... اپنے جداعلیٰ شافع کی نسبت شافعی کہلائے جو صغار صحابہ میں سے تھے۔ ان کے والد سائب بن یزید رضی اللہ عنہ غزوہ بدر میں مشرکین مکہ کے ساتھ تھے، اسی روز اسلام قبول کیا۔

پورا سلسلہ نسب یوں ہے: محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن السائب بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم، بن عبد مناف بن قصی، قرشی مطلبی، سائب بن عبید ہے۔ سائب کا بیٹا شافع ابن السائب تھے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۲۹۷)

ساتویں پشت پر جا کر سلسلہ نسب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ نسبی اعتبار سے اس سے زیادہ شرافت نسبی کیا ہو سکتی ہے۔ علامہ تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی والدہ کو "ہاشمیہ" کہا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ آپ کی والدہ قبیلہ "ازد" سے تھیں۔ جو یمن کا ایک ممتاز و مشہور قبیلہ ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱۰ ص ۲۶۳) "توالی التاسیس" صفحہ ۴۶۔ حاکم نے بسند صحیح وضاحت کی ہے۔

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ بروایت داؤد بن علی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ہم سے حارث نے بیان کیا کہ میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ میرے چچا کے لڑکے اور خالہ کے لڑکے ہیں۔ امام صاحب کا اشارہ اس جانب ہے کہ آپ کے دادا کے باپ سائب کی والدہ شفا بنت ارقم بن ہاشم کی والدہ خلدہ بنت اسد بن ہاشم، حضرت فاطمہ بنت اسد بن ہاشم والدہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن تھیں۔ اس لحاظ سے فاطمہ بنت اسد والدہ حضرت علی رضی اللہ عنہ امام صاحب کی دادی کی خالہ ہوئیں بدیں وجہ امام صاحب کی والدہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خالہ کہنا مجازاً صحیح ہے۔

ددھیال کی طرف سے آپ کا نسب ممتاز ترین ہے۔ یعنی قریشی ہاشمی مطلبی ہیں۔ آپ کے والد ادریس بن عباس ''مدینہ منورہ'' کے قریب ایک قصبہ ''تبالہ'' کے رہنے والے تھے۔ پھر مدینہ چلے آئے۔ معاشی کشمکش کی وجہ سے شام پہنچے اور عقلان میں سکونت پذیر ہوئے۔ امام صاحب کے جدامجد شافع اوران کے والد سائب دونوں صحابی تھے۔

(سیرت امام شافعی ص ۱۳۔۱۴)

''الاصابه فی معرفة الصحابه'' مصری جلد اول ص ۱۱...... میں کچھ یوں درج ہے۔ سائب بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم بن عبد مناف مطلبی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دادا ہیں۔ خطیب نے بغیر سند کے امام شافعی کے تذکرہ میں بیان کیا یہ کہ بدر کے معرکہ کے سلسلے میں سائب ایمان لائے یہ مشرکین کے ساتھ بنی ہاشم کے علمبردار تھے۔ یہ گرفتار ہوئے انہوں نے اپنا زرفدیہ ادا کیا۔ پھر اسلام لائے ابن کلبی نے ذکر کیا ہے کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم شبیہ تھے۔ امام حاکم نے مناقب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بطریقہ ابی محمد احمد بن محمد بن عبداللہ بن العباس بن عثمان بیان کیا ہے کہ سائب بن عبید رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا آؤ ہم لوگ چلیں اور سائب بن عبید رضی اللہ عنہ کی عیادت کریں۔ چونکہ وہ قریش کے سربرآوردہ فرد ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جب سائب رضی اللہ عنہ لائے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سائب رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا یہ میرے بھائی ہیں۔ بیہقی نے اس کو روایت کرنے کے بعد فرمایا ہے۔ سائب بن عبید صحابی ہیں اوران کے بیٹے شافع صحابی ہیں اوران کے بھائی عبداللہ بن سائب صحابی ہیں۔

(الاصابہ جلد اول ص ۱۱/ سیرت امام شافعی ص ۱۴)

مناقب الشافعی للبیہقی میں امام شافعی کا شجرہ نسب کچھ یوں درج ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک جاتا ہے۔

باب ماجاء فی نسب الشافعی اخبرنا محمد بن عبدالله الحافظ و یحیی بن ابراهیم و محمد بن الحسین و احمد بن الحسن قالوا: حدثنا ابو العباس : محمد بن یعقوب، حدثنا الربیع بن سلیمان حدثنا الشافعی :)

محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن سائب بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم بن مطلب بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان بن ہمیسع۔

(مناقب الشافعی رحمۃ اللہ علیہ للبیہقی ۱: ص ۷۶)

سن وجائے ولادت:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ماہ رجب ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ مولد کے تعین میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ صحیح تر قول یہ ہے کہ آپ کا مولد مقام غزہ ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ص ۲۷۷)

جو ''بیت المقدس'' سے بہت قریب واقع ہے۔ مورخ ابن خلکان اور حافظ ابن عبدالبر نے اسی قول کو اصح قرار دیا ہے۔ دوسرے قول میں ''عسقلان کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش بتلایا گیا ہے لیکن درحقیقت ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ کیونکہ غزہ اور عسقلان دونوں فلسطین کے سرحدی علاقے ہیں اور پاس ہی پاس واقع ہیں۔ چنانچہ غزہ سے عسقلان کا فاصلہ تین فرسخ ہے۔ عسقلان شہر ہے اور غزہ اسی کا ایک نواحی قریہ ہے۔ اس لئے عسقلان کی طرف انتساب یا تو مجازاً یا ممکن ہے ولادت غزہ میں ہوئی ہو اور پھر ان کی والدہ نو مولود کو لے کر عسقلان منتقل ہو گئی جہاں آپ نے نشو ونما پائی۔ (معجم الادباء جلد ۶ص ۳۶۸/ سیر الصحابہ جلد ۹ص ۳۱۲)

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں روایات میں جمع وتطبیق کی یہی صورت نکالی جو بالکل قرین قیاس ہے۔ جو قریہ جات شہر کے قریب ہوتے ہیں۔ ان کے باشندے عام طور پر شہر کی جانب منسوب ہیں۔ امام شافعی کے قول:۔

''میں غزہ میں پیدا ہوا اور پھر میری والدہ مجھے عسقلان لے گئیں'' (توالی التاسیس لابن حجر ص ۴۹/ سیر الصحابہ جلد نہم ص ۱۲) سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ امام صاحب سے ایک اور روایت یہ بھی منقول ہے کہ: ''میری ولادت یمن میں ہوئی پھر میری والدہ کو میرے شرف کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ لاحق ہوا تو مجھے دس سال کی عمر میں مکہ لے آئیں'' (حوالہ ایضاً)

حافظ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کو غلط قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ اس سے قبیلہ یمن مراد ہو سکتا ہے۔ جبکہ شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے احمد بن عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ راوی کا وہم قرار دیا ہے۔ دراصل میں ''ولدت'' سے مراد ''نشأت'' ہے۔ یعنی میری نشو ونما یمن میں ہوئی۔ یاقوت حموی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا روایت کو نقل کرتے ہوئے لکھا ہے۔ ''اس کی تاویل محققین نے یہ کی ہے کہ یمن سے مراد وہ سرزمین ہے۔ جہاں یمنی قبائل آباد ہو گئے ہوں اور غزہ عسقلان کی کل آبادی یمنی قبائل پر مشتمل تھی۔ اگر مذکورہ بالا روایت صحیح ہے تو اس کی یہی تاویل میرے نزدیک احسن ہے۔ (معجم الادباء جلد ۶ص ۳۶۸)

دوران حمل آپ کی والدہ نے خواب دیکھا کہ گویا مشتری ستارہ آپ کے بطن سے نکل

کر مصر میں جا کر ٹوٹ گیا ہے۔ پھر ہر شہر میں اس کے ٹکڑے گرے ہیں۔ (البدایہ والنہایہ جلد دہم ص ۲۔ ۶۳ / تاریخ ابن خلکان)

اللہ عزوجل کی عنایت:

تمام راویوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ امام صاحب کا سال ولادت ۱۵۰ھ ہے۔ اسی سال امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تھا۔ گویا یہ عجیب اتفاق ہے کہ جس سال ایک امام (امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ) نے وفات پائی اسی سال ایک دوسرے امام (امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ) عالم وجود میں آ گئے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ (امام شافعی ص ۲۔ ۴۱)

بچپن:

آپ رحمۃ اللہ علیہ چھوٹے ہی تھے کہ آپ کے والد فوت ہو گئے اور آپ کی والدہ آپ کو دو سال کی عمر میں مکہ لے گئیں تا کہ آپ کا نسب ضائع نہ ہو۔ آپ نے وہیں نشو ونما پائی۔ (البدایہ والنہایہ جلد دہم ص ۷۶۴) اس علاقہ میں رہے پھر بعد میں اپنے قبیلہ از دونواح یمن کا سفر کیا اور آپ نے اپنے ماموں کے پاس کامل آٹھ سال گزارے وہیں آپ نے سات برس کی عمر میں قرآن حفظ کر لیا اور دس سال کی عمر میں موطّا امام مالک کو حفظ کیا۔

(توالی التاسیس / سیرت شافعی ص ۵۔ ۱۴)

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: ''اے لڑکے۔'' جب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب پہنچا آپ نے اپنا لعاب دہن میری زبان پر ہونٹوں پر اور منہ میں ڈال دیا۔ پھر فرمایا جا خدا تجھ پر برکت نازل فرمائے۔ آپ فرماتے ہیں، میں نے اسی عمر میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خانہ کعبہ میں نماز پڑھاتے دیکھا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں کو تعلیم دیتے رہے۔ پھر میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب پہنچا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے بھی کچھ سکھایئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی آستین سے میزان (ترازو) نکال کر عطا کیا اور فرمایا تیرے لئے میرا یہ عطیہ ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے ایک معتبر سے اس کی تعبیر دریافت کی۔ اس نے کہا کہ تم دُنیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت مطہرہ کی نشر و اشاعت میں امام بنو گے۔

(اکمال ص ۴۱ / سیرت شافعی ص ۱۵)

باب ۲

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ
تعلیم وتربیت کے میدان میں

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی نشو ونما ایک غریب گھرانے میں ہوئی باپ کا سایہ بچپن ہی میں سر سے اٹھ گیا تھا۔ ماں کی آرزو یہ تھی کہ بچہ اپنے خاندان و تبار کی خصوصیات ضائع نہ کر دے۔ روایات صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت ایسی عمدہ ہوئی کہ بچپن ہی سے انہیں حفظ کا شوق پیدا ہو گیا۔ ذکاوت وذہانت قدرت کا عطیہ تھی۔ سب سے پہلے انہوں نے حفظ قرآن شروع کیا یہیں سے ان کی ذکاء شدید اور سرعت حافظہ کی خصوصیات کا اظہار ہوا۔ چنانچہ بہت جلد وہ حافظ قرآن ہو گئے۔ حفظ قرآن کے بعد وہ حفظ حدیث پر متوجہ ہوئے۔ حصول حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شوق انہیں بے تاب رکھتا تھا۔ حالت یہ تھی کہ کوئی حدیث سنی اور ازبر ہو گئی۔ پھر کبھی اسے کپڑے پر لکھ لیتے تھے۔ کبھی کھال پر کبھی کوئی بیاض تیار کر لیتے اور اس کے اوراق پر جو کچھ یاد کرتے قلمبند کر لیتے۔ (مناقب الشافعی للرازی/ امام شافعی ص ۴۷)

جب آپ رحمۃ اللہ علیہ کی عمر دس سال ہو گئی تو آپ کی والدہ نے آپ کو مکہ مکرمہ میں آپ کے چچا کے پاس بھیج دیا تاکہ آپ شہر میں رہ کر علم انتساب حاصل کریں۔

مکہ سے حصولِ علم کا آغاز:

امام صاحب نے ''مکہ مکرمہ'' میں مکتب سے تعلیم کی ابتدا کی اس کے بعد مدینہ منورہ میں علم حاصل کیا۔ مکہ مکرمہ ہی میں تیر اندازی، شہ سواری کے ساتھ مکتبی تعلیم کے بعد قبیلہ ''بنی ھذیل'' میں رہ کر عربیت اور اشعار عرب میں مہارت حاصل کی۔ اسی کے ساتھ اپنے چچا ''محمد بن شافع'' اور ''مسلم بن خالد زنجی رحمۃ اللہ علیہ'' وغیرہ سے حدیث کا سماع کیا۔ (سیرت ائمہ اربعہ (قاسمی) ص ۱۴۳)

اسکے علاوہ محمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ، عبدالعزیز ماجشون رحمۃ اللہ علیہ، اسماعیل بن جعفر رحمۃ اللہ علیہ، ابراہیم ابی یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے بہت سے لوگوں سے حدیث کا سماع کیا۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۲۷۷)

آپ رحمۃ اللہ علیہ، علی بن مدینی رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ، یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابن المفضل رحمۃ اللہ علیہ کے چار طبقات میں سے چوتھے طبقہ کے رجال سے تعلق رکھتے ہیں۔ (ایضا) امام صاحب اپنی طالب علمی کا حال بیان کرتے ہیں کہ میں یتیم تھا۔ والدہ میری کفالت کرتی تھیں۔ میرے پاس معلم کی خدمت کے لئے رقم نہیں تھی۔ مگر ایسی صورت پیدا ہوگئی کہ معلم اس کے بغیر پڑھانے پر راضی ہوگیا۔ وہ بچوں کو جو سبق دیتا تھا میں زبانی یاد کرلیا کرتا تھا اور اس کی عدم موجودگی میں مَیں بچوں کو پڑھایا کرتا تھا۔ میری اس بات سے معلم بہت خوش ہوا اور مجھے مفت تعلیم دینے پر راضی ہوگیا۔ جبکہ مناقب الامام الشافعی ص ۱۶ اور مفتاح السعادۃ جلد ۲ ص ۸۹ میں کچھ یوں درج ہے کہ: بقول امام رازی رحمۃ اللہ علیہ جب وہ مکتب میں گئے تو معلم نے بے مائیگی کی بنا پر پڑھانے سے انکار کردیا۔ خود امام صاحب فرماتے تھے کہ میں اتنا غریب تھا کہ کاغذ تک خریدنے کی قدرت نہ تھی اس لئے ہڈی لے کر اس پر لکھا کرتا تھا، لیکن یہ تمام مشکلات وموانع کی راہ ترقی میں مانع نہ ہو سکے۔ وہ معلم کی بے اعتنائی کے باوجود مکتب میں بیٹھے رہے اور استاد بچوں کو جو اسباق پڑھاتا اسے زبانی یاد کر لیتے اور پھر ہڈیوں پر لکھ لیتے۔ (الواقع الانوار جلد اول ص ۴۲/ سیر الصحابہ جلد نہم ص ۳۱۶) یہاں تک کہ اس نے جو کچھ بھی طلبہ کو پڑھایا، امام صاحب نے سب یاد کرلیا اور اپنی ذہانت سے صرف سات سال کی عمر میں پورا کلام پاک حفظ کرلیا۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۲۷۷)

آپ نے اسماعیل بن قسطنطین کو عن شبل عن ابن کثیر عن مجاہد عن ابن عباس عن ابی بن کعب رضی اللہ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عن جبریل علیہ السلام عن اللہ عزوجل قرآن سنایا۔ (البدایہ والنہایہ جلد دہم ص ۲۶۴) فقہ میں بھی ید طولیٰ پیدا کیا۔ فقیہہ مکہ مسلم بن خالد زنجی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات میں حاضر ہوکر ان کے چشمہ علم سے سیرابی حاصل کی اور فقہ میں اتنا کمال پیدا کیا کہ ان کے شیخ نے پندرہ ہی سال کی عمر میں یہ کہہ کر ''فتویٰ نویسی'' کی اجازت دے دی کہ **افت یا اباعبداللہ فقد ان لك ان تفتی** (طبقات الفقہا للشیرازی ص ۴۹/ سیر الصحابہ جلد نہم ص ۳۱۶) ''اے ابوعبداللہ تم فتویٰ دے سکتے ہو۔ یہ ذمہ داری تمہیں سجتی ہے۔''

مکہ میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے مسلم بن خالد زنجی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ مشہور محدث سفیان بن عینیہ رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کیا تھا کہ وہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے علم وفضل کے اتنے معترف تھے کہ فرماتے تھے کہ **هذا افضل من فتیان اهل** زمانہ اور جب کوئی تفسیر مسئلہ یا فتویٰ آجاتا تو امام شافعی کی

طرف رُخ کر کے فرماتے کہ ان سے دریافت کرو۔ بلاشبہ آپ نے فقہ و حدیث میں کمال حاصل کرلیا اور اس مرتبے پر پہنچ گئے کہ مسند افتاء پر جلد متمکن ہو گئے لیکن ان کی ہمت عالی اس حد پر قانع نہ ہو سکی۔ کیوں کہ سچ پوچھیے تو علم حدود اور اقطار سے ماورا ہے۔ چنانچہ ان کے کانوں میں امام مدینہ (امام مالک رحمۃ اللہ علیہ) کا نام پڑا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا شہرہ چار سو تھا۔ دُور دُور سے قطع منازل کرتے ہوئے لوگ ان کی خدمت میں آتے تھے اور کسب فیض کرتے تھے۔ (امام شافعی ص ۴۹) مدینہ کی درس گاہ میں ہر روز امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا چرچا رہتا تھا۔ ان کی درس گاہ کے آداب، شاگردوں کا طریقہ حدیث خوانی، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا شرح و بیان، وقار و مناقب، صفائی اور ستھرائی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سنتے تھے اور چپ رہ جاتے تھے۔ آخر ایک دن مسلم بن خالد زنجی سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جانے کا شوق اور اپنی تنگ دستی بیان کی۔ مشورہ یہ ملا کہ حضرت زبیر کے بیٹے حضرت مصعب بڑے صاحب اثر ہیں۔ وہ ذرا سا سفارشی رقعہ بھی کسی کو لکھ دیں گے تو مشکل آسان ہو جائے گی، حضرت مصعب بھی صاحب دولت ہیں، چاہیں گے تو خود دیں گے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ مصعب کی خدمت میں پہنچے اور مصعب نے ان کا حال سنا تو فوراً چٹھی لکھ دی اور انہیں سوا سو اشرفیاں مل گئیں۔ استاد نے ایک سفارشی خط امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نام اس مضمون کا لکھ دیا کہ یہ لڑکا آپ کی توجہ کا مستحق ہے اور بے حد شوقین ہے۔ ذہین ہے۔ ذہین اور بے حد ذکی ہے۔ تین برس میرے درس میں شریک رہا ہے۔ (امام شافعی کے حالات ص ۱۹۰۲) مکہ میں تین سال تک تحصیل علم میں مشغول رہنے کے بعد مدینہ طیبہ کا رُخ کیا جہاں امام مالک بن انس بن مالک (بن حضرت ابی عامر رضی اللہ عنہ) کا دریائے فیض رواں تھا۔ (بستان المحدثین: شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ)

مکہ سے مدینہ کی طرف:

آخر کار شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کمر ہمت باندھی اور مکہ سے مدینہ روانہ ہو گئے۔ ان کی یہ ہجرت علم کے لئے تھی لیکن مکہ چھوڑنے سے پہلے ان کی طبیعت نے یہ گوارا نہ کیا کہ مدینہ اس حالت میں پہنچیں کہ علم مالک سے تہی دامن ہوں۔ چنانچہ ایک شخص سے موطأ امام مالک حفظ کر ڈالی۔ (امام شافعی ص ۴۹) ابن فرحون رحمۃ اللہ علیہ نے یوں لکھا ہے:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ حافظ تھے انہوں نے موطأ کو ۹ شب میں حفظ کر لیا تھا۔ ایک قول تین شب کا بھی ہے۔ (الدیباج ص ۲۲۸/ سیر الصحابہ جلد نہم ص ۲۲۸) لیکن خود امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ۹ رات کا ہی ہے۔ (طبقات الشافعیہ ص ۲)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس درس میں:

جب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ملے تو اپنے استاد کی چٹھی پیش کی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے چٹھی پڑھ کر پھینک دی اور غصہ سے فرمایا کہ کیا سرکار دو عالم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ علم چٹھیوں کی سفارش پر پڑھانا چاہیے؟ یہ تو طلب صادق پر موقوف ہے اور طلب صادق ہی اس کی سفارش ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا شوق اور بے قراری پیش کی تو محبت سے پوچھا تمہارا نام؟ آپ نے جواب دیا، محمد بن ادریس فرمایا اللہ سے ڈرتے ہو تمہاری بڑی شان ہونے والی ہے۔ (امام شافعی کے حالات ص ۲۰) پھر کہا ٹھیک ہے تم کل آنا اور اپنے ساتھ ایسے آدمی کو لانا جو تمہارے لئے موطأ پڑھے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں خود اس کی قرأت کروں گا چنانچہ میں امام صاحب کے حلقہ درس میں شامل ہو کر موطأ زبانی پڑھتا تھا اور کتاب میرے ہاتھ میں ہوتی تھی۔ بعض اوقات امام صاحب کی ہیبت سے پڑھنا بند کر دیتا تھا تو پڑھنے کی فرمائش کرتے تھے۔ اسی طرح میں نے چند دنوں میں موطأ پڑھ لی۔ امام صاحب کی وفات تک مدینہ میں مقیم رہے۔ (سیرت ائمہ اربعہ ص ۱۴۶)

درس حدیث کے طریقے اور آداب:

مجموعی طور پر مدینہ منورہ میں درس حدیث کے دو۲ طریقے تھے:

(۱) ایک تو یہ تھا کہ شیخ الحدیث کی تقریر نوٹ کر لیتے اور اگر کوئی اُلجھاؤ ہوتا تو سوالات کرتے تو شیخ جواب دیتے۔

(۲) دوسرا طریقہ یہ تھا کہ شیخ تقریر اور حدیثیں نوٹ کر کے لے آتے اور کسی مستعد اور ذہین طالب علم کو دے دیتے کہ دوسرے طلباء کو سنا دے اور شیخ تشریح کرتے جاتے تھے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اسی طریقہ پر درس دیتے تھے اور تمہیں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی درس گاہ کی یہ بات یاد ہو گی کہ ہارون الرشید کے سامنے معین ابن عیسیٰ نے حدیثیں بیان کی تھیں اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے شرح کی تھی۔ یہ عزت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے شاگردوں کو بھی حاصل ہوئی تھی اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی حاصل ہوئی تھی اور جب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ حدیث بیان کرتے تھے تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی قرأت نہایت پسند آتی تھی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم اپنے شیخ کے سامنے کتاب کا ورق بھی نہایت آہستہ پلٹتے تھے کہ آواز نہ ہو اور یہ شان اور ادب دَورۂ حدیث کے

لئے ضروری ہے۔

یوں تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرے بڑے بڑے اکابر سے بھی حدیث کی روایت کی ہے۔ مگر سب سے زیادہ فیض امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا ہے اور تین برس تک درس گاہ میں شریک رہے۔ (امام شافعی کے حالات ص ۲۰۔۲۱)

اس سلسلہ میں دوسری روایت مصعب بن ثابت زبیری رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ مدینہ آنے کے بعد مسجد میں بیٹھ کر شعر سناتے تھے۔ یکدم میرے والد نے ان سے کہا کہ تم اپنی قریشیت کے لئے صرف اتنے پر راضی ہو کر شاعر بن جاؤ؟ امام صاحب نے کہا: کہ پھر کیا کروں؟ والد نے بتایا کہ تم فقہ کی تعلیم حاصل کرو!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: اللہ عزوجل جس شخص کے ساتھ اچھا معاملہ کرنا چاہتا ہے۔ اس کو تفقہ فی الدین عطا فرماتا ہے۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث، 2392) اس کے بعد امام صاحب، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں گئے اور ان سے تعلیم حاصل کی۔

کچھ دنوں کے بعد امام صاحب نے میرے والد (تابعی) ثابت بن عبداللہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کیا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، "ہمارا مسلک وہ ہے جس پر ہمارے شہر والے ہیں اور جس پر راشدین محدثین ائمہ مسلمین ہیں۔" ان کے اس قول کا کیا مطلب تھا؟ والد صاحب نے ان کو بتایا کہ دین کے بارے میں معیار اور محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر ابو بکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم ہیں جن کا انتقال مدینہ میں ہوا ہے۔ اس کے بعد امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نہایت انشراح کے ساتھ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں شریک ہونے لگے۔ اس روایت میں کچھ کلام ہے۔

(سیرت ائمہ اربعہ: ص ۱۴۶)

آپ رحمۃ اللہ علیہ مختصر مدت کے لئے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس رہے۔ استاد و شاگرد کے درمیان بہت گہرے روابط قائم ہو گئے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ان کے فہم و ذکا کی بہت تعریف فرمایا کرتے تھے۔ جب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے موطاً کی زبانی قرأت سُنائی تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے برجستہ فرمایا: "یہ لڑکا یقیناً کامیاب ہوگا۔" امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے استاد کا بے حد احترام کرتے تھے، فرماتے تھے۔ "امام مالک رحمۃ اللہ علیہ میرے معلم اور میرے استاد ہیں۔ میں نے علم ان ہی سے سیکھا، ان سے زیادہ مجھ پر کسی کا احسان نہیں ہے۔ میں نے ان کو اپنے اور اللہ کے درمیان محبت بنایا ہے۔" نیز جب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی قول بیان کرتے تو کہتے "ھذا قول استاذ نا مالک رحمۃ اللہ علیہ۔" (مفتاح السعادۃ جلد۲ ص ۹۰/ سیر الصحابہ جلد نہم ص ۳۱۸)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے فتویٰ کی سند:

امام محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ مدینہ منورہ میں تعلیم کی تکمیل کر چکے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کا ارادہ واپسی کا تھا۔ ایک دن آپ رحمۃ اللہ علیہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی حلقہ درس میں شریک تھے وہاں ایک شخص آیا اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کی میں قمریوں کا تاجر ہوں۔ میں نے ایک شخص کو قمری فروخت کی اور یہ بھی کہا کہ یہ قمری خوب بولتی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد جس قمری کو خریدا تھا واپس آیا اور کہنے لگا کہ یہ قمری تو نہیں بولتی۔ اس دوران میں میری اور اس کی بحث شروع ہوگئی۔ دوران بحث میں میری زبان سے یہ جملہ نکل گیا کہ میری قمری کبھی خاموش نہیں رہتی اگر رہے تو میری بیوی کو طلاق، اب فرمایئے میری بیوی کو طلاق تو نہیں ہوئی؟ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا۔ تیری بیوی کو طلاق ہوگئی۔ وہ شخص رنجیدہ گھر واپس چلا گیا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ خاموشی سے اس کے پیچھے ہوئے۔ تھوڑی دور پہنچ کر اس شخص کو آواز دے کر روکا اور پوچھا۔ تیری قمری اکثر بولتی ہے یا اکثر چپ رہتی ہے۔ اس نے جواب دیا اکثر بولتی رہتی ہے۔ کبھی کبھی خاموش بھی رہتی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا مطمئن رہو تمہاری بیوی کو طلاق نہیں ہوئی۔ یہ جواب دے پھر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ میں شریک ہو گئے۔ وہ سائل پھر واپس آیا اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کہا جناب والا میرے معاملہ میں پھر غور فرمایئے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے پھر وہی جواب دیا۔ سائل نے کہا کہ آپ کے حلقہ میں یہ نوجوان شخص شریک ہے۔ اس نے ابھی مجھے مطمئن کر دیا کہ طلاق نہیں ہوئی ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے عتاب آمیز لہجہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا، تم نے یہ غلط فتویٰ کیوں دیا؟ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا۔ میں نے اس سے دریافت کیا کہ آیا تیری قمری زیادہ تر بولتی ہے۔ یا زیادہ تر خاموش رہتی ہے۔ اس پر اس نے جواب دیا کہ وہ زیادہ تر بولتی رہتی ہے۔ اس لئے میں نے یہ فتویٰ دیا کہ طلاق نہیں ہوئی۔ اس پر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو اور بھی غصہ آیا اور فرمانے لگے کہ کثرت وقلت کی یہاں کیا بحث ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ ہی نے مجھ سے بواسطہ عبیداللہ بن زیاد روایت بیان فرمائی ہے کہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت معاویہ اور حضرت ابوجہم رضی اللہ عنہما نے مجھے شادی کا پیغام بھیجا ہے۔ اس لئے عرض ہے کہ اب میں ان دونوں میں سے کس سے نکاح کروں؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تو تنگدست ہے اور حضرت ابوجہم رضی اللہ عنہ

کبھی کاندھے سے لکڑی ہی نہیں اتارتا۔(۱) حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوب جانتے تھے کہ ابوجہم سوتا بھی ہے اور دوسری حاجتوں میں مصروف بھی رہتا ہے۔ اس سے میں نے اندازہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منشائے مبارک یہ تھا کہ وہ اکثر کاندھے پر لکڑی رکھے رہتا ہے۔ اس بنا پر میں نے اس کو یہ فتویٰ دیا کہ قمری چونکہ اکثر بولتی رہتی ہے اس لئے اس کی طلاق نہیں ہوئی۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے سائل سے فرمایا۔ ہاں بھائی جاؤ، واقعی طلاق نہیں ہوئی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال معقول ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی اس دقیقہ سنجی نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے یہ کہلوا دیا کہ اب تم میں فتویٰ دینے کی صلاحیت پیدا ہوگئی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ وہ دیگر محدثین و فقہائے مدینہ نے متفقہ طور پر آپ کو فتویٰ دینے کی اجازت عطا فرمائی۔ (سیرت شافعی ص ۲۰۔۱۹۔۱۸)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا تعامل بالکتاب والسنہ سے متعلق ایک واقعہ:

ایک دفعہ آپ رحمۃ اللہ علیہ امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تشریف لے گئے۔ امام محمد اس وقت یہ بیان کر رہے تھے کہ اہل مدینہ کا دستور ہے کہ وہ مدعی کے حلف اور ایک گواہ پر فیصلہ صادر کرتے ہیں اور یہ عمل قرآن سے آگے بڑھنے کے مترادف ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے سن کر پوچھا: کیا آپ کو ثابت ہو چکا ہے کہ خبر واحد کے ساتھ زیادہ علی القرآن روا نہیں؟...... امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا، جی ہاں! بالکل ثابت و درست ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: پھر آپ "لا وصیة لوارث" (۲) کی حدیث پر کیوں عامل نہیں۔ قرآن میں تو مذکور ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ۝ (سورۃ بقرہ ۲، آیت ۱۸۰)

یہ سنتے ہی امام محمد رحمۃ اللہ علیہ خاموش ہو گئے اور ان کی خاموشی اس بات کی دلیل تھی کہ اس مسئلے میں انہوں نے بھی فقہ کو چھوڑ کر استشہاد قرآن پر سر جھکا لیا ہے۔ تو کہنے کا مطلب یہ ہے کہ بزرگان دین جب کسی مسئلے میں قرآن وحدیث کا حکم پا لیتے تو فوراً اپنے اجتہاد و قیاس سے دست بردار ہو جاتے مگر انہی بزرگوں کی تقلید کرنے والے ہیں کہ جو کچھ خلاف کتاب وسنت سنتے ہیں۔ اس کو وحی سماوی کی طرح سینے سے چمٹا لیتے ہیں۔ ایک اور انداز سائل سناتا ہے۔

۱۔ (صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب المطلقة البائن لانفقة لها، رقم الحديث 3693، سنن ابی داؤد، رقم الحدیث 2284، سنن نسائی 3244)

۲۔ (سنن ابی داؤد، کتاب الوصایا، رقم الحدیث: 2870، سنن الترمذی، رقم الحدیث: 2120، سنن ابن ماجه، رقم الحدیث 2713، مسند احمد، 267/5، منتقیٰ ابن الجارود، رقم الحدیث: 949، سنن الکبریٰ للبیهقی، 264/6، مشکوٰة المصابیح، باب الوصایا، رقم الحدیث: 30/73)

سائل: کہ آپ بعض روایات کے مخالف ہیں؟

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ: ہاں یہ درست ہے، جب میں کسی روایت کو ضعیف اور خلاف اصول پاتا ہوں یا وہ باقی روایات سے مطابقت نہیں رکھتی یا وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریق وعمل کے خلاف ہوتی ہے تو میں اس کو بے اصل کہتا ہوں۔ ایسے "موضوعات" چونکہ عقائد میں ضعف پیدا کرتے ہیں، اس لیے ان کو چھوڑ نا ہی بہتر ہے۔

سائل: آپ تارک سنت کی نسبت کیا کہتے ہیں؟

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ: وہی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ من عصانی فقد عصی اللہ یعنی جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی)(۱) پس تارک سنت اور تارک کتاب میں کچھ فرق نہیں۔ (معتقدات ابن صریح ص ۳۰۱)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے عمر میں ۱۴ سال چھوٹے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ اب علم حدیث پر کچھ لکھنے کے لئے جو شخص ہاتھ میں قلم پکڑے گا وہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مضمون احسان ہوگا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے موطأ کی روایت کرنے کے بعد بھی حصول فقہ کے لئے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے دامن سے وابستہ رہے اور وہ مسائل حاصل کرتے رہتے۔ جن کے بارے میں اس امام جلیل رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ جاری کئے تھے۔ یہاں تک کہ ۱۷۹ھ میں امام مالک کا انتقال ہوگیا۔ یہ زمانہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے عنفوان شباب کا تھا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے پورا پورا استفادہ کر چکنے کے بعد بھی انہوں نے حصول علم کے لئے بلاد اسلامیہ کا سلسلہ سفر جاری رکھا۔ اس سفر سے انہوں نے بہت کچھ حاصل کیا لوگوں کے احوال واخبار اور شیون اجتماعی سے واقفیت پیدا کی۔ پھر والدہ محترمہ سے ملنے گئے۔ ان سے نصائح کی دولت حاصل کی وہ بڑی عقیل وفہیم بی بی تھیں ادب سے بھی ذوق رکھتی تھیں۔ بہر حال امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کسب فیض، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے لئے کسی درجہ بھی طالب علم کے لیے مزید سفر اور اختیار وتجارب میں مانع نہیں ہوا۔

(امام شافعی ص ۵۲)

۱۔(صحیح بخاری، کتاب الحکام، رقم الحدیث 7137، صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، رقم الحدیث 4749)

مکہ آمد:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پھر مکہ واپس آ گئے اور وہاں کے شیوخ اساتذہ سے کسب فیض کیا۔ اس کے بعد امام صاحب کو فکر معاش دامن گیر ہوئی۔

(سیر الصحابہ جلد نہم ص ۳۱۸)

یمن کا سفر اور وہاں کی امارت:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی مدنی درس گاہ میں رہ کر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے دینی علوم کو حاصل کیا لیکن معاش حیات کے وسائل کے لیے پریشان ہوئے۔ چنانچہ سوچا اب کوئی ایسا کام کرنا چاہیے جس سے کھانا پینا میسر ہو سکے اور زندگی کی ضروریات پوری کی جا سکیں۔

اتفاق کی بات اسی زمانے میں والی یمن حجاز میں آیا۔ بعض قریشیوں نے اس سے شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی سفارش کی چنانچہ وہ انہیں اپنے ساتھ لے گیا۔ اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ''اس وقت میری والدہ کے پاس اتنے روپے بھی نہیں تھے کہ میں سروسامان سفر بہم پہنچا سکتا۔ آخر بے چاری نے گھر رہن کیا تب کام چلا۔ جب میں یمن پہنچا تو میں نے باقاعدہ کام شروع کر دیا اور والی کی طرف سے امور سرانجام دینے لگا۔'' شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس عمل نے ان کے مواہب اور اختیارات، ذکاوت، فراست، علم اور وسعت نظر اور عالی ہمتی کو اور زیادہ اجاگر کر دیا۔

چنانچہ بہت جلد ایک عادل اور دانا شخص کی حیثیت سے ان کی شہرت کا ستارہ چمکنے لگا۔ ان کے نام کا چرچا یمن سے نکل کر مکہ کی گھاٹیوں تک پہنچ گیا لیکن جب ان فقہا اور محدثین جو ان سے کسب فیض کر چکے تھے یا جن سے شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے استفادہ کیا تھا، یہ خبر پہنچی تو انہوں نے ایک بالکل دوسرا طرز عمل اختیار کیا یہ لوگ شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس اقدام سے اختلاف کرنے لگے۔ ان میں بعض وہ تھے۔ جو شافعی کو اس کے لیے سزاوار ملامت قرار دیتے تھے کہ انہوں نے یہ ذمہ داری کا منصب کیوں قبول کیا اور بعض نے نصیحت کی کہ یہ کام وہ ترک کر دیں۔

نجران کے عامل کا عہد:

لیکن شافعی ملامت اور نصیحت سے متاثر ہوئے بغیر اپنے کام میں لگے رہے وہ نجران

کے عامل بنا دیے گئے۔ یہاں پہنچ کر انہوں نے عدل وانصاف کے جھنڈے گاڑ دیے۔ نجران میں بھی جیسا کہ ہر زمانہ میں ہر ملک کے لوگوں کا دستور ہوتا ہے۔ وہ لوگ تھے جو والیوں اور عاملوں اور قاضیوں کی خوشامد اور چاپلوسی میں لگے رہتے تھے تاکہ ان سے اپنے لیے رعایتیں حاصل کر سکیں اور وہ ان کے مزاج میں رسائی پیدا کر سکیں۔

لیکن انہوں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو ایسا آدمی پایا کہ جس پر خوشامد کا اثر ہوتا تھا نہ تملق (چاپلوسی) کا۔ جس کے مزاج میں رسائی اور پہنچ حاصل کرنے کی کوئی سبیل نہیں تھی۔ وہ عدل وانصاف کے معاملہ میں نہ کسی رعایت پر آمادہ ہوتے تھے نہ کسی کی سفارش قبول کرتے تھے چنانچہ وہ خود ہی اپنے اس دور کے متعلق فرماتے ہیں:

> ''میری ولایتِ نجران کے زمانہ میں بنو حارث بن عبدالمدان اور موالی ثقیف جیسا کہ گزشتہ والیوں کے ساتھ ان کا دستور اور معمول تھا کہ خوشامد اور چاپلوسی کیا کرتے تھے، میرے پاس بھی اس نیت سے پہنچے لیکن بے چارے ناکام رہے تھے، مجھے پرچانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔''

شعار عدل:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بے لوث اسلوب کار سے اس کی کوئی گنجائش ہی نہیں چھوڑی کہ انہیں خوشامد اور تملق سے پرچایا جا سکے۔ یہ دروازہ انہوں نے بالکل بند کر رکھا تھا۔ یہ وہ دروازہ تھا جس میں داخل ہو کر چھوٹے لوگ بڑے لوگوں کے پاس پہنچتے تھے، تاکہ انہیں عدل اور حق کے راستے سے ہٹا سکیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ دروازہ بند کیا تو اپنے نفس کو اس طرح قلعہ بند کر لیا کہ ہر شر اور ظلم سے بالکل محفوظ ہو گئے۔

اس لیے کہ عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ کبار نفوس اگر معانعت اور تملق سے متاثر ہوتے ہیں تو پھر عدل کا قائم رکھنا ان کے لیے مشکل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ ان کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ عدل کا رشتہ ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے لیکن عدل ایک ایسا سینہ زور اور سرکش گھوڑا ہے کہ اس پر صرف اولوالعزم لوگوں ہی کی ران جم سکتی ہے۔ وہ زمانہ کی خشونت سے مرعوب اور متاثر ہوئے ہیں اور نہ ہی اذیتوں اور تکلیفوں کو اس راہ میں کوئی اہمیت دیتے ہیں۔ بلاشبہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ انہی لوگوں میں تھے۔

(امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ص ۵۵)

اہل علم کا رویہ:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جن میں یمن سے مکہ آیا اور ابن ابی یحییٰ (ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ سمعانی مدنی اسلمی متوفی ۱۸۴ھ) کی خدمت میں پہنچا اور سلام کر کے بیٹھ گیا۔ انہوں نے سخت لہجہ میں مجھے ڈانٹا اور کہا کہ تم لوگ ہماری مجلس درس میں بیٹھتے ہو اور جب کسی کو کوئی کام مل جاتا ہے تو اس میں لگ جاتا ہے۔ اس طرح کی اور باتیں کیں اور میں ان کے یہاں سے چلا آیا اس کے بعد سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا میں نے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے خندہ پیشانی سے مرحبا کہا محبت سے پیش آئے اور کہا کہ ہم کو تمہارے امیر ہونے کی اطلاع ملی تھی۔ تم نے وہاں رہ کر علم دین کی اشاعت نہیں کی اور اللہ کی طرف سے تم پر جو ذمہ داری ہے۔ اس کو پورے طور پر پورا نہیں کیا، اب وہاں نہ جانا سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت میرے لیے ابن ابی یحییٰ کی باتوں سے زیادہ کارگر ثابت ہوئی۔ (جامع بیان العلم جلد اول ص ۹۸/ سیرت ائمہ اربعہ ص ۱۴۷)

والی یمن سے اَن بن:

چنانچہ یمن واپس آئے تو طبع میں فرق تھا۔ یمن کا قیام امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے دور ابتلاء ومحن ثابت ہوا۔ وہ نجران کے عامل تھے۔ جو یمن کا ایک علاقہ تھا اور یمن کا والی حد درجہ سفاک تھا اور ظالم...... امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس کا دست تظلم روکنے کی کوشش کرتے اور کم از کم لوگوں کو اس کے مظالم سے بچانے کی جدوجہد میں لگے رہتے جو ان کے حلقہ میں تھے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے اس والی کی خدمت وہی تمغہ ملا کرتا تھا۔ جو علمائے حق کی طرف سے جابروں کو ملتا ہے۔ یعنی سیف زبان کی برش یعنی رَد وَ ررَ اور کھلے بندوں نکتہ چینی اور اعلاء کلمۃ الحق، چنانچہ ایک طرف تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، جہاں تک بن پڑتا، اس والی کی دراز دستیوں میں آڑے آتے اور جب موقع ہوتا تو پھر بے رو رعایت کلمہ حق بھی ان کی زبان پر آجاتا اور بے درنگ وہ صاف اور کھری باتیں سنانے میں تامل نہ کرتے۔ اس طرز عمل کا نتیجہ یہ نکلا کہ والی یمن ان سے پرخاش رکھنے لگا۔ ان کے خلاف وہ سازشوں، حیلہ جوئیوں اور فریب کاریوں میں مشغول رہنے لگا۔

شیعوں علویوں کی حمایت کا الزام:

عباسی خلفاء اپنے سب سے قوی دشمن علویوں کو سمجھتے تھے۔ اس لیے ان کی سطوت و

اقتدار کی بنیاد نسب پر یعنی قرابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تھی۔ چنانچہ حسب ونسب کی بنیاد پر حکومت قائم ہوگئی۔ تو یہ ان لوگوں کو نیست و نابود کرنے پر تل گئے جو نسب میں یعنی قرابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعتبار سے بالا تھے۔ چنانچہ جیسے ہی عباسیوں نے دیکھا کہ علوی تحریک سر اٹھا رہی ہے اس کے کچل دینے کے لئے کیل کانٹے سے لیس ہوگئے۔ یہ لوگوں کی گردنیں دھڑا دھڑ محض شبہ پر نہ کہ جزم و یقین کی بنیاد پر کاٹنے لگے!

والی یمن کو اس سے اچھا موقع اور کون سا مل سکتا تھا۔ اس نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو موردالزام ٹھہرایا کہ وہ علویوں کے ساتھ ہیں۔ چنانچہ اس نے خلیفہ ہارون الرشید کو لکھا کہ یہاں علوی تحریک کے ۹ سربرآوردہ لوگ ہیں۔ پھر آگے چل کر اس نے لکھا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ یہ لوگ ضرور خروج کریں گے۔ انہی میں شافعی مطلبی کا لڑکا (امام شافعی) بھی ہے۔ جو نہ میرا حکم مانتا ہے نہ میری پابندیوں کو خاطر میں لاتا ہے۔ یہ شخص اپنی زبان سے وہ کام کررہا ہے جو ایک جنگجو سپاہی تلوار سے بھی نہیں کرسکتا یہ مکتوب پاکر ہارون رشید نے والی یمن کو فرمان بھیجا کہ وہ ۹ کے ۹ آدمی بھی شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے فوراً بعد بغداد بھیج دیے جائیں۔ (امام شافعی ص ۵۷۸)

ہارون الرشید کے عتاب سے نجات:

اس سلسلہ میں روایت یہ ہے کہ وہ ۹ کے ۹ آدمی ہارون الرشید کے حکم سے قتل کردیئے گئے لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنی قوت حجت اور امام محمد بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی سفارش سے بچ گئے۔ ہارون الرشید کے حکم سے جب قتل کے لئے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نطع (چمڑے کے فرش) پر بٹھائے گئے اور تلوار سامنے لائی گئی تو انہوں نے کہا: یا امیر المؤمنین ان دو آدمیوں کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں کہ ان میں سے ایک مجھے اپنا بھائی سمجھتا ہے اور دوسرا مجھے اپنا غلام تصور کرتا ہے۔ ان دونوں میں سے میرے نزدیک کسے محبوب ہونا چاہیے۔ ہارون الرشید نے جواب دیا: وہ شخص جو تمہیں اپنا بھائی تصور کرتا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا؛ یہ بات آپ نے فرمائی ہے۔ یا امیر المؤمنین آپ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد ہیں اور علوی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد اور ہم بنو مطلب ہیں۔ بس عباسی جو اولاد حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہیں، ہمیں اپنا بھائی سمجھتے ہیں اور علوی ہمیں اپنا غلام خیال کرتے ہیں اور امام محمد کی شہادت یہ تھی کہ علم، اہل علم کے مابین قرابت پیدا کردیتا ہے۔ چنانچہ اس اتہام (تہمت) کے موقع پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو امام محمد سے آس پیدا ہوئی۔ چنانچہ اس کاروائی کے بعد خلیفہ نے جب ان سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں استفسار کیا تو کہا: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

کو علم سے حصہ وافر عطا ہوا ہے اور وہ ایسے نہیں ہے۔ جیسا کہا جا رہا ہے۔ ہارون الرشید نے کہا: اگر یہ بات ہے تو فی الحال اس شخص کو اپنے پاس رکھیے پھر اس کے بارے میں کوئی آخری فیصلہ کروں گا۔ (امام شافعی ص ۶۰)

بغداد میں امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس درس میں:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بغداد میں آ کر جس ابتلاء اور محن سے دوچار ہوئے یہ ۱۸۴ء کا واقعہ ہے۔ اس وقت ان کی عمر چونتیس سال کی تھی لیکن یہ دور محن وابتلاء درحقیقت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے پیام رحمت ثابت ہوا اور ان کی قسمت کھل گئی۔ اب وہ زیادہ جوش وخروش کے ساتھ حصول علم و حصول فقہ میں مصروف ومنہمک ہو گئے۔ ایسے مصروف ہوئے کہ دنیا ومافیھا کی خبر نہ رہی۔

چنانچہ اس واقعہ کے بعد انہوں نے پھر پڑھنے اور پڑھانے نیز ذکر اور مذاکرے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فقہ وتخریج میں انہوں نے وہ رتبہ بلند حاصل کر لیا کہ مکہ یا یمن کے قیام کی صورت میں جس کا حاصل کرنا اور جس تک پہنچنا کسی طرح ممکن نہ تھا۔

ہارون الرشید کی تلوار سے نجات پا کر وہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے زیر سایہ آ گئے۔ یہاں آنے سے پہلے ہی ان کے کان میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی پڑھ چکا تھا اور وہ ان کے مرتبہ اجتہاد وتفقہ سے پورے طور پر واقف ہو چکے تھے۔ کیونکہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فقہ عراق کے حامل اور ناشر تھے بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ بغداد آنے سے پہلے ہی وہ اس خصوصیت اور جوہر سے آشنا ہو چکے تھے۔ یہیں سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی نے پلٹا کھایا اور وہ ازسرنو حصول علم میں مصروف ہوئے۔ (امام شافعی ص ۶۰)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یمن سے واپسی پر سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے بغداد جا کر امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ سے فقہ کی تکمیل کی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ارشد تلامذہ اور ان کے علم وتفقہ کے ترجمان وناشر تھے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: ''میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ پھر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے استاد ہونے کو تسلیم کرتا ہوں۔'' امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شاگردی اور ان کی استادی کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے۔ ''میں نے محمد بن حسن سے ایک اونٹ کے برابر حدیث سنی ہے۔'' (جامع بیان العلم جلد اول ص ۹۹/سیرت ائمہ اربعہ ص ۱۴۸)

نیز کہتے ہیں کہ اگر لوگ فقہا کے بارے میں انصاف سے کام لیں تو ان کو معلوم ہوگا کہ انہوں نے محمد بن حسن جیسا فقیہہ نہیں دیکھا ہے۔ (اخبار ابی حنیفہ واصحابہ ص ۱۲۴)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول میں نے محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ سے ایک اونٹ کے برابر

روایات تحریر کی ہیں۔ اگر وہ نہ ہوتے تو علم میں میری زبان اتنی نہ کھلتی تمام اہل فقہ میں اہل عراق کے عیال ہیں اور اہل عراق اہل کوفہ کے عیال ہیں اور اہل کوفہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے عیال ہیں۔ میں نے محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ فصیح و بلیغ آدمی نہیں دیکھا جب میں ان کو قرآن پڑھتے ہوئے سنتا تھا تو معلوم ہوتا تھا کہ گویا قرآن ان کی زبان میں اترا ہے۔ میں نے جس عالم سے کوئی فقہی و علمی سوال کیا محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ اس کے چہرے پر ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے۔ میں نے محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ کتاب اللہ کا جاننے والا نہیں دیکھا گویا قرآن ان پر نازل ہوا ہے۔

امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ اپنے اس لائق و فائق شاگرد رشید کا لحاظ ہی نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ اس کا احترام بھی کرتے تھے اور علمی تعاون کے ساتھ بوقت ضرورت مالی تعاون بھی کرتے تھے۔ ابوعبید راوی کا بیان ہے کہ میں امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس درس میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا ہے کہ انہوں نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک مسئلہ دریافت کیا اور ان کا جواب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو بہت پسند آیا اور انہوں نے لکھ لیا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی اس علمی حرص کو دیکھ کر ایک سو درہم دیا اور کہا کہ: ''اگر علم کی خواہش ہے تو یہاں رہ جاؤ''۔ اس واقعہ کے بعد میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ اگر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نہ ہوتے تو میری زبان علم میں نہ کھلتی۔

(اخبار ابی حنیفہ واصحابہ ص ۱۲۴ وص ۱۲۵)

امام صاحب کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں پر ساٹھ دینار خرچ کر کے ان کو حاصل کیا اور ان کے ہر مسئلہ کے پہلو میں دلیل کے لیے حدیث لکھی۔

(ترتیب المدارک جلد اول ص ۳۹۲)

ابوحسان زیادی کا بیان ہے کہ محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ کو میں نے اہل علم کی اتنی زیادہ تعظیم کرتے ہوئے نہیں دیکھا جتنی تعظیم امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی کیا کرتے تھے۔ ایک دن محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ کہیں جانے کے لیے سواری پر بیٹھ گئے تھے۔ اسی حال میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ آگئے۔ محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ فوراً سفر ملتوی کر کے گھر آگئے اور رات گئے تک ان کے ساتھ رہے اور اس کے درمیان میں کسی تیسرے آدمی کو اندر آنے کی اجازت نہیں دی۔ (ابن خلکان جلد ۲ ص ۱۹/سیرت ائمہ اربعہ ص ۱۵۰)

امام صاحب کا آخری تعلیمی سفر بغداد میں امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ کی درسگاہ پر ختم ہوا اور یہیں امام صاحب نے اپنے فقہی آراء اقوال مرتب کیے جن کو قول قدیم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قاضی عیاض لکھتے ہیں: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے موطأ کا سماع کیا جس سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ خوش ہوئے۔ پھر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ عراق جا کر محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں گئے۔

اہل مدینہ کے مذہب کے بارے میں ان سے بحث و مذاکرہ کیا اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں پڑھیں اور وہیں اپنا قول قدیم مرتب کیا جو زعفرانی کی کتاب میں ہے۔ درحقیقت بغداد آنے کے بعد ہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی شہرت و مرجعیت عام ہوئی اور دنیا ان کے علم و فضل سے فیض یاب ہوئی۔

اب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پوری یکسوئی، تندہی اور ذوق و شوق کے ساتھ فقہائے عراق کی فقہ حاصل کرنے میں لگ گئے۔ سب سے پہلے انہوں نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کا مطالعہ کیا پھر باقاعدہ ان کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔ اس طرح تھوڑے ہی دنوں میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فقہ حجاز و عراق کے جامع عالم بن گئے۔ ان کے پاس وہ فقہ بھی جس پر نقل کا غلبہ ہے اور وہ فقہ بھی جس پر عقل کا غلبہ ہے۔ ان دونوں کو سامنے رکھ کر اور ان سے پورا پورا استفادہ کر کے انہوں نے اپنے دور اور عہد کے تقاضے کے مطابق تخریج مسائل کی طرف توجہ شروع کر دی۔ چنانچہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ریاست فقہ مدینہ میں مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل تھی۔ چنانچہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ ان کی خدمت میں پہنچے۔ ان کے دامن سے وابستہ ہو گئے اور جو کچھ ان سے حاصل کر سکتے تھے۔ حاصل کیا عراق میں فقہ کی ریاست ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر ختم تھی۔ چنانچہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے جو اصحاب ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ میں سے تھے۔ شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ عراق کو تمام و کمال حاصل کر لیا۔ ساتھ ہی ساتھ علم، اہل الرائے اور علم اہل حدیث میں بھی پورا پورا کمال حاصل کیا اور ان سب چیزوں کو اتنا کھنگالا کہ اس قابل ہو گئے کہ اصول فقہ مرتب کریں اور قواعد فقہ ترتیب دیں۔ اس خصوصیت نے بہت جلد امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو ممدوح انام بنا دیا اور موافق و فقیہہ ترتیب دیں۔ ان کے گن گانے لگے۔ ان کی شہرت چاروں طرف پھیل گئی۔ ان کا چرچہ ہر جگہ عزت اور احترام کے ساتھ ہونے لگا۔ یہاں تک کہ وہ جس مرتبہ رفیع پر بالآخر پہنچے اسے کون نہیں جانتا۔ (امام شافعی ص ۶۳)

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی شاگردی پر فخر:

شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ فیض سے پورا پورا استفادہ کیا۔ ان کی کتابوں کا مطالعہ کیا ان کے نکات علمی نقل کئے اور پھر باقاعدہ انہیں مرتب کر ڈالا۔ چنانچہ جہاں تک ان کی ذات گرامی کا تعلق ہے۔ وہ خود بھی ممنونیت کے ساتھ اس کا اعتراف کرتے ہیں:

میں نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے جو کچھ پڑھا، سنا، نقل کیا اور اس علم کی مقدار ایک بارِ شتر کے برابر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ امام کا انتہائی احترام و اجلال ملحوظ رکھتے تھے اور انہیں اپنا استاد تسلیم کرتے تھے۔ ان کی تعریف میں رطب اللسان رہتے تھے اور ان کے یگانہ و فضل ہونے کی تحسین و

ستائش برملا کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ اس سلسلہ میں انہوں نے فرمایا:

''جب بھی کوئی پیچیدہ یا نازک مسئلہ میں نے کسی فقیہہ سے دریافت کیا تو اس کے چہرے پر ناگواری کے اثرات دیکھے البتہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی ایسی نہ تھی۔''

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مقام:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے صرف علم فقہ ورائے ہی نہیں حاصل کیا بلکہ ان سے حدیث کی روایت بھی کی۔ چنانچہ اپنی شہرہ آفاق کتاب ''الأم'' میں لکھتے ہیں۔ ''ہم سے امام محمد بن الحسن رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے یعقوب بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے عبداللہ بن دینار رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ولاء ایسا ہی خونی رشتہ ہے جیسا نسب، نہ اسے فروخت کیا جا سکتا ہے نہ ہبہ کیا جا سکتا ہے۔''(۱)

خود امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی حال تھا کہ وہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا زیادہ سے زیادہ لحاظ و خیال کرتے تھے۔ یہاں تک کہ مجلس سلطان پر مجلس امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو ترجیح دیتے تھے۔ روایت ہے کہ ایک مرتبہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سواری پر دار الامراء کی طرف جا رہے تھے کہ راستے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نظر آ گئے جو انہی کے پاس آ رہے تھے۔ انہیں دیکھتے ہی امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سواری سے اُتر پڑے اور خادم سے کہا کہ جا کر میری طرف سے معذرت کرو اور شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو بلا لاؤ۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: میں پھر کسی وقت حاضر ہو جاؤں گا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ واہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ پھر دونوں ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے گھر میں داخل ہو گئے۔

فقہ مالکی سے غیر معمولی تأثر:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ فیض میں پابندی اور باقاعدگی سے شرکت کرتے اور مستفید ہوتے تھے لیکن بایں ہمہ اپنے آپ کو وہ اصحاب مالک میں شمار کرتے تھے اور مذہب مالکی کے فقہاء میں شامل کرتے تھے۔ موطأ امام مالک کے وہ حد درجہ ثناء خواں تھے۔ اس کی تحسین وحمایت میں وہ سرگرم تقریر رہا کرتے تھے۔ فقہ اہل مدینہ کی ان نظر میں بڑی اہمیت تھی۔ وہ برابر اس کی مدافعت میں لگے رہتے اور اس کے پایہ بلند کی تحسین وتوقیر کا اعتراف فرمایا کرتے۔

۱۔(ابن حبان، رقم الحديث 4949، مستدرك حاكم 341/4، كتاب الام للشافعي 72/2)

یہی وجہ تھی کہ جب امام محمد اپنی مجلس سے اٹھ جاتے تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ان کے اصحاب سے مناظرہ کیا کرتے اور فقہ حجاز کی مدافعت زور و شور سے کرتے اور اس کے طریق تفقہ میں رطب اللسان رہتے البتہ خود امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے اس معاملہ میں انہوں نے کبھی مناظرہ نہیں کیا۔ اس لیے کہ استاذ معظم کی جلالت شان اور عزت و منزلت بہر حال مدنظر تھی لیکن جب امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کو یہ خبر ملی کہ وہ ان کے اصحاب سے ان کی عدم موجودگی میں مناظرہ کیا کرتے ہیں تو ایک روز انہیں بلایا اور مناظرہ کی دعوت دی لیکن شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے اس دعوت کا قبول کرنا مشکل تھا۔ انہیں استاد سے مناظرہ کرتے شرم آئی لہٰذا انکار کر دیا لیکن امام محمد رحمۃ اللہ علیہ برابر اصرار کرتے رہے کہ مسائل میں بحث و گفتگو اور تبادلہ خیال میں حرج ہی کیا ہے۔ آخر بڑی ناگواری کے ساتھ انہوں نے بحث چھیڑ دی۔ یہ مسئلہ تھا شاہد (گواہ) و یمین (قسم) کا (۱)۔ اس معاملہ میں شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک اور نقطہ نظر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے مختلف تھا۔ شافعی راویوں کا بیان ہے کہ غلبہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہوا۔

بغداد سے دوبارہ مکہ کی طرف روانگی:

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد کی حیثیت سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بغداد میں مقیم رہے۔ اصحاب امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے مناظرے بھی اس حیثیت سے جاری رہے کہ وہ بہر حال اپنے آپ کو مدنی فقیہ اور یکے از اصحاب مالک خیال کرتے تھے۔

بغداد سے پھر وہ مکہ گئے۔ فقہاء عراق کی ایک بار شتر کتابیں ان کے ساتھ تھیں۔ اکثر رواۃ نے انہیں بتایا ہے کہ بغداد میں شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قیام کتنی مدت تک رہا۔ لیکن ظاہر ہے یہ مدت اقامت کافی ہونی چاہیے کیوں کہ چند ہفتوں یا مہینوں میں تو فقہ اہل الرائے نہیں حاصل کی جاسکتی

۱۔ مسئلہ شاہد و یمین احناف و شوافع کے درمیان اختلافی مسئلہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک مدعی کو ثبوت دعویٰ پیش کرنا کافی مشکل ہے اور مدعا علیہ اگر انکاری ہو تو اسے قسم کھانا چاہیے۔ مدعی کی طرفداری (پاسداری، لحاظ) نہیں کی دیا جائے گا۔ اگر مدعی کے پاس قابل قبول ثبوت موجود ہیں تو اس کے حق میں فیصلہ دے دیا جائے گا ورنہ مدعا علیہ سے حلف لیا جائے گا۔ اگر اس سے حلف نہ لیا تو مدعی کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا لیکن مدعی سے کسی حالت میں بھی حلف نہیں لیا جائے گا۔ مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک اگر مدعی کا صرف ایک گواہ ہو تو اس کے حلف پر فیصلہ کر دیا جائے گا اس کا یہ حلف دوسرا گواہ قرار دیا جائے گا لیکن یہ اصول صرف مالی معاملات میں ہے۔ غیر مالی معاملات میں مدعی سے یمین (حلف) کی ضرورت نہیں جیسا کہ نص میں وارد ہوا ہے۔ اس مناظرے کا واقعہ تفصیل سے "الام جزو سابع" میں درج ہے۔

تھی۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ مدت کم از کم دو سال تھی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ عراق میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جن شیوخ سے استفادہ کیا ہے اُن کے نام درج ذیل ہیں۔

(۱) وکیع بن الجراح رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۹۰ھ)

(۲) حماد بن اسامہ ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۲۱۱ھ)

(۳) عبدالوہاب بن عبدالمجید المصری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۹۴ھ)

بغداد سے وہ مکہ مکرمہ واپس آ گئے اور وہاں ۹ سال تک قیام کیا اس طویل مدت میں وہ حرم شریف میں درس و تدریس کی بساط بچھائے رہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ یہیں پر آپ سے ملے اور ایسے گرویدہ ہوئے کہ آپ کے حلقۂ تلمذ میں داخل ہو گئے۔ یہیں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ جدید کی بنیاد ڈالی اور اجتہاد و استنباط کے اصول مرتب کیے۔

مکہ میں فقہ جدید کا احیاء:

اس مرتبہ تقریباً ۹ سال تک امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ مکہ میں مقیم رہے۔ جیسا کہ اخبارِ رواۃ سے مستنبط ہوتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جب دونوں فقہوں کا اختلاف دیکھا تو مختلف لوگوں سے مناظرہ اور مجادلہ کیا۔ تشعب آراء اختلاف انظار اور تباین مشارب کا مشاہدہ کیا تو محسوس کیا کہ باطل سے حق کو پرکھنے کے لیے کچھ پیمانے ہونے چاہئیں۔ یا کم از کم یہ کہ حق کی معرفت بڑی حد تک آسان ہو جائے۔

یہ کوئی معقول طرز عمل نہ ہوتا کہ وہ فقہ حجاز یا عراق کے اختلاف کو دیکھ کر ان اصحاب فقہ کے اجلال و احترام کو نظر انداز کر کے کسی ایک کے بطلان کا فیصلہ کر دیتے اور یہ فیصلہ کسی اصول کسی ضابطہ اور مقیاس کا پابند نہ ہوتا۔

چنانچہ انہوں نے قواعد استنباط کا استخراج کرنے کے لیے غور و فکر شروع کیا۔ چنانچہ انہوں نے مکہ کے طویل دوران قیام میں اپنے آپ کو عراق کے آہنگ اور اختلاف آراء سے الگ رکھا تا کہ ان چیزوں سے ہٹ کر پورے غور و فکر کے ساتھ استخراج قواعد استنباط کر سکیں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے اپنی تمام تر توجہ کتاب اللہ پر مرکوز کر دی کہ اس کے طریق دلالت کی معرفت حاصل کریں۔ اس کے احکام کو پہچانیں۔ ناسخ و منسوخ کا عرفان حاصل کریں۔ نیز جملہ خصائص ضروری پیش نظر رکھیں۔

کتاب اللہ کے بعد ان کی فکر و توجہ کا مرکز سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھی کہ معلوم کریں علم

شریعت کے سلسلہ میں اس کا مقام کیا ہے! صحیح اور سقیم کا عرفان کس طرح ہو سکتا ہے؟ سنت سے استدلال کے طریقے کیا ہونے چاہییں؟ قرآن کریم سے مقام سنت پر کیا روشنی پڑتی ہے؟ پھر انہوں نے اپنی توجہ اس طرف مبذول کی کہ اگر کوئی حکم نہ کتاب میں ہو نہ سنت میں تو کیا کیا جائے؟ ایسے موقع پر ضوابط اجتہاد کیا ہونے چاہییں؟ اور ایک مجتہد کے لیے کس طرح کی پابندیاں لازم ہیں کہ اجتہاد غلط روی سے محفوظ رہے؟

یہی وہ مسائل تھے۔ جنہوں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو اتنی طویل مدت تک مکہ میں روکے رکھا۔ حالانکہ تلاش علم میں سفر اختیار کرنا ان کی مرغوب عادت تھی۔ بہر حال اس طویل مدت میں جو انہوں نے مکہ میں گزاری وہ ایک نتیجہ پر پہنچ گئے اور اصول استنباط (دلائل سے نتیجہ اخذ کرنا) وضع کرنے کا اصول انہوں نے متعین کرلیا مکہ سے باہر نکلے تو یہ ضابطہ اجتہاد و استنباط ان کے ہاتھ میں تھا۔

مکہ سے بغداد آمد:

۱۹۵ھ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ دوسری مرتبہ بغداد تشریف لائے اس دفعہ آپ کی آمد طالب علم کی حیثیت سے نہ تھی۔ بلکہ اس وقت آپ کا آفتاب شہرت بغداد کے آسمان پر ضوفگن ہو چکا تھا اور آپ کے مخالف وموافق سب کی زبانیں آپ کے فضل و کمال کے ذکر سے تر تھیں۔ امام صاحب اس مرتبہ بغداد میں دو سال رہے۔ اس عرصہ میں ائمہ اور جلیل القدر فقہاء محدثین سے لے کر عام طالبان علم تک سب پروانوں کی طرح آپ کے گرد جمع رہتے اور آپ کے منبع علم سے سیراب ہوتے اسی قیام کے دوران امام شافعی نے قدیم اقوال پر مشتمل اپنی مشہور کتاب ''الحجۃ'' تصنیف کی جس کے چاروں رواۃ یعنی امام احمد بن حنبل، ابوثور، زعفرانی اور کرابیسی رحمتہ اللہ علیہم اجمعین، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے جلیل القدر شاگرد ہیں۔ (طبقات الشافعیہ ص ۲/سیر الصحابہ جلد نہم ص ۳۲۰)

دوبارہ بغداد سے مدینہ میں روانگی:

دو سال بغداد میں قیام کے بعد امام شافعی پھر مکہ واپس آ گئے۔

تیسری بار مکہ سے بغداد روانگی:

مکہ سے ۱۹۸ھ میں تیسری بار پھر بغداد واپس آ گئے لیکن اس بار چند ماہ سے زیادہ قیام

نہیں کیا اور اسی سال ساتویں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی شہادت کے بعد مصر چلے گئے۔

(طبقات المصنف ص ۴)

مصر میں قیام:

یاقوت نے امام صاحب کے مصر جانے کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ عباس بن عبداللہ والی مصر نے ان کے ساتھ رہنے کی درخواست کی تھی۔ (معجم الادباء جلد ۶ ص ۳۲۰/سیر الصحابہ جلد نہم ص ۲۰۹) لیکن صرف یہی ایک سبب نہیں تھا بلکہ ان کو مصر جانے کا شوق اس سے بہت پہلے سے تھا جس سے ان کے اشعار بھرے ہوئے ہیں۔ درحقیقت سفر مصر اصلی مقصد اپنے مذہب (مسلک) کی ترویج و اشاعت تھا۔ حجاز و عراق میں ان کو اس مقصد میں خاطر خواہ کامیابی حاصل ہو چکی تھی۔ اب انہوں نے ایک نئے میدان کی تلاش میں مصر کا رخ کیا۔ چنانچہ ربیع کا بیان ہے کہ مجھ سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اہل مصر کے بارے میں دریافت کیا تو میں نے عرض کیا وہاں دو مذہب کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ مالکی اور حنفی اور یہ دونوں اپنے اپنے ائمہ کے اقوال کے پیروکار ہیں۔ امام شافعی نے جواب دیا۔ ''میں انشاء اللہ مصر جاؤں گا اور ان کے سامنے ایسی چیز پیش کروں گا کہ وہ دونوں مذاہب کو چھوڑ دیں گے۔ ربیع کا کہنا ہے کہ واللہ امام شافعی مصر آئے تو انہوں نے اپنی یہ بات سچ کر دکھائی۔ (توالی التاسیس ص ۷۷) اور بقول حضرت عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ بہت سے علماء نے اپنے قدیم مذہب (مسلک) سے رجوع کر کے مذہب شافعی قبول کر لیا۔ (لواقح الانور جلد اول ص ۴۳)

قول قدیم سے مراد، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے وہ قول ہیں جو انہوں نے قیام مصر سے پیشتر مکہ مدینہ، یمن اور بغداد میں قائم کئے تھے۔ بغداد میں انہوں نے ''کتاب الحجہ'' تصنیف کی تھی جو قدیم اقوال پر مشتمل ہے۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ مصر آ گئے تو انہوں نے اپنے سابقہ خیالات و نظریات پر از سر نو غور و تفحص (جستجو) کیا اور بہت سے قدیم قول سے رجوع کر کے نئے نئے آراء قائم کیے۔ ان خیالات کو قول جدید سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہیں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جدید کتابیں الأم، امالی الکبیر، املاء الصغیر، البویطی، مختصر المزنی، مختصر الربیع، الرسالہ اور السنن تصنیف کیں۔ (حسن المحاضرۃ جلد ۱ ص ۱۲۱) دراصل مذہب جدید ہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دائمی شہرت کا باعث ہوا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ذریعہ معاش:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے والی یمن کی طرف سے امور سر انجام دینے شروع کیے اور دیانت

وفراست کی وجہ سے خوب شہرہ ہوا۔ باوجود متعدد عداوت کے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ترقی جمودیت کا شکار نہ ہوئی۔ پھر وہ نجران کے عامل بنا دیئے گئے۔ یہاں پہنچ کر انہوں نے عدل وانصاف کے جھنڈے گاڑ دیئے۔ اس مد میں انہوں نے ذریعہ معاش کے علاوہ وہ دینی ترویج کے لیے بھی برسرپیکار رہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ازواج واولاد:

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک اہلیہ اور ایک جاریہ (لونڈی) تھی۔ آپ کی اہلیہ (حمدہ) حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خاندان سے تھیں۔ ان کا سلسلہ نسب درج ذیل ہے:۔ حمدہ بنت ناضح بن عیینہ بن عمر بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہے! آپ رحمۃ اللہ علیہ کے تین لڑکے تھے اور دو لڑکیاں تھیں دو کا بچپن میں انتقال ہو گیا۔ صرف ابوعثمان محمد رحمۃ اللہ علیہ بقید حیات رہے۔ لڑکیوں کا نام فاطمہ و زینب تھا۔ ابوعثمان رحمۃ اللہ علیہ، حلب اور جزیرئے میں قاضی رہے ۲۴۵ھ میں وفات پائی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے اہل وعیال کے ساتھ بڑے خوشگوار تعلقات ومراسم تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مصارف فارغ البال افراد کی طرح تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ خانگی نزاع سے دور رہتے تھے!

(طبقات الشافعیہ، کبری)

باب ۳

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ کا اجمالی تعارف

حافظ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے "توالی التاسیس" میں وضاحت فرمائی ہے کہ آپ کے شیوخ یا جن سے آپ نے استفادہ کیا ہے ان کی تعداد ۸۰ ہے۔ ان میں مشہور ترین ائمہ یہ ہیں۔ مسلم بن خالد زنجی...... فضیل بن عیاض زاہد...... امام سفیان بن عیینہ...... امام مالک بن انس...... وکیع بن الجراح...... یحیٰ بن سعید قطان...... محمد بن اسماعیل بن ابی فدک...... امام محمد بن حسن...... عبداللہ بن مبارک مروزی...... ابراہیم بن سعد انصاری رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ و حدیث جن شیوخ و اساتذہ سے حاصل کی وہ دور دراز مقامات پر اپنے حلقے قائم کیے ہوئے تھے۔ ان کے طریقے بھی مختلف تھے۔ حتیٰ کہ بعض ان میں معتزلی بھی تھے اور علم کلام سے شغف رکھتے تھے حالانکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اعتزال کے سخت مخالف تھے، لیکن "خیر" انہیں کہیں بھی ملتا، لے لیتے تھے۔ جو واجب الاخذ ہوتا اسے قبول کر لیتے جو واجب الرد ہوتا اسے ردّ کر دیتے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ میں شیوخ مکہ، شیوخ مدینہ، شیوخ یمن، شیوخ عراق وغیرہ سب شامل ہیں۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ اور شیوخ کی جو فہرست دی ہے، اسے ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: "جاننا چاہیے کہ جن مشائخ سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے ان کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن ہم صرف مشہور شیوخ کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں۔ ان اساتذہ اور شیوخ میں جو لوگ اصحاب فقہ و فتویٰ تھے، ان کی تعداد ۱۹ ہے۔ ۵ مکی، ۶ مدنی، ۴ یمنی اور ۴ عراقی ہیں۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ صرف اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے ہیں۔ خطیب بغدادی نے ان کے ۲۶ مشہور اساتذہ کے نام شمار کرائے ہیں۔ (تاریخ بغداد جلد ۲ ص ۵۶) چند ایک کے احوال تفصیلاً درج کیے جاتے ہیں۔

مسلم بن خالد زنجی رحمۃ اللہ علیہ فقیہہ مکہ:

آپ کی کنیت ابو خالد ہے۔ بنو مخزوم کا مولیٰ ہونے کی وجہ سے مخزومی کہلاتے ہیں۔ مکہ معظمہ کے رہنے والے نامور فقیہہ ہیں۔ زنجی کے لقب سے مشہور تھے۔ ابن ابی ملیکہ، ابن شہاب، عمرو بن دینار، زید بن اسلم، ہشام بن عروہ اور ان کے طبقہ سے علم حدیث حاصل کیا۔ عرصہ تک ابن جریج کی خدمت میں رہے۔ ان سے فقہ حدیث حاصل کرنے کے بعد مسند افتاء اور مسند تدریس پر رونق افروز ہوئے۔ علم قرأت عبداللہ بن کثیر رحمۃ اللہ علیہ سے سیکھا تھا۔ انہوں نے ہی امام شافعی کو فتویٰ نویسی کی اجازت دی تھی۔ ان سے امام شافعی، مروان طاطری، حمید مسدد، حکم بن موسیٰ، مشہور حافظ حدیث، ابراہیم بن موسیٰ، ہشام بن عمار رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور دوسرے لوگوں نے علم حدیث حاصل کیا۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد ۶ ص ۲۰۶) ۸۰ سال کی عمر پا کر ۱۸۰ھ میں فوت ہوئے۔

امام و پیشوا فضیل بن عیاض بربوعی مروزی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ کی کنیت ابو علی ہے اور شیخ الحرم لقب ہے۔ آپ نے منصور بن معمر، بیان بن بشر، ابان بن ابی عیاش، ابو ہارون عبدی، حسین بن عبدالرحمٰن عطاء بن سائب رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور ان کے طبقہ سے کوفہ میں علم حدیث حاصل کیا اور ان سے عبداللہ بن مبارک یحییٰ بن سعید القطان امام شافعی، اسد بن موسیٰ مسدد، احمد بن مقدام رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور دوسرے بہت سے لوگ مستفیض ہوئے۔ آپ نے آخر میں مکہ معظّمہ میں رہائش اختیار کر لی۔ ابراہیم بن اشعث کہتے ہیں میں نے بایں ہمہ جلالت و فضیلت امام سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کو دو دفعہ فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ چومتے دیکھا ہے۔

اکابر تابعین آپ کے استاد ہونے کے باوجود آپ کا بے حد ادب فرماتے تھے۔ آپ کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو آپ کی ذات سے خاص نسبت تھی۔ کہتے ہیں بروز عاشورہ ۱۸۷ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا اور ۸۰ سال سے زیادہ عمر پائی۔

(تذکرۃ الحفاظ جلد اول طبقہ ۶ ص ۲۰۱-۲۰۰)

محدثِ حرم امام سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ:

آپ کی کنیت ابو محمد ہے۔ ضحاک بن مزاحم کے بھائی محمد بن مزاحم کے موالی ہیں۔ آپ

کوفہ کے رہنے والے بہت بڑے عالم شیخ الاسلام اور نامور حافظ حدیث ہیں۔ ۱۰۷ھ میں پیدا ہوئے بچپن ہی میں طلب علم میں مصروف ہوگئے تھے۔ آپ نے عمرو بن دینار، ابن شہاب زہری، ابو اسحاق، عبداللہ بن دینار رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور بہت سے دوسرے لوگوں سے علم حدیث حاصل کیا اور ان سے اعمش، ابن جریج، شعبہ اور ان کے دوسرے شیوخ کے علاوہ عبداللہ بن مبارک، عبدالرحمٰن بن مہدی، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور دوسرے بے شمار لوگ مستفیض ہوئے۔ بہت سے لوگ حج ہی اس لئے کرنے آتے تھے کہ امام سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کا شرف حاصل کریں۔ چنانچہ ایام حج میں ان لوگوں کا آپ کے گرد جمگھٹا لگا رہتا تھا۔

آپ امام حجت، حافظ حدیث، وسیع العلم اور جلیل القدر انسان تھے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ نہ ہوتے تو حجاز سے علم حدیث ختم ہو جاتا۔ نیز فرمایا مجھے امام مالک کے پاس ۳۰ کے سوا، احکام کی تمام احادیث مل گئیں اور امام ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ٦ کے سوا، احکام کی تمام احادیث موجود تھیں۔

نیز امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے علم کا جتنا ذخیرہ امام ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس دیکھا ہے کسی کے پاس نہیں دیکھا میں نے ان سے بڑھ کر فتویٰ سے گریز کرنے والا کوئی عالم نہیں دیکھا اور انسان سے حدیث کی اچھی تفسیر کرنے والا کوئی نہیں ہے۔

آپ نے ۷۰ حج کیے تھے۔ تدلیس کے عادی تھے لیکن ثقات سے تدلیس کرتے تھے۔

آپ نے جمادی الثانی ۱۹۸ھ میں دعویٰ اجل کو لبیک کہا۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد اول طبقہ٦ ص ۱۲۔۲۱۱)

ایک مرتبہ کسی شخص نے سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ کوفہ والوں کا یہ مذہب ہے کہ تیمّم کے لئے مٹی کا ہونا شرط نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے بعض شاگرد صعید وجہ الارض کو کہتے ہیں اگرچہ پتھر بلاغبار کے صاف ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے آپ کا کیا فتویٰ ہے؟ آپ نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اشارہ کیا کہ یہ جواب دیں گے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: خدا نے قرآن میں دوجگہ تیمّم کا حکم دیا ہے۔ ایک تو یہ ہے۔ فتیمموا صعید اطیباً یعنی تم پاک مٹی سے تیمّم کرو اور دوسری جگہ فامسحوا بو جو هكم وايد يكم منه یعنی کچھ مٹی اپنے ہاتھ اور منہ پر مل لو۔ اس لیے عراقیوں کا جواب ہے کہ کلام عرب میں لا يقع اسمر الصعيد الاعلي تراب ذي غبار یعنی صعید کا اطلاق غبار والی مٹی پر ہوتا ہے۔ اس لیے پتھر پر تا آنکہ غبار نہ ہو تیمّم ناکافی ہے۔ اس کے علاوہ دوسری آیت نے اس کی وضاحت کردی تا آنکہ مٹی

منہ اور ہاتھوں پر نہ لگے، تیمّم نہیں ہوسکتا۔ امام سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ یہ سن کر بے حد خوش ہوئے۔
(سیرت شافعی ص ۱۱۰-۱۱۱)

امام سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ پوچھا؛ شافعی رحمۃ اللہ علیہ! ذرا اس واقعہ کی شرح اور وضاحت کرو...... نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد نبوی سے چلے...... حضرت ام المومنین بی بی صفیہ رضی اللہ عنہا ساتھ تھیں۔ راستے میں دو آدمی ملے۔ ان دونوں سے مخاطب ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میرے ساتھ میری بیوی صفیہ ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ شیطان انسان کی رگوں میں خون کی طرح پھرتا ہے۔''(۱)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہی تعلیم تھی۔ اس سے پہلے کہ ان دونوں آدمیوں کے دل میں وسوسہ پیدا ہو کہ اولعزم پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کون عورت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ میری بیوی صفیہ ہیں۔ اگر انہیں باخبر نہ کیا گیا تو شاید یہ الزام تراشی کے گناہ میں مبتلا ہو جائیں۔ جس سے خود ان کے ایمان کو خطرہ تھا۔ کیونکہ برا الزام لگانا کفر ہے۔ امام سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ''شافعی رحمۃ اللہ علیہ! اب تم فتویٰ دے سکتے ہو۔ ماشاء اللہ کیسی اچھی تشریح کی ہے۔'' (امام شافعی کے حالات ص ۲۶-۲۷)

امام دارالہجرۃ شیخ الاسلام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ:

آپ کی کنیت ابو عبداللہ، نام مالک اور لقب امام دارالہجرۃ ہے۔ سلسلہ نسب یہ ہے کہ ابو عبداللہ مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر بن عمرو بن الحارث الامام اصحی المدنی...... آپ مدینہ منورہ کے رہنے والے بلند پایہ حافظ حدیث اور امت مسلمہ کے نامور فقیہ ہیں۔ آپ کا خاندان مشہور صحابی طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کے بھائی عثمان بن عبیداللہ تیمی کا حلیف ہے۔ نافع، مقبری، نعیم مجمر، زہری، عامر بن عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن دینار رحمہما اللہ علیہما اجمعین اور دوسرے بہت سے لوگوں سے علم حدیث حاصل کیا۔ آپ سے استفادہ کرنے والے اور علم حدیث سیکھنے والوں کی تعداد شمار سے باہر ہے۔ ان میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جب علماء کا ذکر آتا ہے تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ان میں

۱۔(صحیح بخاری، کتاب الاعتکاف، رقم الحدیث 2035، صحیح مسلم، رقم الحدیث 2175، سنن ابی داؤد، رقم الحدیث 2470، سنن ابن ماجه، رقم الحدیث 1779، مسند احمد 337/6، سنن دارمی 27/2، ابن خزیمه، رقم الحدیث 2233)

ستارے کی طرح نمایاں ہوتے ہیں۔" دوسری جگہ فرماتے ہیں: "سطح زمین پر کوئی علمی کتاب موطأ مالک سے زیادہ مستند نہیں ہے۔"

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے جب کسی نے آپ کے متعلق پوچھا تو فرمایا امام مالک وسفیان عیینہ رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نہ ہوتے تو حجاز میں علم حدیث ہی نہ ہوتا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کو بڑی محبت تھی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے خراسانی گھوڑوں اور مصری خچروں کی تعریف کی کہ یہ بہت عمدہ ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ سب میری جانب سے تمہاری نذر ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ آپ نے اپنی سواری کے لیے ایک تو رہنے دیجیے فرمایا تم سب لے جاؤ۔ مجھے اس بات پر شرم آتی ہے کہ جس شہر کی زمین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدفون ہیں۔ وہاں میں سوار ہو کر پامال کروں۔ چنانچہ پورا اصطبل بڑی محبت وخوشی سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی نذر کر دیا۔ (سیرت شافعی ص ۱۱۴)

وکیع بن جراح رواسی کوفی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ کی کنیت ابوسفیان ہے۔ کوفہ کے رہنے والے ممتاز حافظ حدیث اور چوٹی کے اماموں میں سے ایک امام ہیں۔ پختہ کار عالم اور عراق کے محدث ہیں۔ رواس جس کی طرف منسوب ہیں۔ قیس عیلان کا ایک ذیلی قبیلہ ہے۔ ۱۱۹ھ میں پیدا ہوئے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے عراقی اساتذہ میں سے ہیں۔ امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ نے حج بیت اللہ سے واپسی پر فید میں بروز عاشورہ ۱۹۷ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۲۸۰)

امام عبداللہ بن مبارک مروزی رحمۃ اللہ علیہ:

شیخ الاسلام فخر المجاہدین قدوۃ الزاہدین امام عبداللہ کی کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے۔ آپ بنوحنظلہ کے ساتھ نسبت ولاء کی بنا پر حنظلی کہلاتے ہیں۔ مرو کے رہنے والے تھے۔ ۱۱۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۱ھ کو قصبہ "ہیت" (متصل شہر موصل) میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

(تذکرۃ الحفاظ جلد ا ص ۲۲۱)

معدودے چند شیوخ کے نام حسب ذیل ہیں:

محمد بن الحسن ...... ابراہیم بن سعد بن ابراہیم الزہری (۱۸۳ھ) ...... ابراہیم بن

عبدالعزیز بن ابی مخدورۃ...... ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ (۱۸۴ھ) ابراہیم بن حزم...... اسامہ بن زید بن اسلم...... اسحاق بن یوسف الازرق (۱۹۵ھ) اسماعیل بن ابراہیم بن مقسم (۱۹۳ھ) و اسماعیل بن جعفر بن ابی کثیر (۱۸۰ھ) واسماعیل بن عبداللہ بن قسطنطین (۱۹۰ھ) وانس بن عیاض (۲۰۰ھ) ایوب بن سوید الرملی (۱۸۲ھ) جعفر بن ابراہیم الطائف حاتم بن اسماعیل المدنی (۱۸۶ھ) والحارث بن عمیر البصری والحر بن ابراہیم و حسین الاثلغ...... وحماد بن اسامہ (۲۰۱ھ) وحماد بن زید البصری (۱۹۷ھ) وحماد بن ظریف و داؤد بن عبدالرحمٰن عطار (۱۷۵ھ) وسعید بن سالم القداح وسعید بن سلمۃ بن ابی الحسام...... وسعید بن مسلمۃ الاموی...... سلیمان بن عمرو...... وسماک بن الفضل الجندی...... والضحاک بن عثمان الخرامی (۱۵۳ھ) وعباد بن العوام...... وعبداللہ بن ادریس الالودی (۱۹۲ھ) وعبداللہ بن الحارث مکی وعبداللہ بن سعید بن عبدالملک...... عبداللہ بن موسیٰ التیمی وعبداللہ بن الموصل (۱۶۷ھ) وعبداللہ بن نافع الصائغ (۲۰۶ھ) وعبداللہ بن الولید العدنی وعبدالرحمٰن بن ابی بکر الملیکی...... وعبدالرحمٰن بن الحسن بن القاسم الغسانی الازرق...... وعبدالرحمٰن بن ذکوان (۱۷۴ھ) وعبدالرحمٰن بن عبداللہ العمری وعبدالعزیز بن ابی رواد...... وعبدالکریم الخراسانی (۱۷۰ھ) وعبدالملک بن الولید...... عبدالوہاب بن عبدالمجید الثقفی...... وعطاف بن خالد...... عمر بن عبدالرحمٰن بن محیض وعمرو بن حبیب (۲۰۹ھ) وعمرو بن ابی سلمۃ التنیسی...... عمرو بن یحییٰ بن سعید الاموی...... والقاسم بن عبداللہ بن عمر العمری...... محمد بن اسماعیل بن ابی مذیک۔ محمد بن الحسن شیبانی (۱۸۹ھ) محمد بن خالد الجندی...... محمد بن العباس الشافعی...... محمد بن عبداللہ الانصاری...... محمد بن عثمان بن ابی صفوان (۲۵۲ھ) محمد بن علی بن شافع...... محمد بن عمر والواقدی (۲۰۷ھ) محمد بن یزید الواسطی (۱۸۸ھ) مروان بن معاویہ الغزاری (۱۹۳ھ) مسلم بن خالد الزنجی...... مطرف بن مازن (۱۹۱ھ) معاذ بن موسیٰ الجعفری...... ہشام بن یونس الصنعانی (۱۹۷ھ)...... و یحییٰ بن حسان...... و یحییٰ بن سعید القطان...... ویحییٰ بن سلیم المکی (۱۹۳ھ) یزید بن عبدالملک النوفلی ویعقوب بن قصا...... ویوسف بن الاسود و یوسف بن خالد السمتی (۱۸۷ھ) یوسف بن عمر بن عبد یزید (۲۰۵ھ) ویوسف بن یعقوب بن الماجشون (۱۸۵ھ) ابن ابی الکتان الخزاعی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

(کتاب الام (مقدمہ) ص ۶۔۳۵)

باب ۴

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ کا اجمالی تعارف

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے شاگردوں کی تعداد تقریباً ۱۶۰ بتائی ہے۔ ربیع بن سلیمان فرمایا کرتے تھے کہ میں نے آپ کے دروازہ پر سات سو سواریاں دیکھی ہیں۔ ان پر لوگ دور دراز سے حدیث وفقہ سیکھنے آیا کرتے تھے۔ آپ کے شاگردوں کی صحیح تعداد متعین نہیں کی جا سکتی۔ (امام شافعی) دار قطنی نے ان کی تعداد سو سے زیادہ بتائی ہے۔

(معجم الادباء جلد ۲ ص ۳۹۱/ سیر الصحابہ جلد نہم ص ۳۲۴)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے جو تعداد شمار کرائی ہے۔ اس تعداد کی اہمیت اس لیے اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ یہ تمام تلامذہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی صرف ۵۴ سالہ عمر کی پیداوار ہیں جس کی نظیر دیگر ائمہ میں شاذ ہے۔ ان تلامذہ میں ایک جماعت تو وہ ہے جو امام صاحب کے قول قدیم (بغداد مسلک) کی راوی ہے۔ جیسے امام احمد، زعفرانی، کرابیسی، اسحاق بن راہویہ اور موسیٰ بن جارود رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وغیرہ۔ (مراۃ الجنان جلد ۶ ص ۳۹۱) ان سب نے امام صاحب کے علوم کو مرتب و مدون کیا حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے توالی التاسیس میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دس مشہور تلامذہ کا اجمالی تعارف کرایا ہے۔ جن کے نام یہ ہیں حمیدی، سلیمان بن داؤد، ربیع بن سلیمان المرادی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ ان میں سے ہر ایک آسمان علم وفضل کا ماہ تابندہ تھا۔ اس کے علاوہ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ۔ ان افراد میں جو ممتاز ہیں ان میں بعض کا مفصل تذکرہ اس لیے کیا جاتا ہے کہ قارئین کرام کو یہ اندازہ ہو سکے کہ مشاہیر واکابرین آپ سے استفادہ باعث فخر سمجھتے تھے۔

امام حمیدی رحمۃ اللہ علیہ:

نام عبداللہ بن زبیر، کنیت ابوبکر امام ذہبی فرماتے ہیں۔ امام العلم ابوبکر عبداللہ بن زبیر قریشی اسدی حمیدی مکی حافظ حدیث اور فقیہہ ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص ۲) آپ نے سفیان بن عیینہ، مسلم بن خالد زنجی، فضیل بن عیاض اور دراوردی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے روایتیں کی ہیں اور آپ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ تلامذہ میں سب سے بڑوں میں شمار کیے جاتے تھے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ہمارے نزدیک امام ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ "تہذیب التہذیب" جلد ۵ ص ۲۱۶ میں رقمطراز ہیں۔ ابن عدی فرماتے ہیں کہ امام حمیدی رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مصر تشریف لے گئے تھے اور یہ بڑے مخیّر تھے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے پچھتر روایتیں کی ہیں۔ (سیرت شافعی ص ۷۹)

طبقات الشافعیہ الکبری جلد اول ص ۲۲۴ میں علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ربیع بن سلیمان مرادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام حمیدی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ جب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ یمن سے مکہ تشریف لائے تو آپ کے رومال میں دس ہزار دینار تھے۔ آپ نے مکہ کی آبادی سے باہر اپنا خیمہ نصب کیا۔ لوگ آپ سے ملنے آتے تھے اور تا آنکہ آپ نے ان کل دینار کو تقسیم نہیں فرما دیا شہر مکہ میں تشریف نہیں لائے۔ سراج کہتے ہیں کہ میں نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ حمید حدیث کے امام ہیں۔ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ و امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کا انتقال مکہ مکرمہ میں ۲۱۹ھ میں ہوا۔

آپ کا شمار امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے کبار تلامذہ میں ہوتا ہے۔ امام صاحب کی وفات کے بعد ان کے حلقہ درس میں جانشینی کے فرائض سرانجام دینے کے لیے تیار تھے۔ مگر ابن عبدالحکیم رحمۃ اللہ علیہ کی مخالفت کی وجہ سے ناکام رہے۔ ان سے امام بخاری، ذہلی، ابوزرعۃ، ابوحاتم، بشر بن موسیٰ رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور بہت سے دوسرے لوگ روایت کرتے ہیں۔

(تذکرۃ الحفاظ جلد دوئم ص ۳۱۲)

حرملہ بن یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ:

تہذیب التہذیب جلد ۶ ص ۱۳۰ کا خلاصہ یہ ہے: حرملہ بن یحییٰ بن عبداللہ بن حرملہ ابو حفص مصری یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے خاص شاگردوں میں سے ہیں۔ ان سے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور

ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایتیں کی ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مسودات قلمی کا ذخیرہ ان کے پاس کافی تھا۔ یہ ۱۶۶ھ میں پیدا ہوئے۔ تذکرۃ الحفاظ میں شوال ۲۴۳ھ سال وفات نقل کیا گیا ہے۔

سلیمان بن داؤد رحمۃ اللہ علیہ:

سلیمان بن داؤد بن علی بن عبداللہ بن عباس الہاشمی انہوں نے ابراہیم بن سعد وسفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایتیں کی ہیں اور ان سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب خلق افعال العباد میں اور ابو داؤد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ نے بواسطہ ہارون جمال روایتیں کی ہیں۔ حسن بن محمد زعفرانی فرماتے ہیں کہ میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ میں نے دو شخصوں کو بڑا عقلمند پایا۔ ایک سلیمان بن داؤد رحمۃ اللہ علیہ دوسرے احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ ان کا انتقال ۲۱۹ھ میں بغداد میں ہوا۔

حسن بن محمد زعفرانی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ کی کنیت ابوعلی ہے۔ بغداد کے رہنے والے نامور حافظ حدیث اور بہت بڑے فقیہ ہیں۔ درب زعفران کی طرف نسبت سے زعفرانی کہلاتے ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے فقہ کا فن سیکھا اور ان کے قدیم قول کے یہی ناقل ہیں اور ان سے اصحاب صحاح ستہ وغیرہ روایت کرتے ہیں۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ثقہ ہیں اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کتاب الثقات میں فرماتے ہیں کہ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور ابوثور رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھنے کے لیے حاضر ہوتے تو یہ زعفرانی ہی ان کے سامنے قرأت کرتے تھے۔ زعفرانی کا اپنا بیان ہے کہ ایک دفعہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے کہا کہ اپنے لیے کوئی پڑھنے والا تلاش کرو تم میں سے کون پڑھے گا؟ تو میرے سوا ان کے سامنے پڑھنے کی کسی کو جرأت نہ ہوئی۔ حالانکہ میں اس وقت ان سب سے کم عمر تھا اور ابھی تک میرے منہ پر داڑھی نہیں آئی تھی۔ مزنی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے۔ فرماتے تھے۔ میں نے بغداد میں ایک دیہاتی کاشتکار دیکھا ہے: جو زبان دانی میں اتنا ماہر تھا کہ وہ میرے مقابلہ میں عربی اور میں اس کے مقابلہ میں دیہاتی معلوم ہوتا تھا۔ آپ زعفرانی کے متعلق اپنا یہ تاثر ظاہر فرمایا تھا۔ آپ آخر شعبان ۲۶۰ھ میں بغداد میں فوت ہوئے اور تقریباً ۹۰ سال کی عمر تھی۔

(تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص ۸۱۔۳۸۰)

اسماعیل بن یحییٰ مزنی رحمۃ اللہ علیہ:

طبقات الشافعیہ علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ جلد اول ص ۲۳۸ کا خلاصہ یہ ہے: یہ ۱۷۵ھ میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، نعیم بن حماد وغیرہ سے روایتیں کی ہیں اور ان سے ابن خزیمہ طحاوی، زکریا، ساجی ابن ابی حاتم نے روایتیں کی ہیں۔ ان کا علم بے حد وسیع تھا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے کہ اگر یہ شیطان سے مناظرہ کریں تو غالب آئیں گے۔ بڑے زاہد بڑے عابد اور دنیا سے کنارہ کش تھے۔ اگر ان کی ایک نماز باجماعت قضا ہو جاتی تو اس کے معاوضہ میں پچیس نمازیں پڑھتے تھے۔ مُردوں کو خالصاً لوجہ اللہ غسل دیتے تھے اور فرماتے تھے یہ اس لیے کرتا ہوں کہ میرے دل میں سختی نہ پیدا ہو جائے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے۔ مزنی میرے مذہب کا ناصر ہے اور اے مزنی اس مصر میں تمہارا مرتبہ بلند ہو گا اور اے ربیع تم میری کتابوں کی نشر و اشاعت خوب کرو گے۔ اے بویطی اٹھو اور میرا حلقہ درس سنبھالو۔ ربیع فرماتے ہیں کہ امام نے جس جس کے متعلق جو کچھ فرمایا تھا۔ وہ حرف بہ حرف صحیح ہوا۔ امام مزنی جب اپنی کتاب مختصر میں کسی مبحث کے لکھنے سے فارغ ہوتے تھے تو دو رکعت نماز پڑھتے۔ ان کی تصانیف بکثرت ہیں۔ جامع صغیر جامع کبیر۔ المختصر الترغیب فی العلم۔ کتاب الوثائق وغیرہ۔ آپ بڑے مستجاب الدعوات تھے۔ رمضان المبارک ۲۶۴ھ میں انتقال ہوا۔ (سیرت شافعی ص ۸۲۔ ۸۱/طبقات الشافعیہ جلد اول ص ۲۳۸)

ابراہیم بن خالد ابوثور کلبی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ کا اسم گرامی ابراہیم بن خالد ہے۔ بغداد کے رہنے والے بلند پایہ حافظ حدیث اور مایہ ناز مجتہد تھے۔ ابوعبداللہ ان کی کنیت ہے۔ انہوں نے سفیان بن عیینہ، عبیدۃ بن حمید، وکیع اور امام شافعی اور ان کے طبقہ سے علم حدیث حاصل کیا اور ان سے ابوداؤد، ابن ماجہ، محمد بن اسحاق السراج رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور دوسرے لوگ فیضیاب ہوئے۔ ابوبکر عین کہتے ہیں: میں نے ان کے متعلق امام احمد سے پوچھا تو فرمانے لگے۔ میں ان کو پچاس سال سے سنت پر عمل پیرا جانتا ہوں اور یہ میرے نزدیک امام ثوری کے ہم مرتبہ ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص ۳۷ ۲) الامام المجتہد ابوثور کلبی بغدادی پہلے عراقیوں کی محبت سے وہاں کی فقہ پر عامل تھا۔ پھر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں رہ کر مستقل آپ کے مسلک کو اختیار کر لیا۔ ۲۴۰ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ (تہذیب التہذیب جلد اول

ص ۱۱۸/ سیرت امام شافعی ص ۱۹۲)

الحافظ العلامۃ یونس بن عبد الاعلیٰ مصری رحمۃ اللہ علیہ:

آپ کی کنیت ابو موسیٰ ہے۔ دیار مصر کے عالم، بلند پایہ، حافظ حدیث، نامور فقیہ اور مشہور مقری ہیں۔ ۱۷۰ھ میں پیدا ہوئے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر سے حدیث کا سماع کیا نیز امام شافعی سے علم فقہ حاصل کیا...... امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے مصر میں یونس سے زیادہ عقلمند کوئی آدمی نہیں دیکھا۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد دوم ص ۳۸۲)

یونس بن عبد الاعلیٰ کو محدثین نے مستجاب الدعوات زاہد و عابد تسلیم کیا ہے۔ ان سے ایک ایسی روایت بواسطہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ مروی ہے جس پر محدثین نے یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ روایت منفرد ہے جو کسی اور طریقہ سے ثابت نہیں ہوتی۔ یعنی امام شافعی بواسطہ محمد بن خالد الجندی وہ ابان بن صالح سے اور وہ حسن بن ابی الحسن سے وہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "مهدى الا عيسىٰ ابن مريم علیہ السلام" یعنی مہدی کوئی نہ ہوگا بجز عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے...... امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کو اس پر یہ اعتراض ہے کہ یونس بن عبد الاعلیٰ نے یہاں نقط حدثنا الشافعی یا حدثنی الشافعی یعنی ہم سے حدیث بیان کی یا مجھ سے حدیث بیان کی۔ امام شافعی نے یہ نہیں کہا بلکہ **حدّثت عن الشافعي** کا لفظ کہا یعنی میں شافعی سے روایت کرتا ہوں۔ اس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ درمیان کے راوی کے نام کو انہوں نے چھپایا ہے۔ مگر علامہ سبکی نے طبقات جلد اول صفحہ ۲۸۱ میں عمدہ وضاحت کی ہے۔ یہ وہ ہے کہ محمد بن خالد جندی ضعیف ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے "تہذیب التہذیب" (جلد ۹ ص ۱۴۴) میں فرمایا...... فرماتے ہیں محمد بن خالد جندی مجہول اور ضعیف راوی ہیں۔ امام مہدی کے متعلق بہ کثرت روایتیں موجود ہیں۔ کہ امام مہدی کا ظہور اہل بیت سے ہوگا اور یہ کہ وہ سات برس حکومت کریں گے اور عیسیٰ علیہ السلام کی قتل دجال کے سلسلہ میں ان کی اعانت فرمائیں گے عیسیٰ علیہ السلام ان کی اقتدا کریں گے۔ اس لحاظ سے یونس بن الاعلیٰ پر کوئی الزام نہیں ہے۔ بلکہ محمد بن خالد جندی ہی ضعیف ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱۱ ص ۴۴۰/ طبقات الشافعیہ جلد ص ۹/۲۷۹ سیرت شافعی ص ۸۲-۸۱)

امام ذہبی کہتے ہیں۔ امام شافعی کے واسطہ سے ان کی یہ حدیث منکر ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: معاملہ سخت سے سخت ہوتا جائے گا دنیا پیچھے ہٹتی جائے گی، لوگ بخیل سے بخیل تر ہو جائیں گے۔ قیامت بدترین لوگوں پر قائم ہوگی اور

عیسیٰ علیہ السلام کے سوا کوئی مہدی نہیں، یہ روایت امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے انہی یونس رحمۃ اللہ علیہ کے واسطہ سے اپنی سنن میں ذکر کی ہے۔ یہ درج بالا روایات ہی ہے۔ جس میں محمد بن خالد جندی راوی ضعیف تھا، یونس بن عبدالاعلیٰ صدفی مصری کی وفات ربیع الاول ۲۶۴ھ ہے۔

ربیع بن سلیمان بن عبدالجبار بن کامل مرادی رحمۃ اللہ علیہ :

محدث الدیار المصر یہ امام المرادی المؤذن کی کنیت ابو محمد اور نام ربیع بن سلیمان بن عبدالجبار رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ بنو مراد سے نسبت ولاء کی وجہ سے مرادی کہلاتے ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید اور ان کے علم کے ناقل ہیں۔ آپ ۱۷۴ھ میں پیدا ہوئے۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص ۴۱۹) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے ربیع نے میری بے حد خدمت کی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر علم گھول کر پلانے کی چیز ہوتی تو میں تمہیں گھول کر پلا دیتا۔ ربیع کی وفات ۲۷۰ھ میں ہوئی اس وقت ۹۶ سال کی عمر کے تھے۔

(تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۲۶۵/ سیرت شافعی ۲)

ابوبکر الحمیدہ رحمۃ اللہ علیہ :

بہت بڑے فقیہ اور محدث تھے۔ حافظ حدیث تھے۔ ثقہ تھے۔ ۲۱۹ھ میں مکہ میں انتقال فرمایا۔ امام شافعی کے ساتھ یہ مصر میں آئے تھے اور یہیں پڑھے تھے۔ پھر جب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہو گیا تو یہ مکہ لوٹ گئے اور باقی زندگی وہیں گزاری۔

ابوبکر محمد بن ادریس رحمۃ اللہ علیہ :

ان کے بارے میں ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ یہ اصحاب شافعی میں تھے لیکن کس سال وفات ہوئی معلوم نہیں۔ مکہ میں جن لوگوں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے علم اخذ کیا، یہ انہی میں سے ہیں۔

ابوالولید موسیٰ بن ابی الجارود رحمۃ اللہ علیہ :

اصحاب شافعی میں سے۔ استاد کی کئی کتابیں لکھیں فقہ کا علم ان سے حاصل کیا۔ ان کے بغداد جانے سے پہلے تک برابر ان کے دامن علم سے وابستہ رہے۔

ابو علی الحسین بن علی الکرابیسی رحمۃ اللہ علیہ :

یہ بہت بڑے عالم، مصنف اور پرہیز گار شخص تھے۔ سلطان کی رائے انہی کے گرد گھومتی رہتی تھی۔ حریفوں سے مقابلہ بھی خوب خم ٹھونک کر کیا کرتے تھے۔ یہ مذہب اہل عراق پر عامل تھے۔ پھر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بغداد آئے تو انہوں نے انہیں کے ساتھ مجالست اختیار کر لی۔ زعفرانی سے ان کی کتابیں پڑھنے لگے۔ خود کرابیسی اس ذکر پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بغداد آئے تو میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے عرض کیا کیا آپ اجازت دیں گے کہ آپ کے سامنے قرأت کتب کروں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے انکار کر دیا اور کہا یہ کام زعفرانی کے سامنے کرو۔ اس کی اجازت دیتا ہوں۔ کرابیسی کی وفات ۲۵۶ھ میں ہوئی۔

(امام شافعی ص ۲۸۱)

یوسف بن یحیٰی قریشی رحمۃ اللہ علیہ :

تہذیب التہذیب جلد ۱۱ ص ۴۲۷ اور طبقات الشافعیۃ الکبریٰ جلد اول ص ۲۷۵ کا حاصل یہ ہے کہ آپ نے ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایتیں کی ہیں۔ آپ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشد تلامذہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ابو الولید بن جارود فرماتے ہیں۔ ابو بویطی ہمارے ہمسایہ تھے۔ رات کو جب کبھی میری آنکھ کھلتی تو میں ان کو عبادت کرتے یا قرآن پڑھتے ہوئے پاتا۔ ہمیشہ ان کے ہونٹ ذکر خدا میں ہلتے ہی رہتے تھے۔ امام حمیدی رحمۃ اللہ علیہ، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استاد نے حسب ایمائے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال سے کچھ ہی قبل امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قائم مقام بنا کر مسند امامت پر بٹھایا۔ مصر کے بالائی حصہ کو بویط کہا جاتا ہے۔ اس لیے آپ بویطی کی نسبت سے مشہور ہیں۔ امام بویطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے سوال کیا کہ احکام قرآنی اصولی نقطہ نظر سے کتنے ہیں۔ فرمایا پانچ سو۔ پھر پوچھا احکام سنت راشدہ اصولی حیثیت سے کتنے ہیں۔ فرمایا وہ بھی پانچ سو ہیں۔ پھر اسی شخص نے پوچھا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو ان میں سے کتنے محفوظ تھے۔ فرمایا ۴۶۵۔ پھر اس نے پوچھا اور امام سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کو؟ فرمایا، ان کو ۴۹۵ محفوظ تھے۔ امام ربیع بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں بویطی، مزنی اور محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکم مصری ہم چاروں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے کچھ ہی پہلے آپ کے پاس پہنچے۔ امام نے ہم چاروں کو کچھ دیر تک نظر بھر کر دیکھا اور بڑی دیر تک چپ رہے

پھر ہماری جانب مخاطب ہوئے۔

ابو بویطی سے فرمایا۔" اے ابو یعقوب تم عنقریب لوہا پہن کر مرو گے اور اے مزنی! تمہارا مرتبہ مصر میں بلند ہوگا اور تم ایک طویل زمانہ پاؤ گے جس میں تمہاری رفعت وعلوء شان رہے گی اور اے محمد بن عبداللہ تم تو اپنے باپ کے طریقہ مالکیہ کی جانب عود کرو گے اور اے ربیع تمہاری وجہ سے میری کتابوں کی نشر واشاعت منفعت بخش ہوگی۔ پھر فرمایا:" اے ابو بویطی اٹھو اور میرا حلقہ درس سنبھالو" امام ربیع فرماتے ہیں کہ امام کا ارشاد عالی حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوا جس کی تفصیل یہ ہے۔

امام مزنی وامام ربیع کے حالات میں ان دونوں کے متعلق وضاحت ہو چکی ہے۔ محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم کے متعلق جو ارشاد فرمایا تھا، وہ بایں طور پر پورا ہوا کہ امام شافعی کی وفات سے کچھ قبل، جب امام بویطی مسند امامت پر بیٹھے تو امام حمیدی نے ان سے فرمایا۔" آپ سے بہتر کوئی شخص امام صاحب کے شاگردوں میں نہیں ہے۔" اس پر محمد بن عبداللہ الحکم نے امام حمیدی سے کہا کہ تم غلط کہتے ہو۔ اس پر امام حمیدی نے ان سے تند وتیز گفتگو کی اور محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم اس حلقہ کو چھوڑ کر علیحدہ ہو گئے اور امام بویطی پر یہ افتاد آپڑی کہ آپ خلق قرآن کے منکر تھے اور آپ کا یہ فتویٰ مشہور ہو گیا تھا من قال القرآن مخلوق فھو کافر...... جس نے یہ کہا کہ قرآن مخلوق ہے، وہ کافر ہے۔ چنانچہ بغداد میں آپ کو گرفتار کر لیا گیا اور جیل بھیج دیا گیا۔ جیل خانہ میں آپ کو بوجھل بیڑیاں آدھی پنڈلی تک ڈالی گئیں اور گلے میں بھی لوہے کا بوجھل طوق پہنا دیا گیا اور زنجیروں سے جکڑ دیا گیا۔ آپ نے جمعہ کی اذان کی آواز سنی تو غسل کیا اور تہمند بدلا اور نماز کے لیے جانا چاہا۔ جیل خانے کے نگرانوں نے کہا۔ خدا آپ پر رحم فرمائے آپ کے لیے شرکت جمعہ کے لیے بھی ممانعت کر دی گئی ہے۔ آپ اس پر زار وقطار روتے رہے۔ پھر خدا سے گڑگڑاتے ہوئے دعا کی۔ الٰہی تُو سب باتوں سے واقف ہے اور تو سمیع وبصیر ہے مجھے اب ادائے فرائض سے بھی منع کیا جا رہا ہے۔ الٰہی میں صرف تیرے کرم کا امیدوار ہوں۔ تو رحیم وکریم ہے۔ مجھ کو بخش دے اور مجھ پر رحم فرما۔ چنانچہ بغداد کے جیل خانہ میں اسی حالت میں رجب ۲۳۱ھ میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ (سیرت شافعی ص ۸۵-۸۶)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ:

آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے۔ بلند پایہ حافظ حدیث اور حجت ہیں۔ مرو میں پیدا ہوئے

اور بغداد میں عمر بسر کرنے کی وجہ سے مروزی ثم بغدادی کہلاتے ہیں۔ سرخیل محدثین شیخ الاسلام سید المسلمین احمد بن حنبل شیبانی ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ہیثم، ابراہیم بن سعد، سفیان بن عینیہ، عباد بن عباد، یحییٰ بن ابی زائدہ رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور ان کے طبقہ سے حدیث کا سماع کیا اور ان سے امام بخاری، مسلم، ابو داؤد، ابو زرعہ، مطین، عبداللہ بن احمد، ابو القاسم بغوی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور ان گنت لوگوں نے کسب فیض کیا۔

حرملہ کہتے ہیں۔ میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے فرماتے تھے۔ میں بغداد سے نکلا تو میں نے اپنے پیچھے کوئی آدمی ایسا نہیں چھوڑا جو علم و فضل اور فقہ و دانش میں احمد رحمۃ اللہ علیہ (امام احمد بن حنبل) سے بڑھا ہوا ہو۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص ۳۲۳)

مزید فرماتے ہیں میں نے بغداد میں احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ فقیہ، زاہد، متقی اور عالم نہیں دیکھا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ کی پوری تعلیم امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے پائی اور ان کے بعض مسائل میں خود بھی جز اء اجتہاد فرماتے ہیں۔ جس کی وضاحت ہم کر سکتے ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو آپ سے بے حد محبت تھی اور اعتماد و اثق بھی تھا۔ چنانچہ اکثر آپ سے فرماتے تھے۔ دیکھو احمد اگر میری کسی اجتہاد یا رائے کے خلاف کوئی حدیث تم کو معلوم ہو تو مجھے باخبر بنا دینا تا کہ میں اپنے قول سے رجوع کروں۔ چونکہ کون سا آسمان اور کون سی زمین مجھے پناہ دے سکتی ہے۔ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد گرامی کے خلاف کوئی رائے رکھوں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اپنے استاد کا بے حد ادب کرتے تھے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت کا ایک پل بھی نعمت خداوندی سے تعبیر فرمایا کرتے تھے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعہ کو نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق پوچھا۔ آپ نے فرمایا۔ حدیث صحیح راوی ضعیف یعنی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث تو صحیح ہے۔ مگر رائے کمزور ہے۔ پھر سائل نے امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا حدیث راوی ضعیف ان کی حدیث بھی کمزور ہے۔ رائے بھی کمزور ہے۔ پھر سائل نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق پوچھا۔ فرمایا حدیث صحیح راوی صحیح۔ ان کی حدیث بھی صحیح ہے اور رائے بھی صحیح ہے۔ پھر اصحاب کوفہ کے متعلق پوچھا تو فرمایا۔ لارای ولا حدیث یعنی ان کی رائے اور حدیث دونوں کچھ نہیں ہیں۔

امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت جو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اس کی یہ وجہ ہے کہ وہ بعض مسائل میں مقطوع و مرسل روایتوں پر عمل کرتے ہیں اور ایسی روایتوں کی بنا پر قیاس سے

مسائل کا فتویٰ دیتے ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق جو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ اس کی یہ وجہ ہے کہ آپ صحیح حدیث پر خواہ وہ مکی ہو یا مدنی ہو یا یمنی ہو یا مصری ہو۔ کسی شہر کے بھی معتمد اور ثقہ راوی سے روایت کرتے ہوں قابل عمل قرار دیتے ہیں۔ طبقات الشافعیہ جلد اول ص ۲۰۵ میں یہ روایت موجود ہے۔ امام ربیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جب مصر تشریف لے جانے لگے تو مجھ سے فرمایا۔ ربیع یہ میرا خط بغداد لے جا کر احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو دے کر جواب لے آؤ۔ چنانچہ میں بغداد پہنچا تو دیکھا کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ صبح کی نماز میں مشغول ہیں۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے وہ خط پیش کیا اور عرض کیا کہ آپ کے برادر مکرم امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ خط بھیجا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ربیع سے پوچھا تم نے بھی دیکھا کیا لکھا ہے۔ میں نے عرض کیا مجھے نہیں معلوم کیا تحریر فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ نے اس لفافہ کو کھول کر پڑھا اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ میں نے عرض کیا۔ امام نے کیا لکھ دیا۔ فرمایا اس میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ لکھا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا کہ تم ابو عبداللہ احمد بن حنبل کو خط لکھو۔ میرا اسلام لکھ کر یہ لکھ دینا کہ عنقریب تم خلق قرآن کے فتنے میں مبتلا کیے جاؤ گے۔ خدا تم کو ثابت قدم رکھے گا اور تمہارا علم تا مہ قیامت پھیلتا رہے گا۔ ربیع فرماتے ہیں۔ میں نے عرض کیا آپ کو مبارک ہو پھر آپ نے جواب لکھا اور اپنا وہ کرتا جو آپ کے جسم سے ملا رہتا تھا۔ اُتارا اور فرمایا یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی نذر کر دینا۔ میں مصر آیا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا جواب اور وہ کُرتا پیش کیا۔ فرمایا کرتا کیسا ہے۔ میں نے عرض کیا انہوں نے بطور نذر پیش کیا ہے۔ فرمایا اچھا اس کُرتے کو بھگو لو تا کہ اس کا پانی بطور تبرک ہم استعمال کریں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ ہر نماز کے بعد سجدے میں خاص طور پر دُعا کرتے تھے اور جب تذکرہ آتا تو فرماتے میرے شیخ محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد ہے جس پر میں عمل کرتا ہوں۔ (سیرت امام شافعی ص ۸۹۔ ۸۷) آپ نے ۷۷ سال کی عمر پا کر ۱۲ ربیع الاول ۲۴۱ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ:

آپ کی کنیت ابو یعقوب ہے۔ مرو کے رہنے والے تھے۔ پھر نیشا پور میں رہائش پذیر ہو گئے۔ آپ نیشا پور کے عالم اور اہل مشرق کے شیخ ہیں۔ ابن راہویہ کے نام سے مشہور ہیں۔ ۱۶۶ھ اور ایک قول کے مطابق ۱۶۱ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابن مبارک سے بچپن میں اور

بڑے ہو کر جریر بن عبدالحمید، عبدالعزیز بن عبدالصمد العمی، فضیل بن عیاض، عیسیٰ بن یونس، دراوردی اور ان کے طبقہ سے حدیث کا سماع کیا ہے اور ان سے بجز ابن ماجہ جملہ اصحاب صحاح ستہ، امام احمد یحییٰ بن معین ان کے اپنے شیخ یحییٰ بن آدم، حسن بن سفیان، ابوالعباس سراج اور دوسرے بہت سے لوگ مستفید ہوئے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۷۷ سال کی عمر پا کر نصف شعبان ۲۳۸ھ میں نیر اعظم ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔

(تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص ۶_۳۲۵)

شیخ ابوالعباس احمد بن سریج رحمۃ اللہ علیہ:

یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور شاگرد ہیں۔ ان کی تصانیف کی تعداد چار سو ہے۔ ۳۰۴ھ میں وفات پائی۔

(تاریخ الفقہ ص ۱۲۹)

ان کے علاوہ تلامذہ کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں: احمد بن الحجاج المروزی (شیخ بخاری) احمد بن خالد الخلال البغدادی (شیوخ ترمذی ونسائی) احمد بن سعید بن بشیر الھمدانی (شیخ ابو داؤد) احمد بن سنان القطان...... احمد بن الصباح الرازی...... احمد بن عبداللہ المکی المقری...... احمد بن محمد بن الولید الازرقی المکی...... ابراہیم بن محمد بن العباس بن محمد علی الشافعی...... اسحاق بن ابراہیم بن مخلد المقری...... اسحاق بن یحییٰ ابو ابراہیم المزنی۔ اشہب بن عبدالعزیز المصری۔ بحرین نصر بن سابق الخولانی المصری...... الحارث بن سریح النقال...... حامد بن یحییٰ البلغی ...... الحسن بن عبدالعزیز جروی...... المصری (شیخ بخاری)...... الحسن بن عثمان الزیادی الحسن بن علی الخلال الخولانی...... خالد بن نزار ایلی...... سعید بن الجہم بن نافع...... الکوفی المکی...... ابو ایوب البغدادی...... ابو حاتم سجستانی...... عبدالرحمٰن بن مہدی البصری...... عبدالعزیز بن یحییٰ مکی...... عبدالمالک بن عبدالعزیز الماجشون...... عبداللہ بن ہشام المصری النحوی...... علی بن عبداللہ بن جعفر المدینی...... عمر بن ابی سلمہ التیمی...... الفضل بن الربیع...... قتیبہ بن سعید البلغی...... قحزم بن عبداللہ بن قحزم...... محمد بن ابی بکر المقدمی......

(مقدمہ "الام" ص ۳۷ تا ۴۱)

باب ۵

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کا اجمالی تعارف

عصر صحابہ و تابعین میں مجتہدین کرام اپنے اجتہادات و فتاوٰی کی تدوین کو پسند نہیں کرتے تھے۔ بلکہ سرے سے تدوین سنت تک کو ناپسند کرتے تھے۔ تاکہ صرف کتاب (قرآن) کے اصول مدوّنہ محفوظ رہ سکیں کہ یہی شریعت کا ستون اور نور مبین ہے۔ جسے روزِ قیامت تک خدائے بزرگ و برتر قائم اور باقی رکھے گا لیکن بعد میں علماء تدوین سنت اور تدوین فقہ و فتاوٰی پر مجبور ہو گئے مسلمانوں میں مختلف فرقے پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے اپنے نقطہ نگاہ کے مطابق تدوین اقوال کی طرف توجہ کی۔ اہل تشیع نے اپنے ائمہ کے افکار و آراء مدوّن کر ڈالے معتزلہ نے اپنے علماء کے خیالات کی تدوین کی محدثین نے تدوین صحیح پر اپنی توجہ مرکوز کر دی تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب کلامِ مکذوب کی تمیز ممکن ہو جائے۔

بعد میں فقہاء نے اپنے افکار و نظریات کی تدوین پر زور دیا۔ چنانچہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں کئی کتابیں قلمبند کیں۔ قاضی القضاۃ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے "کتاب الخراج" خلیفہ ہارون الرشید کے لیے لکھی۔ اس کے علاوہ بھی متعدد کتابیں ان کے قلم سے نکلیں۔ محمد بن الحسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ نے آرائے عراق کی تدوین کی اور ان کی آراء کی تدوین کا سلسلہ شروع کر چکے تھے اور اپنے شیوخ کے آراء بھی مدوّن کر رہے تھے۔ چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس طرف پوری توجہ کی۔ (امام شافعی ص ۲۸۸)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اسلوب تحریر:

امام ربیع بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جس فصاحت و بلاغت سے

تقریر فرمایا کرتے تھے اور جو محاروات عرب ان کی گفتگو میں ہوتے تھے۔ ان کے سمجھنے کے لیے بھی انسان کو کافی علم کی ضرورت تھی۔ عرب کے فصیح و بلیغ ان کی تقریر سن کر سر دھنتے تھے۔ اگر وہ اپنی تصانیف میں بھی یہی اسلوب بیان کرتے تو غالباً ان کا سمجھنا دشوار ہوتا تا آنکہ انسان کا علم مکمل نہ ہوتا۔ آپ نے اپنی تصانیف میں اتنی سلیس و آسان زبان استعمال کی جس میں تمام خوبیاں ہیں اور یہ بھی آپ کا اعجاز ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جب طریق اجتہاد و بحث فتاوٰی میں کمال حاصل کر لیا تو تالیف کتب کا باقاعدہ سلسلہ شروع کر دیا پہلے ان اصول و مبادی کا ذکر کرتے کہ جو انہوں نے بسلسلہ استنباط وضع کیے تھے۔ پھر مسائل فیھا کا تذکرہ کرتے پھر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اختلافات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو زیر بحث لاتے اور یہ سب کچھ کرنے کے بعد ان کی آراء میں سے جس رائے کو صحیح خیال کرتے اسے مرجح قرار دیتے۔ (سیرت امام شافعی ص ۱۰۲)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا انداز تصنیف:

تصنیف و تالیف کا کام امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ مسجد میں بیٹھ کر بھی کیا کرتے تھے اور گھر میں بھی۔ شاہی مسجد کے بارے حرملہ سے روایت ہے کہ شاہی مسجد میں ایک ستون سے ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے۔ یہاں ان کے لیے ایک گدیلا بچھا دیا جاتا اور تصنیف کا کام اسی پر متمکن ہو کر شروع کر دیتے۔

تصنیف کتب کے وقت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ دوسروں کی کتب سے بھی مدد لیتے تاکہ معلوم ہو سکے کہ موضوع زیر تصنیف سے متعلق احادیث اور آثار فقیہہ کیا ہیں؟ پھر اس مواد کو وہ پرکھتے اور اچھی طرح مطمئن ہونے کے بعد اس سے استفادہ کرتے اس سلسلہ کی ایک روایت ہے:

''امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ مصر آئے اور یہاں چار سال تک مقیم رہے۔ اسی زمانہ میں انہوں نے بہت سی کتابیں تالیف و تصنیف کیں۔ اپنے ساتھ حجاز سے وہ کتب سفیان ابن عیینہ بھی لائے تھے۔ یہ کتابیں وہ اپنے سامنے رکھ لیتے اور تصنیف شروع کر دیتے۔ جب وہ لکھ چکتے تو ابن ہرم اس کی نقل شروع کر دیتے۔ امام بویطی رحمۃ اللہ علیہ انہیں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا لکھا ہوا سناتے اور تمام حاضرین ابن ہرم کا لکھا ہوا سنتے رہتے اور اس کی نقل کر لیتے۔ ربیع بن سلیمان مرادی رحمۃ اللہ علیہ ان کاموں میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے کام سے کبھی کبھی اٹھ جایا کرتے۔ جاتے وقت بتا جاتے، جب واپس آتے تو جو حصہ چھٹ جاتا، اس کی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے قرأت کر لیتے۔ (توالی التاسیس/

امام شافعی ص ۲۹۴/۵)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے انداز تصنیف کے بارے میں تصریحات بالا سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کس طرح تصنیف کیا کرتے تھے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کا طریقہ کتابت کیا تھا۔ پھر ان کے لکھے ہوئے کو شاگرد کس طرح نقل کیا کرتے تھے؟ اور پھر سماعت کس طرح کرتے تھے؟ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کبھی کبھی اصلاح بھی کرایا کرتے تھے۔ چنانچہ ''الاُمّ'' کے دوران مطالعہ میں خود بخود یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کافی عبارتیں ایسی ہیں۔ جن میں کہا گیا ہے کہ یہ بات امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں لکھوائی، مثلاً:

(۱) صلح کے باب میں — ربیع بن سلیمان کہتے ہیں کہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیں املا کرایا۔

(۲) حوالہ کے باب میں — ربیع بن سلیمان کا قول ہے کہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیں یہ لکھایا۔

(۳) وکالت کے باب میں — ربیع بن سلیمان کا قول ہے کہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے املا کرایا۔

(۴) وثیقہ جس کے بیان میں — ربیع بن سلیمان کا قول ہے کہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے املا کراتے ہوئے ہمیں بتایا۔

(۵) تعبیر کے بیان میں — ربیع بن سلیمان کا قول ہے کہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے املا کراتے ہوئے ہمیں باخبر کیا۔

(۶) ولیمہ کے باب میں — ربیع بن سلیمان کا قول کہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے املا کراتے ہوئے بتایا۔

(۷) نکاح کے بیان میں — ربیع بن سلیمان نے ہمیں بتایا کہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے املا کرایا ہے۔

(۸) اقرار وارث کے بیان میں — ربیع بن سلیمان نے ہمیں بتایا کہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے املا کرایا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کبھی خود لکھتے تھے، کبھی لکھاتے تھے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جو کچھ لکھتے یا املا کراتے ان کے تلامیذ اسے نقل کر لیا کرتے تھے۔ جو کتابیں خود امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی قلمبند ہوئی ہیں۔ ان کے بارے میں رواۃ کا بیان ہے کہ بعض تو انہوں نے خود لکھی ہیں اور بعض املا کرائی ہیں۔ تالیف کتب کے سلسلہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا معمول اور اصول کیا تھا؟ اسے ربیع بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ نے یوں تحریر کیا ہے: ''امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ورودِ مصر سے ایک مدت تک ان کی خدمات میں حاضر رہا۔ ان کی ایک سیاہ فام باندی تھی۔ جب وہ کچھ لکھنا چاہتے باندی سے کہتے: ''وہ اٹھتی اور چراغ جلا دیتی پھر جو کچھ اور جب تک جی چاہتا ہو بیٹھے لکھتے رہتے۔

ہمیشہ اسی طرح کرتے کام ختم کرنے کے بعد خود ہی چراغ بجھا دیتے۔''

ایک دفعہ پوچھا گیا کہ ایسا آپ کیوں کرتے ہیں؟ تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: ''چراغ کی روشنی میں خیالات یکسو نہیں رہتے۔'' رات کی تاریکی میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ چراغ بجھا کر زیادہ تر غور و فکر کرتے۔ ان کا خیال تھا کہ چراغ کی روشنی فکر عمیق میں حارج ہوتی ہے۔ چنانچہ چراغ بجھا دیتے۔ (امام شافعی ص ۲۸۸)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے زیادہ کتب بغداد میں لکھیں:

مکہ کے دوران قیام میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے باقاعدہ سلسلہ تصنیف نہیں شروع کیا تھا۔ وہاں انہوں نے صرف وہ رسالہ لکھا تھا جو عبدالرحمٰن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے تھا۔ پھر ۱۹۵ھ میں دوبارہ آنے کے بعد انہوں نے بہت سی کتابیں لکھ ڈالیں۔

اور اگر دوران قیام مکہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ کتابیں لکھیں تو لوگوں سے ان کی روایت نہیں کی اور انہیں چھپائے رکھا۔ پھر بغداد آنے کے بعد کثرت دراست و مراجعت اور تمحیص کے بعد انہیں اپنے تلامیذ کے سامنے پیش کیا اور اپنے اصحاب سے روشناس کرایا۔ جس کے بعد وہ سارے آفاق میں منتشر ہو گئیں۔ مصر آنے کے بعد اپنی کتابوں پر دوبارہ انہوں نے نظر ڈالی۔ تغیر و تبدل کیا۔ کچھ بڑھایا کچھ گھٹایا تاکہ تصنیف ہر جہت سے مکمل ہو جائے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا فن تحقیق:

واقعہ یہ ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی کتب جدید اور کتب قدیم میں فرق صرف اسقدر ہے کہ وہ تحقیق و تمحیص برابر کرتے تھے اور کتب قدیمہ کو نئے قالب میں ڈالتے چلے جاتے تھے۔ چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ جدیدہ درحقیقت رسالہ قدیم کا خلاصہ ہے لیکن تحقیق و تمحیص مزید اور جدید حذف و اضافہ کے ساتھ یہی حال دوسری تمام کتابوں کا ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ایک بہت بڑے مناظر بھی تھے۔ لہٰذا افکار و آراء کو برابر پرکھا کرتے تھے اور ان پر نظر ثانی کا سلسلہ جاری رکھتے تھے۔ وہ ہمیشہ طلب حق کے لیے مناقشہ کرتے تھے اور بظاہر ہے اس کا مقصد طلب غلبہ نہیں تھا۔ جس طرح دوسروں کے افکار کے ساتھ بھی کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ارمان متباعدہ یا متقاربہ (دُور و قریب) میں ایک ہی مسئلہ پر ان کی مختلف رائیں موجود ملتی ہیں۔ وہ ایک رائے قائم کرتے تھے۔ پھر تحقیق مزید کی روشنی میں اس سے رجوع کر لیتے

تھے۔ یا کسی حدیث کے باعث جس تک رسائی ہو گئی تھی یا کسی قیاس کے سبب جس نے انہیں نئی روشنی دی یا کسی فتویٰ صحابی کی وجہ سے جس کا اب تک علم نہیں تھا اور ایک متلاشی حق کو ایسا ہی ہونا چاہیے اپنی مدت اجتہاد کے سارے طویل زمانہ میں وہ اسی اصول پر عامل رہے۔ بویطی نے روایت کی ہے کہ وہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ ''میری ان کتابوں میں مخالف کتاب وسنت تم کوئی بات نہیں پاؤ گے۔ کیوں کہ ایسی تمام باتوں سے میں رجوع کر چکا ہوں۔ (امام شافعی ص ۳۔۲۹۲)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی قدیم وجدید کتب:

امام بیہقی نے مناقب الشافعی میں اور ابن حجر نے ''توالی التاسیس'' میں کُتب شافعی کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس سے امور ذیل مستفاد ہوتے ہیں:

☆ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جدید کتب کی تصانیف کے وقت اپنی قدیم کُتب کو سامنے رکھتے تھے۔

☆ جس رائے میں کوئی تعبیر نہیں ہوتا تھا۔ اسے علیٰ حالہ باقی رکھتے تھے اور قدیم نسخے جوں کے توں قائم رکھتے تھے۔

☆ لیکن جن مسائل میں رائے بدل گئی ہوتی۔ ان کتابوں کو حذف واضافہ اور تغیر وتبدل کے بعد از سر نو لکھتے اور قدیم کتابوں کو ضائع کر دیتے۔

کتب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دو اقسام:

تدوین کتب شافعی پر گفتگو ختم کرنے سے پہلے ایک اور اہم مسئلہ کی طرف ہم اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔ جس کی باحثین کی نظر میں بڑی اہمیت ہے۔ وہ مسئلہ یہ ہے کہ اصحاب شافعی نے اپنے استاذ کی جن کتابوں کو روایت کیا ہے۔ ان کی دو قسمیں ہیں۔

☆ ایک قسم تو وہ ہے جسے مؤرخوں اور راویوں نے براہ راست امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ ''الاُم'' اور ''الرسالہ'' اور ''اختلاف العراقیین'' اور ''اختلاف مالک'' اور ''اختلاف علی وعبداللہ'' وغیرہ کتابیں خود امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی لکھی ہوئی ہیں۔

☆ دوسری قسم میں وہ کتب شافعی شامل ہیں جو ان کے اصحاب کی طرف سے منسوب ہیں اور جو درحقیقت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال کی تلخیص ہیں۔ چنانچہ راویوں اور مؤرخوں کا بیان ہے کہ مختصر البویطی ''مختصر المزنی'' وغیرہ اصحاب شافعی کی تالیف ہیں اور اقوال

شافعی کی تلخیص پر مبنی ہیں اور اس طرح کی جو کتابیں ہیں وہ تعداد میں کسی طرح قسم اول سے کم نہیں ہیں۔ فرق جو کچھ ہے۔ وہ یہ ہے کہ پہلی قسم کی کتابیں لفظ و معنی ہر اعتبار سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ہیں اور دوسری قسم کی کتابیں صرف معنوی اعتبار سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ہیں۔ ورنہ تالیف عبارت اور شان الفاظ کا جہاں تک تعلق ہے، یہ محنت اصحاب شافعی کی ہے۔

یہ دوسری قسم کی کتابیں اس طرح کی ہیں جیسے امام محمد بن الحسن رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں مذہب حنفی کی جانب منسوب ہیں۔ ورنہ قسم اول کا جہاں تک تعلق ہے۔ وہ بلا انزاع و اختلاف امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ہیں۔ ان میں نزاع کرنا تاریخ مسلسل کا انکار کرنا ہے۔ (امام شافعی ص ۲۹۴)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے چار سال میں کتنا تصنیفی کام کیا:

مصر میں آنے کے بعد امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلے زیادہ جس کام پر توجہ دی وہ اپنی کتابوں پر نظر ثانی کرنا۔ ان میں تغیر و تبدل کرنا اور حذف و اضافہ کرنا تھا اور اس طرح ان کتابوں نے بالکل نئی روشنی اختیار کر لی۔ یہاں آ کر انہوں نے کئی کتابیں بھی لکھیں۔ مسائل کثیر املاء کرائے۔ اصحاب شافعی نے بہت سے مسائل ان سے روایت کیے۔ یہاں پر ''کتاب الأم'' تکمیل کو پہنچی۔ یہیں ''کتاب السنن'' کی تکمیل ہوئی۔ سیوطی کا قول ہے: ''مصر میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سی نئی کتابیں لکھیں مثلاً الأم، الامالی، الکبریٰ، الاصلاد الصغیر۔ (حسن المحاضرہ)

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ربیع رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے مصر میں چار سال تک قیام کیا اور ڈیڑھ ہزار اوراق (تین ہزار صفحات) املاء کرائے۔ مصنفات میں ''کتاب الأم'' دو ہزار اوراق کی تھی۔ اس کے علاوہ ''کتاب السنن'' نیز اور بہت سی کتابیں یہ سارا تصنیفی کام چار برس میں انجام پایا۔ (توالی التاسیس)

تصانیف کا شماریاتی و تحقیقی جائزہ:

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف علوم و فنون میں بکثرت کتابیں لکھیں جن کی تعداد کے متعلق متضاد بیانات ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ڈیڑھ سو کتابوں کے اسماء شمار کرائے ہیں۔ (توالی التاسیس ص ۱۱۶) ابن ندیم نے ایک سو پانچ اور ابن زولاق نے دو صد تک کتابوں کی تعداد بتائی ہے۔ (معجم الادباء جلد ۶ ص ۳۹۸)

ایسے کثیر التصانیف مصنف کی مثال تاریخ میں بہت کم ملتی ہے۔ان کی تصانیف میں سے اکثر تو (کتاب الأم) وغیرہ مطبوعہ مصر میں یکجا شائع ہو چکی ہیں اور بعض مخطوطہ کی صورت میں مختلف کتب خانوں میں محفوظ ہیں ۔ابھی چند ایک کتب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا تفصیلی طور پر جائزہ لیا جاتا ہے۔

احکام القرآن

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ کا اول مصدر قرآن ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں قرآن کی تصریحات وہ یوں کرتے ہیں کہ کتاب احکام القرآن فقہی تفسیر کا مرجع معلوم ہوتی ہے۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''احکام القرآن'' کا مخلص یہ ہے کہ قرآن مجید میں جن احکام کی پابندی مسلمانوں پر لازم کی گئی ہے۔ان کی چار اقسام ہیں:

(۱) عقائد: جس میں توحید، رسالت، کتب سابقہ، انبیاء کرام، حشر ونشر اور قرآن پر ایمان لانا فرض ہے۔

(۲) پھر عبادات میں ان کا ادا کرنا فرض ہے۔ان کی حیثیتیں ہیں۔ایک وہ معاملہ ہے۔ جو خدا، اور بندے کے درمیان ہے۔ جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، مالی اور تمدنی عبادت ہے۔حج بدنی عبادت اور تمدنی عبادت ہے۔ بندوں کے باہمی معاملات ان کی دو حیثیتیں ہیں۔ایک قوانین تحفظ، دعوت اسلام و جہاد، دوسرے قوانین معاشرت جیسے نکاح، طلاق اور وراثت کے احکام۔

(۳) قوانین معاملات باہمی یعنی بیع اجارہ وغیرہ۔

(۴) قوانین تعزیری یعنی حدود وقصاص۔

قرآن مجید کے احکام کو کس طرح سمجھنا چاہیے۔آپ اکثر اس جملہ کا اعادہ فرماتے رہتے تھے کہ مجھے اس شخص پر حیرت ہے جو لغت عرب اور کلام عرب سے ناواقف ہونے کے باوجود قران مجید کی تفسیر کرنے کی جرأت کرتا ہے۔کوئی شخص قرآن مجید سے نصیحت حاصل نہیں کر سکتا۔وہ بایں طور پر کہ اس کا نفس قرآنی وعدوں پر مطمئن ہو جائے۔وعید سے لرز جائے۔ وحدانیت اور رسالت کے حقائق سے صحیح طور پر آشنا ہو سکے تا آنکہ وہ اس کے معانی کو سمجھنے کی اہلیت پیدا نہیں کر لیتا اور اس کے طریقہ ہائے بیان کی حلاوت محسوس نہیں کر لیتا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات زندگی پر اور ان وقائع پر جن کے لحاظ و مناسبت سے نزول قرآن ہوا ہے۔

باخبر نہیں ہو جاتا۔ لغات اور کلام عرب اور ان بانوں پر عبور ہو جانے کے بعد سب سے بالاتر محبت باری تعالیٰ ہے جس کا نام نور بصیرت ہے۔ فرماتے ہیں قرآن کریم کی اس آیت کو سمجھنا چاہیے:

☆ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ یَلْبِسُوْۤا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓىٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ ○

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم (شرک) سے مخلوط نہیں کیا ان کے امن (اور جمعیت خاطر) ہے اور وہی ہدایت پانے والے ہیں۔

(سورۃ الانعام، آیت ۸۲)

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا، "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم میں سے کون ہے جس نے اپنے نفس پر ظلم نہ کیا ہو۔" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، "یہاں ظلم سے مراد شرک ہے۔" اس حدیث نے لغت میں یہ اضافہ کیا کہ ظلم کے معنی وضع الشی فی غیر محلہ، یعنی کسی شے کا استعمال بے محل کرنا ظلم ہے اور اس لیے مقصد یہ ہے کہ ایمان کی بجائے خود وہ قوت ہے جس میں بجز توحید کے اور کچھ نہ ہو اور شرک کا اختلاط وضع الشی فی غیر محلہ کا صحیح مصداق ہوا۔

امام یونس بن عبدالاعلیٰ فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس خوبی سے قرآن مجید کی تفسیر بیان کیا کرتے تھے گویا آپ نزول قرآن کے وقت موجود تھے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے۔ قرآن مجید کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ سمجھنے والا کوئی نہیں۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں ایسا کوئی کلمہ نہیں ہے جس کا مطلب محاورہ عرب کے لحاظ سے میں نہ جانتا ہوں۔

(توالی التاسیس)

وجوہ نظر قرآن مثلاً، مجمل، مبین، محکم، متشابہ، عام، خاص، ناسخ ومنسوخ، اعتبار، امثال، قصص، احکام، اسباب نزول اور محاورات عرب سب پر آپ کی غائر نظر تھی۔ ہم احکام القرآن کے کچھ حصے کو پیش کرتے ہیں۔

تمام تکلفات شرعیہ کی بنیاد دو لفظوں پر ہے۔ "کرو" اور "نہ کرو" جس کا نام امر و نہی ہے۔ قرآن وحدیث دونوں میں اوامر ونواہی موجود ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ ان دونوں یعنی امر ونہی کے احکام جن باتوں کے کرنے یا نہ کرنے پر دلالت کرتے ہیں آیا ان کا کرنا لازمی اور جن کی ممانعت ہے ان کا نہ کرنا لازمی ہوگا؟ یا اگر قرآن وحدیث کے امر ونہی واجب التعمیل ہیں۔ تو اگر مامور بہ عبادت دوسرے امر کے ساتھ متعلق ہو تو اس کے کیا احکام ہوں گے؟ خدا فرماتا ہے۔ جس

کی یہ چند مثالیں ہیں:

☆ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ

ترجمہ: مسلمانو! غلام اور وہ لوگ جو تم میں سے بالغ نہیں ہوئے ہیں تم سے تین بار اجازت طلب کریں۔ (۵۸:النور۲۴)

(لیکن اجازت طلبی کا یہ امر کسی دوسری چیز کے ساتھ متعلق نہیں ہے۔)

☆ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ.

ترجمہ: مسلمانو! جب نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ تو اپنے چہرے کو دھو لیا کرو۔ (۶:المائدۃ۵)

(لیکن وضو کا یہ حکم ایک دوسری عبادت یعنی نماز کے ساتھ متعلق ہے۔)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

☆ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ.

ترجمہ: مسلمانو! جب تم ایک مدت کے قرض کا لین دین کرو تو اس کو لکھ لو۔ (۲۸۲:البقرۃ۲)

(کتابت کا یہ حکم بھی ایک مقصد یعنی قرض کے تحفظ کا ذریعہ ہے۔)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

☆ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ .

ترجمہ: اے مسلمانو! جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت میں طلاق دو۔ (۱:الطلاق ۶۵)

اس امر میں بھی طلاق کی ابتدائی عدت کے لحاظ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ وہ ایک مقصد یعنی طلاق کا ذریعہ ہے تاکہ وہ مطلقہ کے نقصان کا سبب نہ بن جائے تو کیا کہا جا سکتا ہے کہ خدا نے جس چیز کا حکم دیا ہے وہ لازمی ہے؟ اور جب وہ کسی چیز کے ساتھ متعلق ہوتا، کیا اس صورت میں بھی لازم ہے؟ اگر وہ چھوڑ دیا جائے تو جس چیز کے ساتھ متعلق ہے کیا اس میں وہ موثر ہوگا؟ یہاں تک کہ بغیر وضو کے نماز، بغیر تحریر و کتابت کے قرض اور عورت کے حائضہ ہونے کی حالت میں طلاق باطل ہوگی!

ان سب باتوں کے پیش نظر آپ فرماتے ہیں۔ قرآن و حدیث اور عام لوگوں کے کلام میں امر کے متعدد معانی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ خدا نے پہلے ایک چیز کو حرام کیا پھر مُباح فرما دیا۔ اس لیے کہ کسی موقع پر امر کے معنیٰ ایک حرام چیز کو حلال کر دینے کے ہیں۔ مثلاً "وَ اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا" (جب تم نے حج کا احرام کھول دیا تو شکار کرو) (۲:المائدہ۵) اور "فَاِذَا قُضِيَتِ

الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ" (پھر جب نماز جمعہ ادا کی جا چکی ہو تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو) (۱۰:الجمعہ ۶۲) "وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا" (اور عورتوں کے مہر خوش دلی کے ساتھ (فرض جانتے ہوئے ادا کرو، البتہ اگر وہ خود اپنی خوشی سے مہر کا کوئی حصہ تمہیں معاف کر دیں تو اسے تم مزے سے کھا سکتے ہو) (۴:النساء۴) یا "فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا" (جب قربانیاں ذبح ہو چکیں تو ان میں سے کھاؤ) (۳۶:الحج ۲۲) اور ایسے متعدد احکام ہیں لیکن احرام کھولنے کے بعد شکار کرنا۔ نماز جمعہ کے بعد تجارت کیلئے منتشر ہو جانا اگر کوئی عورت بخوشی اپنے مہر کا کچھ حصہ چھوڑ دے تو اس سے فائدہ اٹھانا اور ذبح ہونے کے بعد قربانی کا گوشت کھانا واجب اور فرض نہیں ہے۔ "وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ" (اپنی بیواؤں اور نیک لوگوں کا نکاح کر دیا کرو)۔ (۳۲:النور۲۴) اس کو فرض یا واجب کہا جا سکتا ہے۔

قرآن مجید نے طلب وتخیر کے متعلق ایک طرز بیان کا التزام نہیں کیا بلکہ استقراے تلاش سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مختلف طریقوں سے افعال کا مطالبہ کرتا ہے۔

(۱) کبھی وہ صریح امر کا لفظ استعمال کرتا ہے مثلاً "اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى" (۹۰:النحل ۱۶) خدا عدل واحسان اور قرابت داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے۔ "اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰى اَهْلِهَا وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ" (۵۸:النساء۴) خدا تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت داروں کی امانت ان کو ادا کرو اور جب تم لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کرو تو انصاف سے کرو۔

(۲) کبھی یہ خبر دیتا ہے کہ یہ فعل مخاطبین پر فرض کیا گیا ہے۔ "كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى" (۱۷۸:البقرۃ ۲) اور "كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ" (۱۸۳:البقرۃ ۲) مقتولین کے بارے میں تم پر قصاص فرض کیا گیا ہے۔ تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں۔ "اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا" (نماز مسلمانوں پر مقررہ وقت پر فرض ہے)۔ (۱۰۳:النساء۴)

(۳) کبھی یہ خبر دیتا ہے کہ اس فعل کی ذمہ داری تمام لوگوں میں سے کسی خاص گروہ پر ہے۔ "وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا" (۹۷:آل عمران ۳) خدا کے لیے لوگوں پر خانہ کعبہ کا حج فرض ہے ان لوگوں پر جو استطاعت سفر رکھتے ہیں۔ "وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ" (۲۳۳:البقرۃ ۲) اور جس

شخص سے لڑکا پیدا ہوا۔ اس پر ان عورتوں کا کھانا فرض ہے۔ "وَ لِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ" (۲۴۱: البقرۃ ۲) جن کو طلاق دی جائے ان کے ساتھ دستور کے مطابق سلوک کرنا مناسب ہے۔ چونکہ پرہیزگاروں پر یہ ایک طرح کا حق ہے۔

(۴) کبھی وہ فعل مطلوب کی ذمہ داری ان لوگوں پر ڈال دیتا ہے۔ جن سے اس فعل کا تعلق ہے۔ مثلاً "وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ" (۲۲۸: البقرۃ ۲) مطلقہ عورتیں تین حیض کے آنے تک اپنے آپ کو روک رکھیں۔ "وَ الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ يَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا" (۲۳۴: البقرۃ ۲) اور جو لوگ تم میں مر جائیں اور بیویوں کو کچھ چھوڑ کر مریں۔ وہ بیویاں اپنے آپ کو چار مہینہ دس دن تک روک رکھیں۔ کبھی ایسے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں جن سے مطالبہ فعل کی تاکید ہوتی ہے اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ فعل فرض نہیں ہے۔ مثلاً "وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ" (اور ماؤں کو اپنی اولاد کو پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہیے تو مائیں اپنی اولاد کو پورے دو برس دودھ پلائیں)۔ (۲۳۳: بقرۃ ۲)

(۵) کبھی وہ صیغہ طلب (یعنی صیغہ امر و مضارع مقرون باللام کے ساتھ) افعال کا مطالبہ کرتا ہے۔ مثلاً

☆ "ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَ لْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَ لْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ" (۲۹: الحج ۲۲)

ترجمہ: پھر چاہیے کہ وہ اپنے میل کچیل کو دور کریں اپنی نذریں پوری کریں اور پرانے گھر کا طواف کریں۔

(۶) کبھی وہ اس کی تعبیر فرض سے کرتا ہے۔ مثلاً

☆ "قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ وَ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ" (۵۰: الاحزاب ۳۳)

ترجمہ: ہم نے جو کچھ ان کی بیویوں اور لونڈیوں کے بارے میں ان پر فرض کیا ہے۔ اس کو ہم نے جان لیا ہے۔

(۷) کبھی فعل مطلوب کا ذکر کسی شرط کی جزا کے طور پر کرتا ہے۔ مگر یہ بیان عام طور پر نہیں

☆ "فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ" (۱۹۶: البقرۃ ۲)

ترجمہ: اگر تم (حج سے) روک دیے جاؤ تو قربانی اس کو روانہ کرو۔

☆ "فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ

اَوْ نُسُكٍ" (١٩٦:البقرۃ٢)

ترجمہ: تو جو لوگ تم میں سے بیمار ہوں۔ ان کے سر میں تکلیف ہو تو بال اتروانے کے بدلے میں روزہ یا صدقہ و خیرات یا قربانی کرے۔

☆ "وَ اِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ" (٢٨٠:البقرۃ٢)

ترجمہ: اگر مقروض تنگ دست ہو تو فراخ دستی تک مہلت دینی چاہیے۔

(٨) کبھی وہ فعل مطلوب کا ذکر لفظ خیر کے ساتھ ملا کر کرتا ہے۔ جیسے

☆ "وَ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ" (٢٢٠:البقرۃ٢)

ترجمہ: اور جو لوگ آپ سے یتیموں کے بارے میں سوال کرتے ہیں، کہہ دیں کہ ان کی اصلاح بہتر ہے۔

(٩) کبھی وہ کسی فعل کا ذکر کسی وعدے کے ساتھ کرتا ہے۔ جیسے......

☆ "مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً" (٢٤٥:البقرۃ٢)

ترجمہ: وہ کون ہے جو خدا کو قرض حسنہ دے گا تو خدا اُس کو اس کے لیے کئی گنا زیادہ دے گا۔

(١٠) کبھی وہ فعل مطلوب کی نسبت کہتا ہے کہ وہ خود نیکی ہے یا نیکی کی طرف پہنچانے والا ہے۔ جیسے:

☆ "لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ" (٩٢:ال عمران٣)

ترجمہ: تم لوگ ہرگز نیکی کو نہ پاؤ گے۔ یہاں تک کہ جن چیزوں کو تم محبوب رکھتے ہو، اُن میں سے کچھ خرچ نہ کرو۔

☆ "وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى" (١٨٩:البقرۃ٢)

ترجمہ: نیکی اس شخص کی ہے، جس نے تقویٰ اختیار کیا۔

جس طرح بطور مثال یہ احکام کی آیتیں ہیں۔ اسی طرح کسی فعل یا افعال کی ممانعت کے لیے بھی مختلف طرز بیان نہیں۔ مثلاً

ا۔ صریح ممانعت:

☆ "وَ يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ" (٩٠:النحل١٦)

ترجمہ: خدا بے حیائی کے کاموں اور بری باتوں سے روکتا ہے۔

☆ "اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ" (٩:الممتحنۃ٦٠)

ترجمہ: جن لوگوں نے تم سے مذہب کے بارے میں جنگ کی اور تمہارے دشمنوں کی تمہارے نکلوائے جانے پر مدد کی خدا ان سے دوستی کرنے پر منع کرتا ہے۔

۲۔ شے ممنوعہ کو حرام کرنا:

☆ ''اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ وَ الْاِثْمَ وَ الْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَ اَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ'' (۳۳:الاعراف ۷)

ترجمہ: میرے خدا نے بے حیائی کے کاموں کو حرام کر دیا ہے۔ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ ہوں اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کرنے کو اور جس بات کو کہ تم کسی کو خدا کا شریک قرار دو۔ جس کی اس نے کوئی سند نہیں اتاری اور یہ کہ بغیر سوچے سمجھے خدا پر بہتان باندھو۔

۳۔ فعل ممنوع کو حلال نہیں کہنا جیسے:

☆ ''وَلَا یَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّاۤ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ شَیْـًٔا اِلَّاۤ اَنْ یَّخَافَاۤ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ'' (۲۲۹۔البقرۃ ۲)

ترجمہ: تمہارے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ جو کچھ تم نے عورتوں کو دیا ہے اس میں سے کچھ لے لو۔ بجز اس صورت کے کہ یہاں میاں بیوی دونوں کو یہ خوف ہو کہ وہ حدود خداوندی کو قائم نہ رکھیں گے۔

۴۔ صیغۂ نہی (فعل مضارع کا، جس کے پہلے 'لائے نہی' ہو) سے یا ایسے فعل امر کا جس سے ممانعت مقصود ہو۔ مثلاً ''دع'' و ''ذر'' کا استعمال کرنا مثلاً

☆ ''وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ'' (۱۵۲:الانعام ۶)

ترجمہ: اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ بجز اس طریقہ کے جو عمدہ ہو!

☆ ''وَ ذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ بَاطِنَهٗ'' (۱۲۰:الانعام ۶)

ترجمہ: کھلے اور پوشیدہ گناہوں کو چھوڑ دو۔

۵۔ فعل ممنوع سے نیکی کی نفی کرنا:

☆ ''لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ''(۱۷۷:البقرۃ۲)

ترجمہ: یہ نیکی نہیں ہے کہ اپنے چہروں کو مشرق ومغرب کی طرف پھیرو۔

۶۔ فعل ممنوع کی نفی کرنا:

☆ ''فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَ لَا فُسُوْقَ وَ لَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ''

ترجمہ: تو جو شخص ان مہینوں میں حج ادا کرے تو حج میں نہ تو شہوت کی بات ہے نہ گناہ کی نہ لڑائی کی۔ (۱۹۷:البقرۃ۲)

☆ ''لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ'' (۲۳۳:البقرۃ۲)

ترجمہ: ماں کو اس بچہ کی وجہ سے نقصان نہ پہنچایا جائے نہ اس کو جس کا بچہ ہے۔اس بچہ کی وجہ سے نقصان پہنچایا جائے۔

۷۔ گناہ کے استحقاق کے ساتھ ملا کر فعل ممنوع کا ذکر کرنا مثلاً:

☆ ''فَمَنْ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ''(۱۸۱:البقرۃ۲)

ترجمہ: جو وصیت سن کر اس کو بدل دے تو اس کا گناہ انہیں لوگوں پر ہے جو وصیت کو بدل دیں!

۸۔ فعل ممنوع کو عذاب کی وعید کے ساتھ ملا کر ذکر کرنا جیسے:

☆ ''وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ''(۳۴:التوبۃ۹)

ترجمہ: اور جو لوگ سونے و چاندی کو جمع کرتے ہیں اور ان کو خدا کے راستہ میں صرف نہیں کرتے تو ان کو دردانگیز عذاب کی وعید دو۔

۹۔ فعل ممنوع کے وصف میں ''شر'' کا لفظ استعمال کرنا جیسے:

☆ ''وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ

هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ'' (۱۸۰:آل عمران ۳)

ترجمہ: جو لوگ اس فضل کے ساتھ جس کا خدا نے ان کو دیا ہے بخل کرتے ہیں یہ گمان کریں کہ وہ ان کے لیے بہتر ہے بلکہ وہ ان کے لیے بدتر ہے۔

قرآن مجید میں بعض ایسے اوامر بھی ہیں جن کے کرنے یا نہ کرنے کا مکلّف کو اختیار ہے۔ان کو بھی مختلف طریقوں سے ظاہر فرمایا ہے۔

ا۔حلت کی اسناد اس فعل کی طرف کرنا یا اس کو اس کے ساتھ متعلق کرنا۔جیسے:

☆ ''اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَ طَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَ طَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ'' (۵:المائدة ۵)

ترجمہ: آج کے دن تمہارے لیے کھانے کی پاک چیزیں حلال کر دی گئیں اور ان لوگوں کا ذبیحہ جن کو کتاب دی گئی تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارے ذبیحہ ان کے لیے حلال ہے۔

☆ ''يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَ مَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ'' (۴:المائدة ۵)

ترجمہ: لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے کیا کیا حلال کیا گیا تو ان سے کہہ دو کہ کھانے کی پاک چیزیں تمہارے لیے حلال ہیں۔شکاری جانور کا شکار جو تم نے سدھا رکھا ہے۔

۲۔فعل کے کرنے پر گناہ کی نفی کرنا جیسے:

☆ ''فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ'' (۱۷۳:البقرة ۲)

ترجمہ: جو بے قرار ہو جائے اور عدول حکم اور حد سے بڑھ جانے والا نہ ہو اس پر کوئی گناہ نہیں!

☆ ''فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ وَ مَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ''

ترجمہ: پھر جو شخص جلدی کرے اور اسی دن میں چل کھڑا ہو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں ہے۔پھر جو شخص دیر تک ٹھہرا رہے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں ہے۔ (۲۰۳:البقرة ۲)

یہ رعایت ان کے لیے جو پرہیزگاری کریں۔

۳۔ فعل کے کرنے پر گناہ کی نفی لفظ "جُنَاحَ" سے کرنا جیسے:

☆ "اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا" (۲:البقرۃ:۱۵۸)

ترجمہ: صفا و مروہ خدا کے شعائر ہیں۔ تو جو شخص خانہ کعبہ کا حج کرے یا عمرہ کرے اس پر یہ گناہ کی بات نہیں کہ ان دونوں کا طواف کرے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اوامر ونواہی کی اور بھی متعدد اقسام بیان فرمانے کے بعد پھر یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ان احکام خداوندی کی وضاحت بجز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناممکن ہے اور یہ کہ حدیث صحیح کا قرآن سے کیا رابطہ ہے۔

اللہ ربّ العزت کا فرمان ہے:

☆ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

ترجمہ: خدا کی وہ ذات ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں انہیں میں سے ایک رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھیجا جو اللہ کی آیتیں سناتا ہے اور ان کو پاک صاف کرتا ہے۔ اور کتاب وحکمت سکھاتا ہے اور وہ اس سے پہلے گمراہی میں تھے۔ (۶۲:الجمعۃ:۲)

اس آیت میں تین باتوں کا تذکرہ ہے:

(۱) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے احکام یا آیات پڑھ کر لوگوں کو سناتے ہیں۔

(۲) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سننے والوں کو شرک اور دیگر غلاظتوں سے پاک کرتے ہیں۔

(۳) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔

اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرض محض وحی خداوندی کو پڑھ کر دوسروں کو سنانا ہوتا اور صرف اس پر اس کا فرض تبلیغ ختم ہو جاتا تو آخری حکم یعنی تعلیم کتاب وحکمت کیا معنی رکھتا ہے۔ اس لیے اس کی وضاحت یہ ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کو جو علم حاصل ہوتا ہے اس کی دو اقسام ہیں۔ ایک وحی حقیقی یعنی وہ علم جس کو خدائے لم یزل وقتاً فوقتاً ان پر نازل فرماتا ہے۔ جس کے مجموعے کو کتاب الٰہی۔ صحیفہ ربانی یا قرآن مجید کہا جاتا ہے۔ دوسرا وہ علم جو پیغمبر علیہ السلام کے تکملہ نبوت نور نبوت یا فہم

نبوت کا نتیجہ ہوتا ہے۔

پہلا علم اصلی اور دوسرا ضمنی ہے۔ علم اول شریعت غیر متبدل اور ازلی احکام کلیہ اور مبہمات کو واضح کرتا ہے اور دوسرا علم پہلے علم کے اصول کلیہ کے تحت اس کے مقصودِ اصلی کی وضاحت اور اس کے جزئیات کی تفصیل کرتا ہے اور غیر اہم ومتبدل امور کے متعلق ہنگامی اوقات میں مصلحت کے احکام بھی نافذ کرتا ہے۔ اس کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات عالی کی تین اقسام ہیں:

(۱) وہ جو بعینہ قرآن مجید میں موجود ہیں۔

(۲) وہ جو قرآن مجید کے مجمل احکام کی تشریح ہیں۔

(۳) وہ جن کا ذکر بظاہر قرآن مجید میں تفصیلاً ہے نہ اجمالاً۔

پھر فرماتے ہیں کہ خدا نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کلیتاً فرض کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی حکم ایسا نہیں دیا جس کی کچھ نہ کچھ اصل قرآن میں نہ ہو۔

تمام احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو بصحت سند ہو جائیں وہ القاء فی الروع ہیں۔ یعنی خدا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب عالی میں وہ باتیں ڈال دی تھیں اور یہی حکمت ہے۔ جب کوئی واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش آتا اور وحی نہ ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اجتہاد فرما کر حکم صادر فرماتے تھے۔ وہ امت کے لیے واجب العمل اور ہر لغزش اور غلطی سے پاک ومنزہ ہے۔ اس لیے امور رسالت اور امور دین میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رائے کبھی غلط نہیں ہو سکتی۔ پھر فرماتے ہیں۔ میرے ماں باپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فدا ہو جائیں۔ پیغمبرانہ اجتہاد ورائے، علم کا وہ کوثر ہے جس کے سوتے دل کے سرچشمہ سے بہہ نکلتے ہیں وہ الہام الٰہی، القائے ربانی، فہم رسالت ملکہ نبوت اور حکمت خداوندی سے ماخوذ ہو کر نمودار ہوتے ہیں اسی لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اے لوگو! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رائے عالی غلطی سے پاک تھی۔ چونکہ اللہ عزوجل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ رائے دکھاتا تھا اور ہماری رائے ہمارا گمان اور یعنی از خود کہنا ہے''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ استنباط قرآن مجید سے کیا ہے:

☆ ''اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ''

ترجمہ: ہم نے تجھ پر کتاب سچائی کے ساتھ اتاری تاکہ لوگوں کے درمیان جو اللہ تم

فیصلہ کرو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا ہے۔(۱۰۵:النساء ۴)

میں تم لوگوں کے مابین اس مسئلہ میں جس کی نسبت مجھ پر وحی نہیں آتی اپنی رائے سے فیصلہ کرتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں جس شریعت کو لے کر تشریف لائے۔ وہ آخری اور ابدی ہے۔ ایسی آخری اور ابدی شریعت کے لیے یہ لازمی وضروری تھا کہ وہ زیادہ اور شریعت کے اصول کلی پر دے۔ اس لیے اس اخری وحی الٰہی نے اپنی کتاب مقدس قرآن کو اصول وکلیات تک محدود رکھا اور جزئیات کے لیے اپنی آیتوں میں ایسے اشارے رکھے جن کے سہارے سے وہ دل جو علم و معرفت سے پرنور اور علم وحکمت سے معمور اور شرح صدر وتائید ربانی سے فیضاب ہوں وہ زمانہ کے لحاظ سے ان جزئیات سے غور کریں۔

ہمارے لیے نقش اوّل ذاتِ گرامی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رائے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل، ہر خطا ولغزش سے محفوظ ومصئون ہے۔ اس لیے اس منصب کے نتائج بھی ہر خطا سے محفوظ ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے توسل سے یہ رُتبہ خلفائے راشدین، اکابر صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور علماء اعلام کو ہمیشہ سے ملتا چلا آرہا ہے اور چلا جائے گا۔ اسی کا اصطلاحی نام اجتہاد ہے۔ (سیرت امام شافعی ص ۸۔۱۵۵)

مسند الامام الشافعی (کتاب السنن)

یہ ان احادیث مرفوعہ کا مجموعہ ہے۔ جنہیں خود امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنے شاگردوں کے روبرو سند کے ساتھ بیان فرمایا کرتے تھے اور روایت کیا کرتے تھے اور ان حدیثوں میں سے جو حدیثیں ابوالعباس محمد بن یعقوب الاصم نے ربیع بن سلیمان مرادی سے سن کر کتاب الام اور مبسوط کے ضمن میں جمع کی تھیں۔ یہاں انہیں ایک جگہ جمع کر کے مسند امام شافعی نام رکھ دیا ہے اور ربیع بن سلیمان نے جو امام شافعی کے بلاواسطہ شاگرد ہیں۔ تمام حدیثوں کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے۔ البتہ جزو اول کی چار حدیثوں کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے بواسطہ بویطی کے روایت کیا ہے اور جامع و ملتفظ کی حدیثوں کو ایک شخص نے جو نیشاپور کر رہنے والے ہیں اور جن کا نام ابوجعفر محمد بن مطر ہے۔ ابواب ام اور مبسوط سے انتخاب کر کے جدا لکھا اور چونکہ یہ سب ابوالعباس الاصم کا جمع کردہ تھا۔ اسی وجہ سے اسے مسند شافعی لکھتے ہیں۔

بعض کا یہ قول ہے کہ خود ابوالعباس نے ان احادیث کو انتخاب کیا ہے۔ وہ محمد بن مطر صرف کاتب تھے۔ بہر حال وہ مسند نہ مسانید ہی کی ترتیب پر ہے۔ نہ ابواب کی بلکہ کیف ما اتفق

انتخاب کر کے جدا لکھا گیا اور اس وجہ سے اس کے اکثر موقعوں میں بہت تکرار واقع ہوئی ہے۔ (بُستان المحدثین ص ۵۴) مسند الشافعی کے ۶۸ ابواب اور تعداد احادیث ۱۷۷۹ ہے۔ یہ نسخہ دار الکتب العلمیہ بیروت (لبنان) کے مطابق ہے جو ۱۹۸۰ء میں چھپا تھا۔

حاجی خلیفہ لکھتے ہیں کہ ابن عبداللہ علم الدین جلولی نے اس کو مرتب کیا ہے اور ایک بڑی جماعت نے اس کی شرحیں لکھی ہیں جن میں ابن اثیر الجزری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۰۶ھ) کی شرح کتاب شافی العینی فی شرح مسند الشافعی پانچ جلدوں میں، علامہ رافعی قزوینی (المتوفی ۶۲۳ھ) کی الشرح الکبیر دو جلدوں میں اور حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی شرح مسند الشافعی مشہور ہے۔ شیخ زین الدین حلبی رحمۃ اللہ علیہ نے "المنتخب المرضی من مسندالشافعی" کے نام سے اس کا انتخاب کیا ہے۔ (کشف الظنون جلد ۲ ص ۴۳۲ ومقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۲۷)

مسند امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا پہلا باب "اخرج من کتاب الوضوء" ہے اور اس کی پہلی حدیث:

اخبرنا الامام ابو عبدالله محمد بن ادريس الشافعي اخبرنا مالك بن انس عن صفوان بن سليم عن سعيد عن سلمة رجل من ال ابن الازرق ان المغيرة بن ابى بردة وهومن بنى عبدالدار اخبره انه سمع ابا هريره يقول سأل رجل رسول الله فقال يا رسول الله انا نركب البحرو نحمل معنا القليل من الماء فأن تو ضأ نابه عطشنا فنتوضا بماء البحر فقال رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم هو الطهور ماء ه و الحل ميتته'

ترجمہ: امام ابوعبداللہ محمد بن ادریس الشافعی، مالک بن انس، صفوان بن سلیم، سعید، سلمہ (ال ابن الازرق کا فرد) المغیر ہ بن ابی بردہ (بنی عبدلدار کا فرد) نے خبر دی کہ اس نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماعت کی کہ فرمایا ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کرتے ہوئے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تحقیق ہم سمندر کا سفر کرتے ہیں اور اپنے ساتھ تھوڑا سا پانی رکھ لیتے ہیں۔ پس اگر اس قلیل پانی سے ہم وضو کریں تو ہم پیاسے رہ جائیں (یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیا ہم سمندری پانی سے وضو کر سکتے ہیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ (اس میں شبہ ہی کیا ہے) اس

(سمندر) کا پانی پاک ہے اور اس کا مردار حلال ہے۔(۱)

مسند الشافعی کا آخری باب" ومن کتاب اختلاف علی و عبداللہ مما لم یسمع الربیع من الشافعی" ہے اور آخری حدیث یہ ہے۔

☆ اخبرنا ابن عیینة عن منصور عن ابی وائل عن مسروق عن عبداللہ انه النبی علی الصفا فی عمرة بعدما طاف بالبیت واللہ اعلم:

ترجمہ: ابن عیینة، منصور، ابی وائل، مسروق، عبداللہ، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب بیت اللہ کا طواف کیا تو عمرہ میں صفا پر تھے اور اللہ زیادہ علم والا ہے۔

کتاب الرسالہ

اس کا پورا نام کتاب الرسالۃ فی اصول الفقہ والحدیث ہے۔ یہ کتاب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے عبدالرحمٰن بن مہدی کی استدعا پر تصنیف کی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی سب سے پہلی تصنیف یہی ہے۔ امام صاحب کی یہ کتاب اصول حدیث اور فقہ میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب مناقب الامام شافعی میں لکھتے ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی حیثیت اصول فقہ میں ایسی ہے جیسے منطق میں ارسطو کی اور عروض میں خلیل بن احمد کی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس اعتبار سے ائمہ ثلاثہ سے ممتاز نظر آتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کے ذریعے ایک مخصوص طرز فکر کی بنیاد رکھی جس نے آنے والے زمانہ میں فقہ اسلام کے ارتقاء میں بنیادی کردار ادا کیا۔ اس کتاب میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن و سنت کو اسلامی قانون کا ماخذ قرار دیا ہے۔ امام صاحب لکھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیثیت ایک شارح کی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلے ایک الہامی حیثیت رکھتے ہیں۔ نیز احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن کے تکملہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ (کتاب الرسالہ اردو ص ۶/ سیرۃ ائمہ اربعہ ص ۲-۳۱)

یہ کتاب اصول فقہ میں ہے۔ امام الجرح والتعدیل عبدالرحمٰن ابن مہدی نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ درخواست کی تھی کہ ایک ایسی کتاب تصنیف کیجئے جس میں کائنات وسنت اور

۱۔(سنن ابی داؤد، کتاب الطھارۃ، رقم الحدیث 83، سنن الترمذی، رقم الحدیث 69، سنن ابن ماجه، رقم الحدیث 386، مسند احمد 361/2، مسند الشافعی 16/1، مصنف ابن ابی شیبه 131/10، المستدرك للحاكم 140/1)

اجماع و قیاس سے استدلال کے شرائط ناسخ و منسوخ اور عموم و خصوص کے مراتب کا بیان ہو۔ اس فرمائش پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب ''الرسالہ'' تصنیف فرمائی۔ ائمہ اہل عصر اس کتاب کو پڑھا کرتے اور حیرت و مسرت سے معمور ہو جاتے اور اسے عبدالرحمٰن بن مہدی کے پاس بھیجا۔ انہوں نے پڑھ کر بے ساختہ فرمایا۔ ماظننت ان اللہ خلق مثل ھذا الرجل نیز وہ کہا کرتے تھے کہ میں ہر نماز کے بعد امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے دعا کرتا ہوں۔ صاحب انجم کتاب ''الرسالہ'' کے متعلق لکھتے ہیں ھو اول کتاب الف فی ھذا العلم۔ اس کا پہلا ایڈیشن مصر سے ۱۳۱۰ھ میں شائع ہوا۔ امام صاحب کے تلامذہ کی ایک بڑی تعداد نے اس کتاب کی شرح لکھی ہے۔ اس کے شارحین میں ابوبکر محمد بن عبداللہ الشیبانی (المتوفی ۳۸۸ھ) کے نام مشہور و ممتاز ہیں۔

کتاب الاُم

وجہ تالیف:

جب مذہب مالکی اور حنفی شائع ہو چکے اس کے اصول و فروع مرتب ہو چکے تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا نشو و نما ہوا۔ انہوں نے متقدمین کی روشوں میں جب غور و خوض کیا تو بہت سے ایسے امور پائے جن کی وجہ سے وہ متقدمین کے طریقوں کا اتباع نہ کر سکے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ان طریقوں کو کتاب الام کے اوائل میں ذکر کیا۔ (حجۃ اللہ البالغہ ص ۲۳۵)

امام بیہقی فرماتے ہیں۔ امام شافعی نے صحیح احادیث و آثار کے علم کے بعد اپنے قول و قدیم سے رجوع فرما کر طریقہ جدید کو مرتب فرمایا ہے۔ ایسے مسائل کا علم امام احمد بن حنبل و امام حمیدی، ربیع بن سلیمان مرادی، امام بویطی، امام مزنی، امام حرملہ رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو تھا اور یہ افراد اپنے سارے شاگردوں کو امام کی یہ وصیت پہنچاتے رہے کہ اگر کبھی کوئی صحیح حدیث آپ کے قول کے معارض مل جائے تو وہی آپ کا مذہب ہے۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ ابوطاہر مدنی سے امام صاحب کے رسالہ اصول و حدیث و فقہ ''کتاب الاُم'' کو شروع سے آخر تک پڑھا اور استنباط مسائل میں شاہ صاحب کے پیش نظر ہمیشہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اصول پر رہے۔ شاہ صاحب نے انصاف، عقد جید، حجۃ اللہ البالغہ اور مصفّٰی و مسوّٰی میں جگہ جگہ اس کی وضاحت کی ہے۔ کتاب الام کی ضخامت تقریباً چار ہزار صفحات ہے۔

مصر میں کتاب الام سات جلدوں میں ۱۳۲۱ھ میں بار ثانی شائع ہوئی ہے۔ حافظ ابن

حجر رحمۃ اللہ علیہ نے جس قدر ابواب کی تصریح فرمائی ہے۔اس کے علاوہ مطبع مصر نے اس کے حاشیہ پر اور کچھ اس کے ساتھ یہ کتابیں بھی چھاپ دی ہیں۔

کتاب الام جس کے ابواب یہ ہیں:

طہارات، الصلوٰۃ بشمول صلوٰۃ الجمعہ، صلوٰۃ الخوف، صلوٰۃ عید، صلوٰۃ کسوف، صلوٰۃ استسقا، نوافل، تارک نماز کا حکم، نماز جنازہ، زکوٰۃ وصدقات کی اقسام، روزہ، اعتکاف، حج کے احکام، کتاب البیوع، صرف، بیع سلم، رہن کبیر، حجر وتفلیس تمام، معاملات وصایا، فرائض احیاء اموات، ودیعۃ یا امانت، لقطہ، کتاب النکاح اور اس کے متعلقات، جنایات، کتاب قتال، اہل بغی، کتاب الجہاد، سیر الاوزاعی، سیر الواقد، کتاب الاطعمہ، کتاب الاشربہ، کتاب الضحایا، کتاب الصید والذبائح، قضا بالیمین والشاہد، کتاب الدعویٰ والبیات، کتاب الاقضیہ، کتاب الایمان والنذور کتاب العتق، کتاب الشرد، کتاب الام کے عنوانات تقریباً ۱۴۰ ہیں۔

(سیرت امام شافعی ص ۱۰۳-۱۰۲)

الحجۃ، المبسوط، القدیم اور الاُم ایک ہیں:

ابوزہرہ مصری کی تحقیق کے مطابق جب بغداد میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتابوں کا چرچا کیا اور اپنے تلامذہ سے ان کی قرأت کرائی۔ان کے راویوں میں زعفرانی اور کرابیسی خاص طور پر مشہور ہیں۔عراق میں فقہ وفروع پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتاب الحجۃ بھی لکھی۔ملا کاتب چلپی نے اس کتاب کے بارے میں لکھا ہے:"یہ ایک بہت بڑی اور ضخیم کتاب تھی جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے عراق میں لکھی اور جب ان کے مذہب کے سلسلہ میں مطلق طور پر"القدیم" کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس سے مراد بھی الحجۃ ہوتی ہے۔"

ابن ندیم نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک اور کتاب "المبسوط" کا ذکر بھی کیا ہے جو زعفرانی سے مروی ہے۔سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا الحجۃ اور المبسوط ایک ہی کتاب کے دو نام ہیں؟ تمحیص وتحقیق کے بعد ہم جس نتیجہ پر پہنچے ہیں یہ ہے کہ کتاب الحجۃ جسے ملا کاتب چلپی القدیم قرار دیتے ہیں اور جسے ابن ندیم نے اپنی الفہرس میں المبسوط قرار دیا ہے یہ درحقیقت وہ کتاب ہے جو"الام" کے نام سے اب معروف ہے۔قیام مصر کے بعد امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کافی تغیر وتبدل اور اضافہ وحذف کے بعد از سرنو مرتب کیا اور پھر یہ"الام" کے نام سے معروف ہوئی۔(امام شافعی ص ۲۹۰) یا پھر الحجۃ المبسوط، القدیم تینوں کتب کا مواد الام میں ضم ہے۔

کتاب الأم کی نوعیت:

یہ کتاب الام جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ہے اس کی نوعیت کیا ہے؟ کیا یہ کتاب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے خود اپنے قلم سے لکھی؟ یا اپنے شاگردوں کو املا کروائی؟ کیا ایسا تو نہیں ہے کہ یہ کتاب اقوال امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت ہو؟

کتاب الأم بویطی کی لکھی ہوئی ہے:

عام طور پر یہ ہی گمان کیا جاتا ہے کہ یہ کتاب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ جسے یا تو انہوں نے بذات خود لکھا ہے یا املا کروایا ہے۔ یہی بات تواتر و تسلسل کے ساتھ کتابوں میں نقل در نقل ہوتی چلی آرہی ہے اور سلف سے خلف تک بغیر علماء اُسے مانتے چلے آئیں ہیں۔ کسی کو بھی اس سے اختلاف نہیں ہے لیکن تصوف کی ایک کتاب ''قوت القلوب'' میں جو باب ''اخوت'' کے متعلق ہے۔ اس سے اس خیال عام کی نفی ہوتی ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کے اصل مصنف بویطی ہیں۔ جنہوں نے یہ ربیع بن سلیمان مرادی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ کر دی۔ اس سلسلہ میں اصل کتاب کی عبارت یہ ہے کہ جو ابو طالب نے ''قوت القلوب'' میں لکھی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن الحکم المصری کو اپنا بھائی بنالیا تھا۔ جنہیں بہت پیار کرتے اور جن سے غیر معمولی محبت کرتے ہیں۔ وہ اکثر فرمایا کرتے تھے۔ مصر میں محمد بن الحکم کی وجہ سے میں ٹھہرا ہوا ہوں۔ ایک مرتبہ محمد بن الحکم بیمار بیمار پڑے تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ان کی عیادت کے لیے گئے۔ مجھ سے قرشی نے اور ان سے ربیع رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جب محمد بن الحکم کی عیادت کے لیے گئے تو یہ اشعار ان کی زبان پر تھے۔

ترجمہ: میرا حبیب بیمار پڑ گیا۔ میں اس کی عیادت کے لیے گیا اس کی بیماری کی تشویش اور صدمہ نے خود مجھے بیمار ڈال دیا۔ پھر میرا حبیب میری عیادت کے لیے میرے پاس آیا اور جیسے ہی میں نے اسے دیکھا فوراً تندرست ہو گیا۔

باشندگان مصر کو یقین کامل تھا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنا جانشین محمد بن الحکم ہی کو بنائیں گے اور لوگوں کو ہدایت کریں گے کہ انہیں سے رجوع کیا کریں یہاں تک کہ دوران علالت میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا اے ابو عبداللہ آپ کی وفات کے بعد ہم کس کے حضور میں حاضر ہوا کریں؟ کون صاحب حلقہ ہوگا؟ سوال کرنے والوں کا خیال تھا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، محمد بن الحکم

کا نام لیں گے اور ان کے بارے میں ہدایت کریں گے۔ اس موقع پر محمد بن الحکم، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے سرہانے بیٹھے ہوئے تھے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں کہا۔ سبحان اللہ یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟ میرا جانشین !ابو یعقوب بویطی رحمۃ اللہ علیہ کے سوا کون ہوسکتا ہے۔ یہ بات محمد بن الحکم کو گراں گزری اور اسے انہوں نے دل میں لے لیا اس گفتگو کے بعد اصحاب شافعی بویطی کی طرف راغب ہو گئے۔ حالانکہ محمد بن الحکم، علم شافعی اور فقہ شافعی کے عامل تھے اور اسی لیے مذہب مالک انہوں ترک کر دیا تھا۔ امام بویطی رحمۃ اللہ علیہ زاہد اور متقی شخص تھے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں دین اور مسلمین کے لیے نصیحت کی اور اس معاملہ میں کسی مداہنت سے کام نہیں لیا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد محمد بن الحکم نے مذہب شافعی ترک کر دیا اور اصحاب شافعی سے رسم وراہ چھوڑ دیا اور مذہب مالک پر واپس آ گئے اور اپنے والد کی کتابوں کی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرنے لگے اور فقہ مالک میں غیر معمولی عبور حاصل کر لیا۔ یہاں تک کہ کبار اصحاب مالک میں شمار ہونے لگے۔

امام بویطی رحمۃ اللہ علیہ کا دل کچھ ایسا بجھا کہ بویطہ میں جو مصر کا ایک مقام ہے خانہ نشین ہو گئے اور یہیں بیٹھ کر انہوں نے کتاب الام تصنیف کی جو کہ اَب ربیع بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہے۔ حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ اس کتاب کے جامع بویطی رحمۃ اللہ علیہ ہیں لیکن انہوں نے اس کا چرچا نہیں کیا اور یہ اپنی محنت ربیع رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ کر دی۔ جس میں انہوں نے کافی اضافہ کیا۔ لوگوں نے اس سے اس کی سماعت کی۔ پھر بویطی رحمۃ اللہ علیہ کا دور ابتلا شروع ہوا۔ وہ سلطان کے سامنے پیش کیے گئے اور مسئلہ خلق قرآن کے سلسلہ میں وہ نذرِ زندان کر دیے گئے۔

ربیع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جیل سے بویطی رحمۃ اللہ علیہ مجھے خط لکھا کرتے تھے اور انعقاد ومجالس پر اکسایا کرتے تھے اور علم پر مواظبت کی تاکید کرتے تھے اور متعلقین کے ساتھ نیک اور اچھے برتاؤ کی ہدایت کیا کرتے تھے کہ ان سے حسن سلوک کے ساتھ پیش آیا جائے۔ ان کے سوالات کا جواب خندہ پیشانی سے دیا جائے۔ (قوت القلوب جلد ۴ ص ۱۳۵)

ابو طالب مکی کا الأم کے بارے میں خیال:

ابو طالب مکی کی عبارت جو سطور بالا میں نقل ہوئی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی سے دوستی اور ربط ضبط کے معنیٰ یہ نہیں ہیں کہ وہ دین کی محبت پر غالب آجائے۔ پھر ابو طالب مکی نے بویطی رحمۃ اللہ علیہ کے زہد وتقویٰ کا ذکر کیا ہے۔ جو نزاعات تصوف کی ایک بڑی کڑی ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ابو طالب مکی کے کلام سے ہم یہ نتیجہ اخذ کریں کہ ابو طالب مکی طریقِ ربیع سے کتاب الام کی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف نسبت میں طعن کرتے ہیں؟ اور یہ کہ ان کا طعن دوسرے کی توثیق سے مقدم ہے؟ کیوں کہ علماء کا خیال یہی ہے کہ کتاب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔

خلاصہ کلام:

ان تمام باتوں کے باوجود ''الام'' کا پڑھنے والا اگر ذوق ادب سے محروم نہیں ہے۔ تو اس کی بلیغ عبارت دیکھ کر کہہ اٹھے گا کہ یہ بیان دل نشین یہ فصیح و بلیغ عبارت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے سوا کسی کی نہیں ہو سکتی۔

اس کے علاوہ وہ ''الام'' کی عبارتوں کا اگر ان کتابوں سے موازنہ کیا جائے جو اجماعی طور پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ہیں تو معلوم ہوگا کہ ان کا اور الام کا اسلوب تحریر اور انداز نگارش بالکل یکساں ہے اور وہ معمولی سا اختلاف جو کہیں کہیں قوت بیان کے سلسلہ میں نظر آتا ہے وہ اختلاف موضوع کے سبب ہے۔ دوسرے یہ کہ صاحب قلم اصحاب کے طرز نگارش میں قوت وضعف کے لحاظ سے اختلاف اسلوب ہوا ہی کرتا ہے۔ اگر چہ روح واحد ہوتی ہے اور یہ اختلاف اسلوب پر مبنی ہوتا ہے سمجھنے والے کی ذہنی کیفیت، راحت وتعصب، قوت وضعف اور صحت وعلالت پر بہر حال یہ بات شک وشبہ سے بالا ہے کہ ربیع رحمۃ اللہ علیہ ہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی کتب جدید کے راوی ہیں۔ بغیر کسی نزاع کے علماء کا اس امر پر اجماع ہے کہ کتاب الام میں جو آراء درج ہیں وہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں اور مذہب شافعی میں اس کتاب کو حجت اولیٰ کی حیثیت حاصل ہے۔ (امام شافعی ص ۳۱۰-۳۰۴)

کتاب الاسلام:

یہ کتاب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب جدید کی اہم تصنیف ہے۔ امام الحرمین کا خیال ہے کہ یہ امام صاحب کی قدیم کتابوں میں ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیوں کہ اس کی روایت ربیع بن سلیمان المرادی رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے۔ جو مصری ہیں۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۱۰ ص ۲۵۲) یہ کتاب پندرہ جلدوں میں ہے۔ جس کی کتب (ابواب واجزاء) کی تعداد مجموعی طور پر ایک سو پچاس ہے۔ (کشف الظنون جلد ۲ ص ۲۵۲) کتاب الطہارۃ سے آغاز ہوا ہے۔

(سیر الصحابہ)

دیوان امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

دیوان شافعی، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی مستقل تصنیف ہے۔ جس میں انہوں نے مختلف عنوانات کے تحت اپنا کلام مرتب کیا۔ دیوان الشافعی کے عنوانات حسب ذیل ہیں:

(1) عمر الانسان
(2) دع الایام تفعل ماتشاء
(3) لا تهزاء بالدعا
(4) حب النساء
(5) خالف هواك
(6) حق الاديب
(7) هكذا الحظ
(8) الشيب نذير الفنا
(9) الحلم سيد الاخلاق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
(10) غنى بلامال
(11) سوء الا نصاف
(12) نبوة الكواكب الكاذبة
(13) انت حسبى
(14) الغرطفل صغير
(15) دع الاوطان واغترب
(16) سأضرب فى طول البلاد وعرضها
(17) خلق الرجال
(18) اخلاق المسلم
(19) آل رسول الله
(20) باعو الدين بالدنيا
(21) احدى المعيبات
(22) آداب العلم

(23) اصدقاء الحیاۃ

(24) المال یوجب البذل

(25) مکارم الاخلاق

(26) حقائق الاسلام

(27) هذه فی اخلاق الرجل

(28) حدیث الضعیف

(29) فرج اللہ قریب

(30) مااقترب الفرج

(31) الصمت حکمة

(32) المفتی المکی

(33) الفقیه والصوفی

(34) اخلاق الناس

(35) الموت سنة الحیاۃ

(36) دهری رخاء وشدۃ

(37) صحبة الناس

(38) المنایا فوق المهمات

(39) عفااللہ

(40) عداوۃ الحساد

(41) الفیظتنی لمکرمة

(42) الموت یطلبه

(43) کل من علیها فان

(44) عفو اللہ

(45) التفویض للہ

(46) الشعر

(47) تقوی اللہ

(48) فی الاسفار خمس فوائد

(49) محن الزمان

(50) حب الوالی

(51) جنان الخلد

(52) امطری لولوا

(53) شقاء وای شقاء

(54) امرفوق امری

(55) المرء خبیر بنفسه

(56) شوق الی مصر

(57) احذرمودة الناس

(58) المشكلات

(59) وحدی للعبادة

(60) الیقظة والحذر

(61) التماس العذر

(62) ایاك

(63) الدهریومان

(64) الصمت

(65) راض بما حكم الدهر

(66) نفس كبیرة

(67) مثل الحسام

(68) عادالهوان

(69) الصدیق والعدو

(70) اجل واكبر

(71) صدیقك عن من كل كان معك فی الشدائد

(72) رحمتك اللهم

(73) طریق الفجاة

(74) وقفة الحرباب نحس

(75) *شرف العلم*

(76) خلفائے رسول اللہ

(77) العلم نور

(78) اذالم تجوروا

(79) قف بالمحصب

(80) احب الصالحين

(81) ادب الفاصح

(82) الودع

(83) دعاء الى الله

(84) محال فى القياس

(85) المفتى المكى

(86) حذارمن الطمع

(87) الزل فى الطمع

(88) من هم الا صدقاء ؟

(89) امام لذكر فضل امام رحمة علىٰ امام المسلمين ابى حنيفه

(90) كيف الوصول الى سعاد

(91) ماضعف القوى واقوى الضعيف

(92) المتنسكون

(93) لامقام فى وطن بضام الحرفيه

(94) حلاوة العلم

(95) العقل والمال ضدان

(96) الاحمق من الناس

(97) خلق الناس المكران والملق

(98) الغريب

(99) توكلت على الله

(100) العقل وحد لا يغنى

(127) ليس اللشاميتين يوم

(128) ياهاتكا حرم الرجال

(129) قد بلوتك

(130) عزة الله العظمى

(131) الرجاء بسلم لعفو الله

(132) فضل العلم

(133) كيف ننال العلم؟

(134) صنت نفسى عن الهوان

(135) اهين لهم نفسى

(136) احفظ لسانك

(137) نعيب زماننا

(138) اصبحوا مثلا

(139) شيئة الله

(140) نصيحة غالية

(141) سوء الظن

(142) تركوا الدنيا

(143) عزاء

(144) فوادى من فوادك طالق

(145) ارجع الى رب العباد

(146) سهوت اعين

(147) امت مطا معى

(148) العلم يهدى

(149) الف سنة

(150) شوق الى غزة

(151) مداخل العلم

(152) المنة

(153) مرارة تعميل الجميل

(154) افضل العلوم

(155) جنون الجنون

(156) اهين نفسى

(157) حشوالكلام

(158) سأصبر

(159) الفقيه والسفيه

(160) حياة الا شراف وللئام

(161) حب علي وسبطيه وفاطمة رضی اللہ عنہم

(162) الاعراض عن الجاهل

(163) عين الرضاء كليلة

(فہرست مستعار دیوان شافعی ص ۱۲۷)

باب ٦

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ
بطور محدث خدمات

علم حدیث اور اس کے متعلقات میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے تبحر کا اعتراف خود ان کے اساتذہ کو بھی تھا اسی کا نتیجہ تھا کہ ان کتابوں کی سماعت کے لیے ان کے پاس بیک وقت سات، سات سو تشنگان علم کا ہجوم رہتا تھا۔ (الدیباج المذہب ص ٢٢٨)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے ناسخ و منسوخ حدیث کا پتہ اسی وقت چلا جب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور تعلیم حاصل کی۔ امام ابو حاتم رازی کا قول ہے۔ اگر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نہ ہوتے تو اصحاب حدیث تاریکی میں رہتے (مراۃ الجنان ٢:١٩) ایک اور بزرگ کا بیان ہے، مجھے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی کسی غلط حدیث کا علم نہیں (العبر فی خبر من غبر جلد ٤ ص ٣٤٤) صاحبِ "الروضات" نے لکھا ہے کہ بلاشبہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مختلف الحدیث کے بارے میں کلام کیا اور اس فن میں کتاب تصنیف کی۔ (روضات الجنات جلد ٤ ص ١٥٤) امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے، اصحاب حدیث ہمیشہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہی کی زبان میں کلام کریں گے۔ (توالی التاسیس ص ٥٤) مزید براں جو حدیث پر نقد کے اصول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے وضع کیے ہیں لامحالہ سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔

حدیث مرسل و مرسل خفی کا اصول:

مرسل: وہ حدیث جس کے آخرِ سند میں تابعی کے بعد انقطاع ہو اور راوی حذف ہو۔

(نزھۃ النظر ص ٤٣)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مرسل چند شرطوں کے ساتھ صحیح ہے۔ یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

اور بعض دوسرے اہل علم کے نزدیک ہے اور وہ شرطیں چار ہیں: تین کا تعلق ارسال کرنے والے راوی سے ہے اور ایک کا تعلق مرسل حدیث سے ہے۔ وہ شرطیں یہ ہیں۔

(۱) ارسال کرنے والا کبار تابعین میں سے ہو۔

(۲) اور جب ارسال کرنے والا جس سے ارسال کرتا ہے۔ اس کا نام ثقہ لے تو ثقہ کا نام لے!

(۳) جب اس کی مشارکت حافظ اور مامون راوی کریں تو اس کی مخالفت نہ کرتے ہوں۔

ایسے ہی ان تین شروط کے ساتھ درج ذیل صفات میں سے ایک صفت بھی ملی ہو۔

(۱) وہ حدیث ایک اور مسند طریق سے مروی ہو۔

(۲) یا وہ حدیث ایک اور مرسل طریق سے مروی ہو لیکن اسے مرسل وہ بیان کریں جنہوں نے پہلی مرسل حدیث کے رجال کے علاوہ دوسرے راویوں سے حصول علم کیا ہو۔

(۳) یا وہ حدیث صحابی کے قول کے موافق ہو۔

(۴) یا اس کے موافق اور مقتضی پر اکثر اہل علم نے فتویٰ دیا ہو۔

(۵) یا اس کے موافق اور مقتضی پر اکثر اہل علم نے عمل کیا ہو۔ (الرسالۃ للشافعی ص ۴۶۱)

مرسل خفی:

راوی اس سے حدیث بیان کرے جس سے اس کی ملاقات ہو یا اس کا ہم عصر ہو لیکن جو حدیث بیان کر رہا ہے۔ وہ اس سے نہیں سنی تاہم وہ ایسا لفظ بولتا ہے۔ جس میں سماع اور غیر سماع کا احتمال ہو جیسے قال وغیرہ۔ ارسال خفی کی پہچان تین امور میں سے ایک کے ذریعے ہوتی ہے۔

(ا) بعض ائمہ کا نص بیان کرنا کہ فلاں راوی جس سے بیان کر رہا ہے۔ اس سے اس کی ملاقات نہیں ہے۔ یا اس کا اس سے مطلقاً سماع ثابت نہیں ہے۔

(ب) وہ خود اپنے متعلق بتائے کہ میں جس سے حدیث بیان کر رہا ہوں اس سے ملاقات نہیں ہے۔ یا اس سے کچھ بھی نہیں سنا۔

(ج) یہی حدیث دوسری سند سے مروی ہو جس میں اس راوی عنہ کے درمیان ایک راوی کی زیادتی ہو۔ (تیسر مصطلح الحدیث ص ۸۳-۸۲)

اصول ناسخ ومنسوخ:

ناسخ کو منسوخ سے پہچاننے نے علماء کو تھکا دیا ہے اور عاجز کر دیا ہے اور اس میں اپنے

فن کا مظاہرہ کرنے والے مشہور ترین امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں انہوں نے اس میدان میں کافی مہارت اور پیش قدمی کی اور یدطولی حاصل کیا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ابن وارہ سے کہا جس وقت وہ مصر سے آیا تھا کیا تو نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب لکھی ہے؟ وہ کہنے لگا نہیں۔ کہا کہ تو نے تفریط سے کام لیا ہے۔ کیونکہ ہمیں مجمل اور مفسر اور ناسخ و منسوخ کا علم اس وقت ہوا جب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت اختیار کی۔

(تیسرہ مصطلح الحدیث ص ٦٠)

وضاحت کے لیے ابو زہرہ مصری یوں رقمطراز ہیں۔ اختلاف بین الاحادیث کی دوسری قسم یہ ہے کہ ناسخ کون ہے اور منسوخ کون۔ اس کی معرفت ہی نہ ہو۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس صورت مسئلہ کی بھی دو اقسام کرتے ہیں۔

(۱) یہ کہ مختلف فیہ حدیثوں میں تطبیق ممکن ہو اور اختلاف صرف ظاہر قول میں ہو معنی اور مقصد میں نہ ہو۔ پس اگر کسی طرح بھی تطبیق ممکن ہے تو پھر اس کو لیا جائے گا اور اختلاف کو اس وقت تک کوئی اہمیت نہیں دی جائے گی جب تک تطبیق کی کوئی بھی صورت ممکن ہے۔

(۲) اگر تطبیق کی کوئی صورت بھی ممکن نہ ہو۔ یعنی اختلاف صرف ظاہر قول میں نہ ہو اور بلکہ ظاہر اور باطن دونوں میں ہو اس سلسلے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے تین مسلک ہیں۔ دو مختلف المعنی حدیثوں کے مابین تقدم و تاخر فرض کیا جائے گا۔ متاخر حدیث متقدم حدیث کی ناسخ قرار دی جائے گی اور اس کے راوی کے بارے میں یہ سمجھا جائے گا کہ اسے ناسخ کا علم نہیں تھا۔ اس لیے روایت کر ڈالی۔ دو مختلف المعنی حدیثوں کی سند دیکھی جائے گی۔ جس حدیث کی سند قوی ہوگی وہ قبول کر لی جائے گی اور جس کی کمزور ہوگی وہ رد کر دی جائے گی۔ دو مختلف المعنیٰ حدیثوں میں جو حدیث کتاب اللہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ثابتہ سے زیادہ قریب ہوگی یا ایسے شواہد ہوں جو اس کے معنیٰ کی تائید قرآن یا سنت نبوی سے کرتے ہوں وہ قبول کر لی جائے گی۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس کے قائل ہی نہیں ہیں کہ کوئی دو حدیثیں ایسی بھی ہو سکتی ہیں جو مختلف المعنیٰ ہوں اور ان میں تطبیق نہ دی جا سکے یا ترجیح دینا ممکن نہ ہو یا ناسخ اور منسوخ کی معرفت نہ ہو سکے۔ (امام شافعی ص ۹۔ ۳۲۸) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی اس مد میں تشریح یوں بھی کی جا سکتی ہے۔

(۱) یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہ نفس یہ ارشاد فرمایا ہو کہ پہلے میرا یہ حکم تھا اور اب میں یہ حکم

دیتا ہوں۔

(۲) بصحت سند اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ مروی ہو کہ ابتدا ہم کو یہ حکم دیا گیا تھا۔ ازاں بعد یہ دوسرا حکم دیا گیا۔

(۳) یہ کہ تاریخ یا سنہ حکم اول اور تاریخ یا سنہ حکم ثانی معلوم۔

(۴) یہ کہ امت کا اس پر اجماع ہو۔ نسخ کے سلسلہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی مزید اہم تفصیلات یہاں قلمبند کی جاتی ہیں۔

نسخ کے حدود و قیود:

بہر حال مختصر طور پر یوں سمجھنا چاہیے کہ شریعت اسلامیہ میں چند مخصوص صورتوں میں ناسخ ثابت ہے۔ حدود نسخ ہم بیان کر چکے ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الرسالہ'' میں لکھا ہے۔ ''اللہ نے اپنی مخلوق پر کتاب اُتاری جس میں ہر بات موجود ہے۔ یہ کتاب ہدایت اور رحمت ہے۔ اس میں فرائض کا ذکر ہے جو اُس نے فرض کر دیئے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جنہیں اپنی مخلوق پر رحم کھا کر منسوخ فرما دیا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ تسلیم کرتے ہیں کہ کتاب صرف کتاب ہی کو منسوخ کر سکتی ہے۔ کیوں کہ ضروری ہے کہ ناسخ منسوخ سے مماثل ہو چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔ قرآن ہی قرآن کو منسوخ کر سکتا ہے۔ کیونکہ قرآن کا مثل اور کوئی نہیں۔ حدیث خواہ کسی نوعیت کی بھی ہو قرآن کی ناسخ نہیں ہو سکتی۔

موقوف۔ منقطع، معلق اور تدلیس کی وضاحت:

موقوف۔ منقطع، معلق اور تدلیس کی وضاحت کے جو اصول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے وضع کیے ہیں۔ علوم حدیث میں ان کو اولیت حاصل ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلے اس اصول کو وضع کیا کہ ایسی روایتیں مرفوع متصل، صحیح الاسناد کے مقابلہ میں قطعاً ناقابل اعتبار ہیں علاوہ ازیں فن حدیث سے جن حضرات کو ذوق سلیم ہو اور بالخصوص امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے پیروکاروں پر لازم ہے کہ وہ ان تمام باتوں پر نظرِ غائر رکھیں کہ کس روایت میں ایسے راوی ہیں جن پر تدلیس کا الزام ہے تاکہ وہ صحیح اور ضعیف، موقوف منقطع کے فرق کو اچھی طرح سمجھ سکیں۔

(سیرت شافعی ص ۱۷۶)

موقوف : وہ قول، فعل یا سکوت جس کی اضافت صحابی رضی اللہ عنہ کی طرف ہو۔ (تیسر مصطلح ص ۱۳۲)

منقطع: وہ روایت جس کی سند متصل نہ ہو یہ انقطاع کسی بھی وجہ سے ہو۔ (تیسر مصطلح الحدیث ص ۷۳)
معلق: جسکی سند کے ابتداء سے ایک یا زیادہ راوی مسلسل حذف ہوں۔ (تیسر مصطلح الحدیث ص ۶۷)
تدلیس: سند میں عیب کو مخفی اور پوشیدہ رکھنا اور اس کے ظاہر کو اچھا یا حسین پیش کرنا۔ (ایضاً ص ۷۵)

خبر آحاد کی صراحت:

احادیث آحاد کے قبول کرنے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ راوی کے لیے بڑی دقیق شرائط عائد کرتے ہیں مثلاً؛

(۱) راوی کو اپنے دین میں ثقہ اور صدق قول میں معروف ہونا چاہیے۔ اس راوی کی حدیث ہرگز نہیں قبول کی جائے گی جس کا صدق معروف نہ ہو یا جو غیر معتمد ین ہو۔
(۲) راوی کو عقیل وفہیم بھی ہونا چاہیے جو حدیث وہ بیان کر رہا ہے اس کا مفہوم وہ اچھی طرح سمجھ رہا ہو۔
(۳) راوی ضابط بھی ہو۔ یعنی اس کا حافظہ قوی ہو اور جس حدیث کو وہ روایت کر رہا ہے۔ وہ اسے زبانی بھی یاد ہو۔
(۴) یہ بھی ضروری ہے کہ جس راوی سے حدیث کی روایت کر رہا ہے۔ اس سے خود اس نے بہ نفس نفیس سماعت کی ہو۔ ورنہ پھر وہ مدلس (تدلیس کرنے والا) قرار دیا جائے گا۔
(۵) اس علم کی احادیث سے حدیث مخالف ہو۔ (امام شافعی ص ۳۷۵)

حدیث کے ظاہری معنیٰ پر محمول:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حدیث ہمیشہ ظاہری معنیٰ پر محمول ہونی چاہیے اور جب اس میں متعدد معانیٰ کا احتمال ہو تو جو معنیٰ کلام عرب ومحاورات عرب کے مطابق ہوں گے وہ لیے جائیں گے۔

(سیرت شافعی ص ۱۸۴)

فن اسماء الرجال کا اصول:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جب چند احادیث متعارض ہوں تو ان میں یہ غور کرنا چاہیے کہ راوی کیسے ہیں۔

شاہد حدیث:

غریب اور منفرد حدیث کے راوی کے لفظ اور معنیٰ میں یا صرف معنیٰ میں دوسرے راوی موافقت اور مشارکت کریں بشرطیکہ صحابی مختلف ہو...... امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الأم میں ذکر کیا ہے۔

''عن مالك عن عبد الله بن دينار عن ابن عمران رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال الشهر تسع وعشرون فلا تصوموا حتى تروا الهلال ولا تفطر واحتى تروه فان غم عليكم فاكملوا العدة ثلاثين'' (۱)

اس حدیث کے متعلق ایک گروہ کا خیال ہے کہ ان الفاظ کے ساتھ اسے بیان کرنے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ منفرد ہیں انہوں نے اسے غرائب شافعی میں شمار کیا ہے۔ کیونکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے شاگردوں نے یہ حدیث اس سند سے ان الفاظ کے ساتھ بیان کی ہے۔

☆ فان غم عليكم فاقد روا له لیکن اعتبار (بحث و تفتیش) کے بعد ہم نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے متابعت تامہ اور متابعت قاصرہ اور ایک شاہد پایا ہے۔

درج بالا معلومات میں علم حدیث وضع کرنے میں جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات ہیں ان کو درج کیا گیا ہے۔ جبکہ ان کی ''مسند'' ایک مستقل حدیث کی کتاب شمار ہوتی ہے۔

دو حدیثیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ:

دوسرے مسلک پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ مسلک کی برتری پر ائمہ شوافع دو حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں جس سے اس کی فوقیت ثابت ہوتی ہے یا نہیں لیکن اس میں شبہ نہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت اور جلالت شان کا اندازہ (میدان حدیث میں) بخوبی ہو جاتا ہے۔ پہلی حدیث حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خدایا قریش کو ہدایت عطا فرما اس خاندان کا یہ عالم روئے زمین کو مالا مال کر دے، خدایا پہلے ان پر عذاب نازل کیا اب ان پر انعام کی بخشش فرما۔ (توالی التاسیس ص ۴۷) اس حدیث کی سند کے متعلق علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۱۔(صحیح مسلم، کتاب الصیام، رقم الحدیث 2503، سنن ابی داؤد، کتاب الصیام، 2320)

کے قول فان علم العالم منهم يسع طباق الارض؛ سے مراد ملت کا ایسا قریشی عالم ہے جس کا علم پوری دنیا میں پھیل جائے گا اور اس کی تالیفات مصاحف کی طرح لکھی جائیں اس کے اقوال زبان زد خلائق ہوں۔ ہم کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ کسی اپنے شخص کا پتہ نہیں چلتا جو مذکورہ صفات کا حامل ہو۔ (تاریخ بغداد جلد ۲ ص ۶۱)

ابو نعیم جرجانی فرماتے ہیں۔ قریشی صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے ہر اہل علم کا علم اگرچہ بہت پھیلا' لیکن اس کی کثرت شہرت اور اشاعت پورے ربع مسکون میں اتنی نہ ہو سکی جتنی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کی۔ اس لیے غالب گمان یہی ہے کہ اس حدیث کے مصداق امام صاحب ہی ہیں۔ (توالی التاسیس ص ۴۷) اور اس میں شک نہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم اور مسلک کو جو فروغ حاصل ہوا، اس کی مثال حنفی مسلک کے سوا نہیں مل سکتی۔ عالم اسلام کا کوئی خطہ ایسا نہیں جہاں اس مسلک کا کوئی مدرس، مفتی یا مصنف موجود نہ ہو۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

جب بھی مجھ سے کوئی ایسا مسئلہ دریافت کیا گیا جس میں مجھے کوئی حدیث نہ ملی تو میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال کے مطابق فتویٰ دے دیا۔ کیونکہ وہ امام عالم قریش ہیں۔ (توالی التاسیس ص ۴۷) دوسری حدیث ''تجدید دین'' سے متعلق ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بلاشبہ اللہ ہر صدی کے آخر میں اس امت کے لیے ایک شخص کو مبعوث کرتا ہے۔ جو اس کی تجدید کرتا ہے۔(۱)

اس حدیث کو ابوداؤد نے اپنی ''سنن'' اور حکم نے ''مستدرک'' میں روایت کیا ہے۔ شیخ علی متقی نے بھی امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی ''معرفۃ السنن والآثار'' کے حوالہ سے اس کو نقل کیا ہے۔ (کنز العمال ۶ ص ۲۲۸) ملا علی قاری نے اس کی سند کو صحیح اور اس کے کل رواۃ کو ثقہ قرار دیا ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح جلد اول ص ۲۴۸)

جس طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق امت کا اجماع ہے کہ وہ پہلی صدی کے مجدد ہیں۔ اسی طرح باتفاق محققین دوسری صدی کے مجدد امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ انہوں نے بدعات کا قلع قمع کر کے حدیث کا بول بالا کیا اور تمام روئے زمین کو قال اللہ تعالیٰ وقال الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ترانوں سے معمور کر دیا۔

۱۔(سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، رقم الحدیث 4291، المستدرك للحاكم 522/4 رقم الحدیث 8592، مشکوٰۃ المصابیح، کتاب العلم، رقم الحدیث 247)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو مختلف طرق سے روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ ہم نے غور کیا تو دیکھا کہ پہلی صدی کے مجدد حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور دوسری صدی کے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور دونوں خاندان قریش سے ہیں۔ (معجم الادباء جلد ۶ ص ۳۸۹) اس سلسلہ میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ساتویں صدی تک تمام مجددین شافعی المسلک تھے۔

(مفتاح السعادۃ جلد ۲ ص ۹۰)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فقہی فکر ہونے کے علاوہ قرآن کے مفاہیم کا ادراک بھی رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ ان میں حدیث کے علم کی وسعت بھی لامحدود تھی۔ وہ فقیہہ بھی تھے اور محدث بھی انہوں نے گزشتہ فقہ اور حدیثی ضعیف مواد کے علاوہ موضوع صوفیانہ روایات کا استیصال کیا اور غیر ضروری مواد کو کانٹ چھانٹ کر کے تلف کر دیا اور مسند الشافعی (کتاب السنن) کے نام سے ایک حدیثی کتاب تصنیف کی۔ جو آج بھی اسلامی مصدر کے لحاظ سے سند کی حیثیت رکھتی ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے محدث ہونے پر دلائل:

جو صفات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ محدث تھے حسب ذیل ہیں:

۱۔ راسخ حافظہ:

حرملہ نے کہا کہ میں ۱۳ سال کا تھا جب مدینہ منورہ میں آیا۔ میں نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے موطأ پڑھی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے کہا کہ اس شخص کو تلاش کرو جو موطأ پڑھے ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا میں خود پڑھ لیتا ہوں۔ ان کے سامنے پڑھا پس کبھی کبھی موطأ کی کسی حدیث کو خود دوبارہ پڑھا حتیٰ کہ تمام احادیث ازبر سنا دی۔ (مناقب الامام الشافعی للرازی ص ۲۱۹)

موطأ کو یاد کیا گیا مگر متعدد ائمہ اس بات سے یا اس صلاحیت سے عاجز تھے۔ یہ علم یا فن بھی ان کے محدث ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمایا کہ میں نے ان کو حافظ حدیث میں پختہ پایا ہے۔ تحقیق بعض ائمہ حدیث نے صحیح اسناد میں اختلاف کیا ہے۔ مگر امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ بالآخر سب کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی پیروی کرنا پڑی۔ مزید براں اس سند سے بڑھ کر کوئی سند نہیں عن مالک عن نافع عن ابن عمر رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کو راسخ فی سند جانا اور یہ تمام امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے علم حدیث کو تسلیم کرتے تھے۔

۲۔اجتہاد:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی کوشش کے بارے میں کہ وہ علم قرآن وحدیث میں کیا تھے۔وہ مستقل رائے امام اور مجتہد تھے اور ان قرآن وحدیث کے علوم کی تفصیل میں پختہ تھے اور ان کے علوم میں ماہر واجتہاد کرنے میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔

۳۔علم حدیث میں پختگی:

متعدد علماء حدیث نے ان کی فضیلت وفوقیت کو بیان کیا ہے۔امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بعض ائمہ کی حدیث صحیح ہے جبکہ رائے ضعیف ہے اور بعض کی حدیث ضعیف ہے مگر رائے درست ہے۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث بھی صحیح ہے اور رائے بھی درست ہے۔

۴۔علم میں مقدم ہونا:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''مسند الشافعی'' دنیا میں مشہور ہے۔کوئی بھی اس پر طعن کرنے کی علمی طاقت نہیں رکھتا۔کبھی کبھی کسی نے اس پر کسی نے نکتہ چینی کی ہے۔مگر بے بنیاد اور جس پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔اس کی دو وجوہات ہیں۔ایک تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ علم میں یگانہ روزگار ہیں دوسری یہ کہ ناقدین اس علم کے بارے میں رائے نہیں رکھتے اور ان میں صلاحیت نہیں ہے کہ وہ تنقید کریں یا ان کا علم محدود ہے۔اس کے علاوہ ناقد چونکہ عداوت کی بنیاد پر تنقید کرتا ہے اور دشمن کی بات ناقابل اعتبار ہوتی ہے۔

۵۔اصحاب کا اتفاق:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھی فقہ شافعی کے علاوہ ان کے حدیثی شعور پر اعتقاد رکھتے ہیں اور تمام اصحاب الحدیث ہیں اور انہوں نے حدیث میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو چنا ہے اور اسی پر قائل ہیں۔ہر چند وہ دیگر ائمہ حدیث سے تقابلی جائزہ بھی پیش کرتے ہیں۔

۶۔جرح وتعدیل میں یکتا:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جرح وتعدیل کی مد میں اساتذہ وائمہ حدیث کی طرف رجوع کرتے

ہیں اوران کی کتاب حدیث میں موطّأ امام مالک کی وسیع رمق نظر آتی ہے۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا؛ حدیث کی کتاب کون سی اصح ہے؟ پس کہا کتاب اللہ کے بعد موطّأ ہے۔جبکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے سوال کیا گیا وہ علم مجاز میں دونوں قریب ہیں اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پر فخر کرتے تھے۔یہ ان کی حدیثی وسعت کی بنا پر تھا۔ (مناقب الامام الشافعی للرازی ص ۲-۲۲۱)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے علم حدیث پر تنقیدی دلائل اوران کا رد

۱۔حدیث ضعیف ہونے پر:

فجر کی نماز میں قنوت نازلہ والی حدیث......بعض لوگوں نے کہا یہ حدیث ضعیف ہے کہ اس نے روایت کیا ہے کہ پھر بدعا کو ترک کر دیا تھا......جبکہ قلتین والی حدیث ضعیف ہے۔

اس کا رد:

تمام احادیث صحیح ہیں۔طعن ہوا ہے مگر ان احادیث کے صحیح ہونے میں کلام طویل ہے۔بیہقی نے ان سے موافقت کی ہے۔معرفۃ السنن والآثار نے اس کی تائید کی ہے کہ جو کچھ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے وہ پختہ اور راسخ ہے۔جبکہ اس طعن پر بحث کی ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو برحق ثابت کیا ہے۔مزید کہنے کی گنجائش نہیں جو مزید تنقید کرتا ہے۔

۲۔رواۃ غیر ثقہ ہیں:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسی احادیث نقل کی ہیں جن سے روایت لینا جائز نہیں ہے جیسے ابراہیم بن یحییٰ ریا کار تھا۔اسماعیل بن عینہ پر خود امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تنقید کی ہے۔اس کے علاوہ قاسم،عمر،سلیمان،اور نخعی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بھی روایت میں ملتے ہیں۔جن کو کتب رجال میں بعض نے ضعیف شمار کیا ہے۔

اس کا رد:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جعفر جعفی سے بڑا کوئی جھوٹا نہیں پھر بھی

روایت کرتے ہیں۔ شعبی، حارث الاعور سے روایت کرتے ہیں حالانکہ خود ان پر جھوٹ کی گواہی ہے۔ مالک بن انس، عبدالکریم بن امیہ عن محمد بن عجلان رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے روایت کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ ضعیف ہیں پس راوی پر عیب بے سود ثابت ہوا۔ کیونکہ اس طرح شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ ابراہیم بن یحییٰ قدری سے کیسے روایت لیتے ہو پس جواب دیا کہ ابراہیم پہاڑ سے گر جائے تو یہ زیادہ پسند ہے کہ وہ پہاڑ سے گر جائے مگر وہ حدیث میں ثقہ ہے۔ مزید کہا کہ جان رکھو کہ بدعتی کی روایت لی جائے اگر وہ اپنے دین میں عادل ہے۔

۳۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پر طعن:

نقل کیا کہ یحییٰ بن معین و اسحاق بن راہویہ، ابوعبید القاسم بن سلام رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، ان تمام نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پر طعن کیا ہے۔

اس کا رد:

امام یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پر ثنا کی ہے۔ جبکہ ایک جگہ صریحاً ملتا ہے کہ تمہاری (شافعی) روایات ہماری روایات سے ٹکراتی ہیں۔ ہم سب سے زیادہ پختہ ہیں اور یہ اس لیے کہ ہم حسد کرتے ہیں اور حاسد کا قول قبول نہیں ہوتا۔

امامین نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی روایت نہ لی:

امامین (بخاری رحمۃ اللہ علیہ و مسلم رحمۃ اللہ علیہ) نے کوئی بھی روایت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے نہیں لی۔ اگر وہ روایت کرنے والا ضعیف ہوتو امامین اس سے حدیث نہیں لیتے جبکہ دیگر محدثین سے انہوں نے روایت لی ہے۔

اس کا رد:

امامین شاید امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت تک پہنچے ہی نہ تھے۔ مزید امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ و امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے اکثر اساتذہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں سے ہیں۔ جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

بھی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ خاص تھے۔ اسی طرح اگر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دیگر معتبر محدثین کی روایات نہیں لیں تو اس سے ان کے ضعف کا احتمال پیدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح بخاری رحمۃ اللہ علیہ و مسلم رحمۃ اللہ علیہ (امامین) نے احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث لی اور احمد رحمۃ اللہ علیہ نے شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے، اگر شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث لینا جائز نہ ہوتا تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی وجہ سے مجروح ہو جاتے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی وجہ سے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی وجہ سے مجروح ہو جاتے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے روایت لینے کو جائز تصور کیا ہے تو یہ اشکال جائز نہیں۔ دوسری طرف امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہر ایک سے روایت لینے کے قائل ہیں۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ و مسلم رحمۃ اللہ علیہ دونوں ایک دوسرے سے روایت لیتے ہیں۔ اگر وہ ایک دوسرے کی روایت کو ترک کر دیں تو اس پر طعن نہیں۔ اس کے علاوہ امامین نے اگر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث لی نہیں تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پر طعن بھی نہیں کیا۔ بلکہ ان کی تعریف کی ہے۔

۵۔ مسند نا قابل اعتبار ہے:

یہ کہ تمام کتب حدیث ہو سکتی ہیں مگر کوئی مسند صحیح نہیں۔ ابو ثور رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ حدیث کے بارے میں کچھ نہ رکھتے تھے اور نہ جانتے تھے۔ ہم اس پر توقف کرتے اور رکھتے۔

اس کا رد:

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو زیادہ جانتے تھے اور ان کی احادیث کے حاملین میں سے تھے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ وہ روایت جو ابو ثور رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے اس میں بُعد ہے۔ وہ اصحاب رائے میں سے ہیں۔ جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان علم حدیث کے موافق ہے اور ان کی مسند قابل اعتبار ہے۔

۶۔ تصریح کا ترک:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح کو ترک کر دیا ہے۔ ناقد کہتے ہیں مراسیل (مرسل کی جمع) حجت نہیں بلکہ اس کی کتب بھری پڑی ہیں۔ بعض روایات کو جمع بھی کیا ہے اور یہ عجیب بات ہے۔

اس کا ردّ:

شاید اس کو لکھا ہو مگر ان تمام رواۃ کا ذکر چھوڑ دیا جو حاضر نہ تھے۔ غلطی کے خوف سے انہوں نے راوی کا نام چھوڑ دیا ہو۔ اہل اصول نے کہا کہ اگر تصریح نہ ہو تو متشابہات کے وارد ہونے پر محکمات کو جاننے کی کوشش کی جائے، ظاہری اطوار پر بحث نہیں کرے گا بلکہ بحث ونظر اور حقائق میں جانے کی کوشش کرے گا۔

(مناقب الامام الشافعی للرازی ا:ص ۲۳۰۔۲۲۹)

طبقات الشافعی:

تذکرۃ الحفاظ میں امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: آپ علی بن مدینی، امام احمد بن حنبل اور یحیٰی بن معین، حافظ ابن المفضل رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے چار طبقات میں سے چوتھے طبقہ کے رجال سے تعلق رکھتے تھے۔

تقی الدین ابن قاضی نے اپنی کتاب طبقات الشافعیہ میں ۲۹ طبقات کے سن عہد کا تذکرہ یوں کیا ہے۔

(1) فیمن اخذ عن الشافعی

(2) اصحاب الشافعی

(3) 301ھ......تا......320ھ

(4) 321ھ......تا......340ھ

(5) 341ھ......تا......360ھ

(6) 361ھ......تا......380ھ

(7) 381ھ......تا......400ھ

(8) 401ھ......تا......420ھ

(9) 421ھ......تا......440ھ

(10) 441ھ......تا......460ھ

(11) 461ھ......تا......480ھ

(12) 481ھ......تا......500ھ

(13)	501ھ ...... تا 520ھ
(14)	521ھ ...... تا 540ھ
(15)	541ھ ...... تا 560ھ
(16)	561ھ ...... تا 580ھ
(17)	581ھ ...... تا 600ھ
(18)	601ھ ...... تا 620ھ
(19)	621ھ ...... تا 640ھ
(20)	641ھ ...... تا 660ھ
(21)	661ھ ...... یا 680ھ
(22)	681ھ ...... تا 700ھ
(23)	701ھ ...... تا 720ھ
(24)	721ھ ...... تا 740ھ
(25)	741ھ ...... تا 760ھ
(26)	761ھ ...... تا 780ھ
(27)	781ھ ...... تا 800ھ
(28)	801ھ ...... تا 820ھ
(29)	821ھ ...... تا 840ھ

باب ۷

فقہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا تفصیلی جائزہ

تاریخی پس منظر:

چونکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے مصر میں بنی عبدالحکیم میں سکونت اختیار کی تھی۔ اس لیے ابن الحکیم میں سے ایک جماعت نے اشہب بن قاسم وابن المواز وغیرہ نے آپ سے علم فقہ سیکھا۔ ازاں بعد حارث بن مسکین اوراس کی اولاد کو یہ پہلا حصہ ملا۔ اس کے کچھ دنوں کے بعد چونکہ مصر میں روافض کی سلطنت قائم ہوگئی اوران کی فقہ رائج ہوگئی۔ اس لیے اہل سنت کی فقہ سے مصر بالکل خالی ہوگیا۔ یہاں تک کہ صلاح الدین ایوبی نے عبیدیوں کی سلطنت کو مٹا کر اپنی سلطنت قائم کرنے کے ساتھ ہی شافعی فقہ کو بھی از سر نو مصر میں رواج دیا۔ چونکہ اس وقت تک عراق، شام میں شاگردان شافعی بکثرت موجود تھے۔ اس لیے بہت جلد شافعی فقہ کی گرم بازاری ہوگئی اورمحی الدین نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اورعزالدین بن عبدالسلام نے شام میں بہت بڑی شہرت حاصل کی اور سلاطین ایوبیہ ان کے حامی و ناصر ہوئے۔ اسی طرح مصر میں ابن الرافع نے بڑا نام پایا۔ ازاں بعد تقی الدین بن دقیق اورتقی الدین سبکی امام وقت مانے گئے۔ ہمارے اس زمانہ میں شیخ الاسلام سراج الدین بلقینی کے علم وفضل کا ڈنکا بج رہا تھا اوروہ مصر میں اکبر الشافعیہ مانا جاتا ہے۔ بلکہ اگر اسے علمائے عصر میں سے سر برآوردہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۳۹۱)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں فقہ کا مفہوم:

شوافع کے نزدیک فقہ کی زیادہ معین اور قطعی تعریف یہ ہے: **الفقہ ھو العلم بالاحکام الشرعیہ العلمیہ من ادلتھا التفصیلیہ.**

(کشف اصطلاحات الفنون جلد اول ص ۳۱/اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۵ ص ۳۹۶)

اس کی تعریف کے تین اجزاء قابل غور ہیں۔(۱) احکام الشرعیہ (۲) العلمیہ (۳) ادلتھا التفصیلیہ حکم (جمع احکام) سے مراد وہ حکم شرعی ہے جس میں شرعی نقطہ نظر سے کوئی مصلحت ہو یا وہ حکم جو شارع (حقیقی) یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے مکلّف بندوں کو دیا۔اس کی دو قسمیں ہیں: تکلیفی اور وصفی۔

(کشف اصطلاحات الفنون جلد اول ص ۳۱/اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۵ص ۳۹۶)

علمیہ سے مراد وہ امور ہیں جن کا تعلق محض عقائد سے نہیں بلکہ معاملات سے بھی ہے اور ادلتہ سے مراد وہ اصول جو علم اصول فقہ کا موضوع ہیں۔شوافع نے فقہ کے چار ارکان بتائے ہیں (۱) العبادۃ (۲) المعاملات (۳) المناکحات (۴) العقوبات......اور غور کیا جائے تو یہ شوافع تک محدود نہیں بہر حال فقہ کے جملہ مسالک کی بنیاد کار انہیں چار ادلہ (ارکان) پر قائم ہے۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۵ص ۷۔۳۹۲)

اسی طرح امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فقہ میں بھی مجتہدانہ مقام کے حامل تھے۔جیسا کہ کتاب و سنت کی شرح میں ان کی کتابیں ''الرسالہ'' اور ''کتاب الام'' اس کی شاہد عادل ہیں، وہ فقہ کے تمام مراکز سے مستفید ہوئے تھے۔مثلاً مکہ کے رئیس الفقہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ کے علوم کو ان کے تلمیذ رشید امام ''محمد'' (بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ) سے حاصل کیا۔اسی طرح امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ علوم الرائے اور اہل حدیث کے جامع ہیں۔(معجم الادبا جلد ۶ ص ۳۸۹) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فقہ،فقہا کے لیے قفل تھا،جس کو اللہ تعالیٰ نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے کھولا۔دوسری جگہ فرمایا اس قریشی نوجوان سے زیادہ کتاب اللہ کا فقیہہ میری نظر سے آج تک نہیں گزرا۔(معجم الادبا جلد ۳ ص ۳۸۰)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور علم اصول فقہ:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا سب سے عظیم کارنامہ اصول فقہ کی ایجاد ہے۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں صرف فقہ کا لفظ وطریق موجود تھا۔اس کے اصول وضوابط متعین کرنے کا سہرا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے سر ہے۔فن کی شکل میں سب سے پہلے انہیں نے اس کی بنیاد رکھی۔علامہ اَسنوی کا قول ہے:''امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بالاتفاق اصول فقہ میں سب سے پہلے تصنیف کی۔''

علامہ فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ باتفاق امت امام صاحب اصول فقہ کے بانی ہیں اور انہی نے اس علم کے ابواب مرتب کیے اور قوت وضعف کے مراتب کی تشریح کی۔(معجم

الادباء جلد ۶ ص ۳۸۹) علماء کا بیان ہے کہ اصول فقہ کی نسبت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف بالکل اسی طرح ہے جیسے منطق کی......ارسطو کی طرف۔ (مرآۃ الجنان جلد ۲ ص ۱۸) بدر الدین زرکشی کہتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اصول فقہ میں تصنیف کی۔ اس فن میں انہوں نے کتاب الرسالہ، کتاب احکام القرآن، اختلاف الحدیث، ابطال الاستحسان، کتاب اجماع العلم اور کتاب القیاس لکھ کر اہل علم سے خراج تحسین حاصل کیا۔ (البحر المحیط بحوالہ امام شافعی ص ۶۱)

علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ یوں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں رقمطراز ہیں: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو اصول فقہ کے مدون کرنے میں اولیت حاصل ہے۔ اس فن میں انہوں نے اپنا مشہور رسالہ ''الرسالہ'' تصنیف کیا۔ جس میں انہوں نے اوامر ونواہی کا بیان اور خبر ونسخ اور قیاس سے علت منصوصہ کے حکم کے بارے میں کلام کیا ہے۔ پھر اس کے بعد حنفی فقہاء نے اس فن میں کتابیں لکھیں۔ (مقدمہ ابن خلدون جلد ۱ ص ۴۹۸/ سیر الصحابہ ۹: ص ۳۲۹)

اس کے بیان سے یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچ جاتی ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو اصول فقہ کے بانی اور واضع ہونے کا شرف حاصل ہے۔ بعض علماء کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ اس فن میں سب سے پہلے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب لکھی۔ مستشرقین یورپ میں بھی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو اس فن کا پہلا مصنف قرار دیا ہے۔ گولڈ ظیہر ''انسائیکلو پیڈیا آف اسلام'' میں لفظ فقہ کے تحت رقمطراز ہے:۔

''محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصیات میں سے ہے کہ انہوں نے مسائل شرعیہ کو مستنبط کرنے کے ضوابط وضع کیے اور تمام اصولوں کی حد بندی کی۔ اپنے رسالہ میں قیاس عقلی کے ایسے اصول ایجاد کیے جن کی طرف قانون سازی کے وقت رجوع کرنا نہایت ضروری ہے۔ ان گوناگوں خصوصیات کی بنا پر امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بجا فرمایا تھا:

''امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی حیثیت علم کے لیے ایسی ہی تھی جیسے دنیا کے لیے سورج کی اور جسم کے لیے صحت کی۔ کیا ان دونوں کو کوئی بدل سکتا ہے۔''

فقہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مآخذ ومصادر پر مباحثہ

علم فقہ کے مراتب خمسہ:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک علم کے پانچ انواع ہیں جو پانچ مراتب سے مرتب ہیں۔ ان مراتب میں سے ہر مرتبہ اپنے مابعد سے مقدم ہے۔ یہ پانچ مراتب حسب ذیل ہیں۔

ا۔ کتاب وسنت:

کتاب کے علاوہ سنت وہ جو ثابت شدہ ہو۔ کتاب کے ساتھ سنت کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ دونوں کا مرتبہ عملاً ایک ہی ہے۔ کیونکہ اکثر احوال میں سنت، کتاب کی وضاحت کرنے والی ہے۔ لہٰذا حدیث اگر صحیح ہو تو وہ قرآن کے پہلو رکھی جائے گی۔ اگرچہ اخبار واحاد قوت میں قرآن کے برابر نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ قرآن کی طرح متواتر نہیں ہیں۔ سنت قرآن کی معارض نہیں ہوسکتی۔

۲۔ اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم:

اصحاب کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کی رائے بشرطیکہ کسی دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ کی رائے اس سے مخالف نہ ہو۔ صحابی رضی اللہ عنہ کی رائے کو یہ منزلت اس لیے حاصل ہے کہ ہماری آراء کے مقابلہ میں آراء صحابہ بہرحال زیادہ وزنی اور وقیع ہیں۔ کسی مسئلہ میں اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف، اس صورت میں صحابی رضی اللہ عنہ کا وہ قول قبول کیا جائے گا جو کتاب وسنت سے اقرب ہو یا ازروئے قیاس جسے ترجیح حاصل ہو۔

۳۔ اجماع:

جس مسئلہ میں قرآن وسنت کا کوئی واضح حکم موجود نہ ہو اور اسے اجماع سے طے کیا گیا ہو۔ اجماع سے مراد ان فقہاء کا اجماع ہے جو علم خاصہ سے بہرہ ور ہوں!

۴۔ اجتہاد:

اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کے بعد اجتہاد کا دروازہ کھلا ہے۔

۵۔ قیاس:

جس مسئلہ کا کوئی حکم علی الترتیب کتاب، سنت اور اجماع میں سے کسی ایک پر ازروئے قیاس مبنی ہو یا کسی صحابی رضی اللہ عنہ کے غیر مختلف فیہ قول پر قیاس کیا گیا ہو یا صحابی رضی اللہ عنہ کے مختلف قول پر قیاس سے کام لیا گیا ہو۔

طبقات علم فقہ کی تفصیل:

الام میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے طبقات العلم پر گفتگو کرتے ہوئے کہا ہے:

''وہ فقہ کے مختلف طبقے ہیں۔ سب سے پہلے کتاب وسنت صحیحہ پھر قرآن میں حکم مطلوبہ پانے کی صورت میں سنت اور اگر حکم مطلوبہ کتاب میں ہو نہ سنت میں تو پھر اجماع اور اس کے بعد قول صحابہ بشرطیکہ غیر مختلف فیہ ہو۔ پھر اصحاب رضی اللہ عنہم کے اقوال مختلف فیہا اور آخر میں مذکورہ طبقات علم میں سے کسی ایک پر قیاس۔(۱)'' (الام جلد ۷ص ۲۴۶)

اب ہم مذکورہ طبقات علم پر الگ الگ گفتگو کریں گے۔ سب سے پہلے کتاب الٰہی و سُنّت سے آغاز کلام کرتے ہیں۔

الکتاب والسنّۃ

مصدر اوّل:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کتاب وسنت کو ایک ہی درجہ میں رکھتے ہیں کہ علم شریعت کا مصدر اول ہی دونوں ساتھ ساتھ ہیں۔ استدلال کے دوسرے چشمے یہیں سے پھوٹتے ہیں اور دونوں کی روح سے مقتبس ہیں گو براہ راست ان کی نص سے مأخوذ نہ ہوں۔ پس مصادر استدلال خواہ تعدد وتنوع کے اعتبار سے کتنے ہی ہوں۔ بہر حال اصل واحد ہی کی طرف راجع ہوں گے اور یہ اصل کتاب و سنت پر مشتمل ہے۔

کتاب وسنت پہلو بہ پہلو کیوں؟

لیکن ہم دیکھتے ہیں فن اصول فقہ پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد جو کتابیں لکھی گئیں بلکہ

۱۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ علم کی دو صورتیں ہیں۔ ایک اتباع دوسرے استنباط اتباع پہلے کتاب الٰہی کی پھر سنت پھر عامہ سلف کے اقوال کی جو غیر مختلف فیہ ہوں۔ پھر قیاس کی جو کتاب الٰہی پر، پھر سنت پر پھر سلف کے اقوال غیر مختلف فیہ پر قیاس کرنا چاہیے اور یہ اقوال اگر مختلف فیہ ہوں۔ تو پھر اپنے اجتہاد سے کام لینا چاہیے اور اپنے اجتہاد سے آدمی اگر کسی نتیجہ تک پہنچ جائے تو پھر کسی دوسرے کے اجتہاد کا اتباع کرنا ضروری نہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ حکم الٰہی میں تلاش کرنا چاہیے۔ وہاں نہ ملے یا ملے مگر مجمل غیر مفصل ہو یا احتیاج بیان وضاحت ہو تو پھر سنت میں جستجو کرنی چاہیے۔ اس کی وجہ یہ ہے اور طریق سے بھی ثابت ہے کہ سنت بڑی حد تک مرتبہ قرآن میں ہے اس لیے وہی اس کی تعیین وتفصیل کرتی ہے۔

ان فقہاء کے ہاں جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے گزرے ہیں۔ بلکہ خود آپ نے اپنی بعض کتابوں میں سنت کو مرتبہ کتاب میں نہیں رکھا ہے بلکہ اس کے قریب قریب رکھا ہے۔ جو بہر حال اس سے جداگانہ حیثیت رکھتی ہے پھر کیا وجہ ہے کہ وہ ان دونوں (کتاب وسنت) کو ایک بھی قرار دیتے ہیں۔ وہ ارشاد فرماتے ہیں: ''کتاب وسنت دونوں خدا کی طرف سے ہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے، جو کچھ کہتے ہیں وہ وحی ہے۔'' وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ○'' (۳-۴: النجم ۵۳) لہٰذا ثابت ہوا کہ کتاب وسنت دونوں من جانب اللہ ہیں اگرچہ دونوں کے اسباب وطریق جدا جدا ہیں۔ (الرسالہ ص ۳۳ طبع حلبی (شام)/امام شافعی ص ۱۔ ۳۳)

حدیثی دلیل:

ہم دیکھتے ہیں اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کا مسلک بھی وہ تھا جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو عورتیں گودنا کرتی ہیں یا کراتی ہیں۔ جو عورتیں چہرے کے بال اکھاڑنے کا کام کرتی ہیں یا اکھڑواتی ہیں اور دانتوں کے درمیان دراڑ پیدا کر کے اس زیبائی میں تغیر پیدا کرتی ہیں جو اللہ نے پیدا کی ہے۔ ان پر خدا لعنت بھیجتا ہے۔ یہ حدیث بنو اسد کی عورت نے سنی جو قرآن کا پڑھنا جانتی تھی۔ اس نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سوال کیا تمہاری جو حدیث مجھ تک پہنچی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ فلاں فلاں قسم کی عورتوں پر تم لعنت کرتے ہو؟...... حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ سوال سن کر جواب دیا۔ میں اس پر کیسے نہ لعنت کروں جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت کی ہے اور جو کتاب میں موجود ہے۔ عورت نے جواب دیا میں نے بھی قرآن پڑھا ہے لیکن مجھے تو اس میں ایسی کوئی بات نظر نہیں آئی عبداللہ بن مسعود نے کہا اگر تم نے غور سے پڑھا ہوتا تو ضرور نظر آتا۔ کیا اللہ نے نہیں فرمایا ہے کہ وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (۷: الحشر ۵۹) ''جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں دے لے لو اور جس سے منع کریں باز آ جاؤ۔'' (۱) اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث جس میں استفسار پر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت ہی قرآن ہے۔ (۲)

۱۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث 4886 ,5991، صحیح مسلم، کتاب اللباس، رقم الحدیث 5573، سنن ابی داؤد رقم الحدیث 4169، سنن الترمذی، رقم الحدیث 2782، سنن النسائی، رقم الحدیث 5114، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث 1898)

۲۔ (صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، رقم الحدیث 1739، سنن ابی داؤد، رقم الحدیث 1342)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں سنت کا مفہوم:

کہیں ایسا نہ ہو ہم اپنے اصل موضوع سے دور جا پڑیں یا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کو غیر محمل پر محمول کرنا شروع کر دیں۔ضروری ہے کہ تین اہم امور پیش نظر رہیں۔

(۱) قرآن کے مرتبہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جس سنت کو رکھتے ہیں وہ مجموعہ سنت ہے۔ ہر وہ حدیث جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہو۔ خواہ کسی طریق سے نہ ہو احادیث متواترہ کے مقابلہ میں نہیں رکھی جا سکتی جو قطعی الثبوت ہیں مثلاً احادیث آحاد، اپنے درجہ میں احادیث متواترہ اور مستفیضہ مشہور کے برابر نہیں ہیں۔ حالانکہ آیات قرآنی قطعی الثبوت ہیں۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس چیز پر متنبہ کیا ہے۔ کیونکہ مرتبہ قرآن میں جس سنت کو رکھا ہے۔ وہ سنت ثابتہ ہے۔ جیسا کہ فرما چکے ہیں کہ ادلہ احکام میں پہلا درجہ کتاب اور سنت ثابتہ کا ہے۔ گویا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جو حکم لگایا ہے۔ یہ ہے کہ قرآن اور سنت ثابتہ کا از رُوئے درجہ علم ایک ہے۔ کیونکہ جہاں تک کتاب الٰہی کا تعلق ہے۔ اسناد کی بحث کی محتاج نہیں ہے اس کے برعکس سنت میں اسناد کے کئی مراتب ہیں لہٰذا اس سے جو استدلال کیا جائے گا۔ وہ بھی ان مراتب کا حاصل ہو گا اور کتاب وسنت کے استدلال جو مراتب رکھتے ہیں، ان میں سے ہر ایک استدلال میں اپنا ایک خاص مقام رکھتا ہے جو دوسرے کو حاصل نہیں۔

(۲) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے علم سنت کو مرتبہ قرآن میں استخراج احکام فروع کے سلسلہ میں رکھا ہے اور یہ بات قرآن کے اصل دین، عمود دین، محبت دین اور معجزہ نبی ہونے کی منافی نہیں ہے۔ سنت فرع ہے قرآن اصل۔ لہٰذا وہ اس سے قوت حاصل کرتی ہے۔ وہ قرآن کے مقابلہ میں صرف اس وقت رکھی جا سکتی ہے۔ جب احکام فروعی کے استنباط کا مسئلہ در پیش ہو۔ اس لیے کہ قرآن میں جو احکام آتے ہیں۔ ان کی تبیین کا حق سنت کو حاصل ہے۔ شرع دین کے سلسلہ میں جو کچھ وارد ہوا ہے۔ اس کا تعاضد سنت ہی سے ہوتا ہے اور یہی وہ احکام ہیں جن سے لوگ اپنی معاش اور معاد کو سنوارتے ہیں۔ انہی سے ان کا معاشرہ استنباط حاصل کرتا ہے اور ان کی راہ صواب متعین ہوتی ہے۔

(امام شافعی ص ۳۰۴۔۳۴۲)

فقہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مصدر اول قرآن:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے تمام وہ باتیں جن کی امت قائل ہے۔ سنت قرآن کی شرح ہے اور یہ بھی انہی کا قول ہے کہ جتنی باتوں کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا ہے سب ایسی باتیں ہیں جن کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن سے سمجھا تھا اور امام موصوف کے اس قول کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے کہ میں ان ہی چیزوں کو حلال بتاتا ہوں جن کو اللہ نے حلال قرار دیا ہے اور انہی اشیاء کو حرام کرتا ہوں جن کو باری تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام کیا ہے۔ یہ حدیث امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الاُم'' میں بلفظہ روایت کی ہے۔

چنانچہ شریعت اسلامیہ کا مصدر المصادر قرآن کریم ہے۔ یعنی وہ سرچشمہ ہے۔ جس سے مصادر کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ یہی وہ ماخذ ہے جس سے شریعت کے جملہ اصول وفروع مشتق ہوتے ہیں قوت استدلال کو محکم کرنے کے لیے یہیں سے دلیلیں حاصل کی جاتی ہیں۔ اس اعتبار سے جامع احکام یہی چیز ہے۔ ابن حزم ظاہری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ ''فقہ کے جملہ ابواب میں کوئی باب ایسا نہیں ہے جس کی کتاب وسنت میں اصل موجود نہ ہو۔ اللہ عزوجل نے قرآن کو ہدایت، شفا اور رحمت سے تعبیر کیا ہے۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں جس نے قرآن پڑھ لیا پھر اس سے مافوق کوئی نہیں ہے۔

پس قرآن کلی شریعت ٹھہرا جیسا کہ نصوص سے ثابت ہے تو ضروری ہوا کہ وہ مجمل ہو۔ یعنی محتاج تفصیل، کیونکہ ہر امر کلی تبیین اور تفصیل کا محتاج ہوا کرتا ہے۔ لہٰذا قرآن کی تبیین اور تفصیل کے لیے سنت سے استعانت لازمی ہوئی تاکہ استنباط احکام بآسانی ممکن ہو سکے اور استخراجِ شرائع میں کوئی دشواری نہ پیش آئے۔

کُلّی شریعت:

کتنے بلیغ انداز میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ''اللہ عزوجل نے اپنی کتاب میں جو کچھ فرمایا ہے وہ رحمت وحجت ہے۔ وہ کلی شریعت ہے۔ کسی شے سے اس طرح واقف نہیں کہ پہلے اس سے جاہل تھا۔ نہ اس کا علم کسی چیز میں خام ہے۔ علم کے سلسلہ میں لوگ مختلف طبقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ علم کی دنیا میں ہر شخص کو وہی مقام حاصل ہے جس کا اپنے علم کے لحاظ سے وہ مستحق

ہے۔ طالبان علم کے لیے واجب ہے کہ علم قرآن حاصل کرنے میں زیادہ سے زیادہ جدوجہد کریں اور ہر اُس رکاوٹ کو استقلال و جرأت کے ساتھ دور کر دیں جو اُس میں حائل ہو اور استدراک علم قرآن میں خواہ از رُوئے نص ہو یا از رُوئے استنباط، پورے اخلاص سے کام لیں اور اس معاملہ میں اللہ کی مدد کے متمنی ہوں۔ کیونکہ جب تک خدا کی مدد شامل حال نہ ہو، خیر کا حصول کسی طرح ممکن نہیں اور جس شخص نے کتاب الٰہی سے نص و استدلال کے ذریعہ علم احکام حاصل کر لیا اور اللہ نے اس حاصل کردہ علم کے مطابق اسے قول و عمل کی توفیق دی تو وہ دین اور دنیا میں مرتبہ بلند پر فائز ہو گیا۔ شک و ریب کی دنیا سے باہر نکل آیا۔ حکمت کے نور سے اس کا قلب منور ہو گیا اور دین میں مرتبہ امامت پر فائز ہو گیا۔"

بیان قرآن کی دو قسمیں:

جب صورت یہ ٹھہری کہ قرآن بیان کلی ہے اور سنت حسب ضرورت اس کی شارح ومفسر، تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بیانِ قرآن کی دو قسمیں کرتے ہیں:

(۱) وہ بیانِ قرآن جو نص ہے اور جس کی تشریح و توضیح کے لیے خارج سے کسی امداد کی ضرورت نہیں، وہ خود واضح ہے۔

(۲) وہ بیانِ قرآن جو اپنی تشریح و توضیح میں سنت کا محتاج ہے۔ خواہ اپنے اجمال تفصیل میں بامعنیٰ محتمل کے تعین میں عموم کی تخصیص ہیں۔

امثال و شواہد اور ان کے احکام:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ان اقسام میں سے ہر قسم کی مثالیں بھی بیان کی ہیں۔ شواہد بھی پیش کیے ہیں اور ہر شاہد کا حکم بھی بیان کیا ہے۔ چنانچہ ان احکام کا تذکرہ کرتے ہوئے جو قرآن میں واضح طور پر موجود ہیں اور کسی مزید تفصیل کے محتاج نہیں ہیں۔ لعان کا ذکر کرتے ہیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

☆ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○

ترجمہ: یعنی جو لوگ پاک دامن عورتوں پر (بدکاری کی) تہمت لگائیں اور چار گواہ

نہ پیش کر سکیں انہیں اسی (۸۰) کوڑے مارو اور ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو۔ یہ لوگ دراصل فاسق ہیں۔ (۲۴:النور۴)

پھر ارشاد فرمایا:

☆ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَاءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○

ترجمہ: ''یعنی جو لوگ اپنی بیویوں پر بدکاری کی تہمت لگائیں اور کوئی گواہ اپنے سوا نہ رکھتے ہوں تو ان میں سے ہر ایک چار مرتبہ اللہ کو گواہ کر کے کہے کہ وہ سچا ہے اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اگر وہ جھوٹا ہے تو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ اور عورت سے یوں سزا ٹل جائے گی کہ وہ اللہ کا نام لے کر چار بار گواہی دے کہ مرد جھوٹا ہے اور پانچویں (مرتبہ) یوں کہ عورت پر غضب اللہ کا اگر مرد سچا ہے۔'' (سورۃ النور ۲۴، آیت ۶ تا ۹)

ان دونوں آیات کے احکام میں فرق ہے۔ جُرم (بدکاری) کی تہمت ایک ہے لیکن صورت مسئلہ جداگانہ ہے۔ غیر صورت پر تہمت لگانے والے شخص کو اَسّی درے مارے جائیں گے کبھی اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ اسے فاسق شمار کیا جائے گا یعنی اگر چار گواہ نہ پیش کر سکے تو اس پر حد جاری ہوگی لیکن جو بیوی پر تہمت لگائے اور چار گواہ نہ پیش کر سکے تو لعان کے اس طریقہ پر عمل کیا جائے جو قرآن میں بیان کیا گیا ہے لیکن سنت نے اس میں ایک اور حکم کا اضافہ کیا ہے یعنی لعان کے بعد میاں بیوی میں تفریق کرا دی جائے گی۔

لعان کا واقعہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الام'' میں لعان سے متعلق سنت کا ذکر کیا ہے کہ آیت لعان نازل ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ اور اس کی بیوی میں تفریق کرا دی اور لڑکا عویمر رضی اللہ عنہ سے لے کر ماں کے حوالہ کر دیا۔ واقعہ یہ ہوا تھا کہ عویمر رضی اللہ عنہ نے اس باب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سکوت اختیار فرمایا۔ یہاں تک کہ آیت لعان نازل

ہوئی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''خدا نے تیرے اور تیری بیوی کے لئے حکم نازل کر دیا ہے۔'' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آیت قرآنی کے مطابق دونوں میں ملاعنہ کرایا اور تفریق کرادی اس صورت میں اولاد ماں کا حق ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عویمر کا لڑکا اس کی بیوی کے حوالے کر دیا فرمایا: اب تجھے اس عورت پر کوئی حق نہیں ہے اور شوہر کو بیوی سے مہر بھی واپس نہیں دلایا۔''(۱)

آیات صوم کے اجمال کی تفصیل:

نص قرآن کی مثل دیتے ہوئے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے صوم شہر رمضان کی مثال پیش کی ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ

ترجمہ: ''مومنو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں۔ جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پرہیز گار بنو۔ (روزوں کے دن) گنتی کے چند روز ہیں تو جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں روزوں کا شمار پورا کر لے۔'' (البقرۃ ۲: ۱۸۳-۱۸۴)

پھر فرمایا:

☆ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

ترجمہ: ''(روزوں کا مہینہ) رمضان کا مہینہ (ہے) جس میں قرآن (اوّل اوّل) نازل ہوا جو لوگوں کا رہنما ہے اور (جس میں) ہدایت کی کھلی

ا۔ (صحیح بخاری، کتاب الطلاق، رقم الحدیث 5259، صحیح مسلم، رقم الحدیث 1492، سنن ابی داؤد، رقم الحدیث 2245، سنن النسائی 3402، سنن ابن ماجه، رقم الحدیث 2066، مسند احمد 5/336-337، رقم الحدیث 23234، موطا امام مالك، رقم الحدیث 1156)

نشانیاں ہیں اور (جو حق و باطل کو) الگ الگ کرنے والا ہے۔ تو جو کوئی تم میں سے اس مہینے میں موجود ہو تو چاہیے کہ پورے مہینے کے روزے رکھے اور جو بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں (روزے رکھ کر) ان کا شمار پورا کر لے اللہ تعالیٰ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور سختی نہیں چاہتا اور (یہ آسانی کا حکم) اس لئے (دیا گیا ہے) کہ تم روزوں کا شمار پورا کر لو اور اُس احسان کے بدلے کہ اللہ نے تمہیں ہدایت بخشی ہے تم اُس کو بزرگی سے یاد کرو اور اُس کا شکر ادا کیا کرو۔'' (۲البقرۃ:۱۸۵)

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ روزے چند دن رکھنا چاہیں۔ یعنی رمضان کا پورا مہینہ اس کے بعد ایام صوم کی تفصیل کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں میں کسی ایسے اہل علم کو نہیں جانتا کہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہو کہ جس مہینے میں روزے فرض ہیں۔ وہ ماہ رمضان ہے جو شعبان و شوال کے مابین وارد ہوا کرتا ہے۔ اس لیے کہ ہر شخص جانتا ہے کہ رمضان کا مہینہ کب آتا ہے۔ پس یہ کافی تھا کہ اس مہینہ میں اللہ نے روزے فرض کر دیے ہیں نہ میں کسی ایسے غیر اہل علم سے واقف ہوں جسے یہ نہ معلوم ہو کہ رمضان کس مہینہ کو کہتے ہیں گویا یہ ایسے منصوصات قرآنی ہیں کہ ان کی تشریح کے لیے سنت کی ضرورت نہیں۔ (امام شافعی ص ۳۵۳)

اقسام ثلاثہ میں سے پہلی قسم:

یہاں قرآن کی دوسری قسم کے بارے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ اپنے موضوع کے اعتبار سے نص نہیں ہے۔ مگر محتاج سنت ہے۔ شافعی نے اس سلسلہ میں جو مثالیں بیان کی ہیں۔ وہ تین اقسام پر منقسم ہیں۔

(۱) قسم اوّل وہ ہے جو از روئے سیاق دو احتمالوں پر محتمل ہو اور سنت اس میں سے ایک کا تعین کر دے مثلاً اللہ عز و جل فرماتا ہے:

☆ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ. (۲البقرۃ:۲۳۰)

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے تو جب تک کسی دوسرے آدمی سے نکاح میں نہ آ جائے اب اس پر حلال نہ ہوگی اور طلاق کے بعد کوئی حرج نہیں ہے۔ اگر وہ رجعت کر لیں۔ پس اللہ کا یہ قول ''حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ'' اس بات پر محتمل ہے کہ اس عورت سے شوہر کے سوا کوئی

دوسرا آدمی شادی کرے، اگر چہ مجامعت نہ کرے اور یہ کہ اس عورت کا کسی دوسرے مرد کے حبالہ عقد میں چلا جانا ہی سابق شوہر کے لیے اس حلال کر دینے کو کافی ہے۔ کیونکہ رسم نکاح اصابت اور عقد دونوں سے واقع ہو جاتا ہے لیکن ایک شخص نے جب اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مطلقہ عورت سے فرمایا: ''تو اپنے سابقہ شوہر کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہو سکتی جب تک نیا شوہر تجھ سے اور تو اس سے متمتع نہ ہو لے'' (۱) اس سے ثابت ہوا کہ جب تک نیا شوہر نکاح سے تمتع نہ کر لے نکاح نہیں ہو سکتا۔

احتمال وتعارض کی صورت میں:

جو کلام دونوں معنوں پر محتمل ہو لیکن وہ احتمال آیات سابقہ کی طرح ذات لفظ پر مبنی نہ ہو بلکہ ظاہری طور پر متعارض ہو۔ اس بیوہ کا مسئلہ عدت ہے جو حاملہ ہو۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی مدت وضع حمل ہے۔ ان کے نزدیک از روئے سنت اسی مسلک کو ترجیح ہے۔ اس لیے عدت وفات کی جو آیت ہے۔ اس میں اللہ عزوجل فرماتا ہے:

☆ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ يَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا.

ترجمہ: ''اور جو لوگ تم میں سے مر جائیں اور عورتیں چھوڑ جائیں تو عورتیں چار مہینے دس دن اپنے آپ کو روکے رہیں۔'' (۲۳۴: البقرۃ ۲)

یہ آیت حاملہ اور غیر حاملہ ہر طرح کی عورتوں پر بظاہر مشتمل ہے۔ پھر اللہ رب العزت فرماتا ہے:

☆ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ. (۴: الطلاق ۶۵)

یعنی حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔ یہ آیت اپنے ظاہری مفہوم کے لحاظ سے مطلقہ اور بیوہ دونوں پر مشتمل ہے۔ اس سے احتمال ہوتا ہے کہ بیوہ عورت دونوں عدتوں سے جو عدت چاہے اختیار کر لے یا اگر دونوں ساتھ ساتھ ختم ہوتی ہوں تو دونوں پر عمل کر لے۔ جیسا کہ بعض اہل علم نے کہا کہ بیوہ عورت کی عدت چار مہینے دس دن ہے اور حاملہ کی وضع حمل لیکن سنت نے اس احتمال کو واضح کر دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سبیعہ بنت حارث سے جب شوہر کی وفات کے چند دن بعد اس نے بچہ جنا تو فرمایا تیری عدت ختم ہوگئی ہے۔ بدیں صورت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے

۱۔ (صحیح بخاری، کتاب الشھادات، رقم الحدیث 2639، صحیح مسلم، رقم الحدیث 1433، سنن ابی داؤد، رقم الحدیث 2309، سنن الترمذی، رقم الحدیث 1118، سنن ابن ماجه، رقم الحدیث 1932)

''کتاب الام'' جلد ۵ میں اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا ہے: ''اللہ نے بیوہ عورتوں کے لیے چار مہینے دس دن کی جو عدت مقرر فرمائی ہے۔ وہ اس بات پر محتمل ہے کہ ہر زوجہ پر خواہ وہ حرہ یا باندی، حاملہ ہو یا غیر حاملہ، یہی عدت عائد ہوتی ہے اور یہ احتمال بھی ہے کہ یہ عدت آزاد عورتوں کی ہو باندیاں اس میں شامل نہ ہوں نیز حاملہ عورتیں مراد ہوں غیر حاملہ عورتیں مراد نہ ہوں لیکن سنت بتاتی ہے کہ یہ عدت غیر حاملہ عورتوں کی ہے اور حاملہ عورتیں خواہ مطلقہ ہوں یا بیوہ ایک ہی عدت کی تابع ہیں جو وضع حمل ہے۔

قرآن میں عام وخاص:

عام اور خاص کی تعریف کے سلسلہ میں مناطقہ اور علماء کے اصول کے نزدیک عام کی تعریف ہے کہ یہ اسم ایسی اشیاء پر جو عدد میں متغائر ہوں لیکن معنیٰ میں متحد ہوں۔ دلالت کرتا ہے جیسے انسان کہ مرد وعورت، اسود وابیض، زید وبکر، اور خالد وعمرو سب پر دلالت کرتا ہے۔ حالانکہ ان میں سے ہر ایک اپنے عدد میں اور اپنی شخصیت میں متغائر ہے لیکن انسانیت سب میں مشترک ہے۔ مرد ہو یا عورت، سیہ رُو یا زرد فام، زید ہو یا بکر سب کے لیے انسان کا لفظ بولا جاتا ہے۔

اس کے برعکس خاص وہ ہے جو مفہوم عام کے کسی حصہ پر بولا جاتا ہے۔ جیسے انسان سے ابیض کی نسبت اور خاص کبھی عام بھی ہوتا ہے۔ مثلاً مرد گو انسان ہے لیکن ہر انسان کے لیے یہ لفظ نہیں بولا جائے گا۔

عام کی تین قسمیں:

اس مقدمہ کے بعد ہم دیکھیں گے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ان الفاظ عامہ کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو قرآن میں وارد ہوئے ہیں! انہوں نے عام کی تین قسمیں کی ہیں:

(۱) عام ظاہر...... جس سے مراد عام ظاہر ہے۔ یعنی از روئے للباق اس عام میں جو کچھ بھی شامل ہوسکتا ہے وہ سب مراد ہے۔

(۲) عام ظاہر...... جس سے مراد تو عام ہوتا ہے لیکن اس میں خاص بھی شامل ہو جاتا ہے۔ جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

(۳) عام ظاہر...... جس سے مراد خاص ہی ہوتا ہے۔

چند قرآنی مثالیں:

اس سلسلہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جو مثالیں دی ہیں ان میں سے چند کا ہم ذیل میں

ذکر کرتے ہیں۔ وہ عام جس سے مراد ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے اس طرح کے فرمان ہیں:

☆ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ (۱۶:الرعد ۱۳)

ترجمہ: اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

☆ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ (۲۲:الروم ۳۰)

ترجمہ: اللہ نے زمین وآسمان کو پیدا کیا۔

☆ وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (۶:ہود ۱۱)

ترجمہ: زمین پر جو جاندار بھی موجود ہے اللہ اس کے رزق کا ذمہ دار ہے۔

مذکورہ مثالیں پیش کر کے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ان الفاظ کے وہی معنیٰ ہیں جو ظاہری طور پر سمجھ میں آتے ہیں یعنی زمین وآسمان، شجر و حجر، انسان وحیوان سب کچھ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ زمین پر جو ذی روح موجود ہے۔ اس کا رزق خدا کے ذمہ ہے اور اس کے مستقر و مستودع کا علم خدا کو ہے۔ اس عام کی جس میں خاص داخل ہو شافعی نے کئی مثالیں دی ہیں جیسے اللہ ربّ العزت کا فرمان ہے:

☆ حَتّٰى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِ ِۨ اسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا.

ترجمہ: یعنی (موسیٰ وخضر علیہما السلام) ایک قریہ میں پہنچے تو وہاں کے لوگوں سے کھانا مانگا لیکن اہل قریہ نے انہیں اپنا مہمان بنانے سے انکار کر دیا۔

(۷۷:الکہف ۱۸)

اس آیت میں ذکر عام اہل قریہ کا ہے لیکن خضر وموسیٰ علیہم السلام نے کھانا بھی سب کے بجائے چند ہی سے مانگا تھا اور انکار بھی سب نے نہیں کیا تھا۔ لہٰذا سزا وار ملامت وہی ہیں جنہوں نے انکار کیا تھا نہ کہ سارے اہل قریہ پس یہاں عموم معتبر ہے اور خصوص مقصود۔

وہ عام جس سے مراد خاص ہوتا ہے یعنی معنیٰ عام ہوتے ہیں لیکن مقصود تخصیص ہوتی ہے۔ لفظ کا مفہوم مراد نہیں ہوتا بلکہ یہ عام لفظ موضوع خاص کے لیے بولا جاتا ہے۔ اس طرح لفظ عام کی تخصیص یا تو خود آیات قرآنی سے ظاہر ہو گی خواہ آیات متصلہ سے یا دوسری آیات سے۔ یا یہ تخصیص سنت سے ظاہر ہو گی یا پھر آثار صحیحہ سے جن سے یہ بات واضح ہو گی لفظ گو عام ہے مگر مراد عام نہیں خاص ہے۔ وہ عام جس سے مراد خاص ہے۔ اللہ ربّ العزت کا فرمان ہے:

☆ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ ○ (۱۷۳:آل عمران ۳)

اس آیت کریمہ کے سیاق سے ظاہر ہوتا ہے کہ "ناس" سے مراد جمیع ناس ہیں اور یہ محال ہے کہ یہاں "ناس" (لوگ) کہہ کر سارے لوگوں کو مراد لیا گیا ہو اور جن لوگوں کے جمع ہونے کا ذکر ہے وہ بھی سارے لوگ نہیں چند ہی تھے۔ لہٰذا عقل خود اس طرف رہنمائی کرتی ہے کہ وہ نہ سب لوگ جمع ہوئے نہ سب لوگوں کو خبر ہوئی اور نہ یہ لوگ جمیع ناس تھے اور وہ عام جس کی تخصیص دوسری آیت سے ہوتی ہو، یہ ہے:

☆ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ . (۲۴:النور۲)

یعنی زنا کار مرد اور عورت میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو اور اللہ کے دین کے معاملہ میں رحم ورافت سے متاثر نہ ہو۔ عمومِ آیت اور سیاقِ آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زنا کار عورت کی حد (سزا) سو دُرے ہے خواہ وہ آزاد ہو یا باندی لیکن باندیوں کے ذکر میں اللہ ربُّ العزت کا فرمان ہے:

☆ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ . (۴:النساء۲۵)

اس سے ثابت ہوا کہ ان کی سزا نصف ہے۔ پس یہ ایسا عام ہے جس کی تخصیص کر دی گئی ہے اور قرآن وہ عام جسے سنت نے خاص کیا ہے۔ آیات مواریث ہے۔ وراثت کے سلسلہ میں جو آیات کریمہ وارد ہوئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وارثوں میں باپ، ماں، اولاد یا دوسرے سب حصہ پائیں گے خواہ ان کا دین ومذہب متحد ہو یا مختلف یا ان میں سے کوئی قاتل ہو یا نہ ہو لیکن وہ سنت ہے۔ جو بتاتی ہے کہ مسلمان غیر مسلم کا وارث نہیں ہوسکتا اور غیر مسلم مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا اور یہ کہ میراث میں کوئی حصہ نہیں مل سکتا۔

آیات وراثت کے عموم سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب تک مرنے والے کا قرضہ نہ بیباق ہو جائے اور وصیت نہ نافذ ہو جائے۔ اس وقت تک ورثا کو کچھ نہ ملے گا۔ گویا عموم آیت سے مستفاد ہوتا ہے کہ وصیت میراث پر مقدم ہے۔ خواہ اس کی مقدار کتنی ہی ہو لیکن سنت اس عموم میں تخصیص پیدا کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ جو وصیت میراث پر تقدم رکھتی ہے۔ وہ ایک ثلث سے زیادہ نہیں ہوسکتی۔ آیات کا لفظ عام ہے لیکن سنت نے اسے بالکل خاص کر دیا۔ وہ عام جس سے خاص مراد ہے۔ قرآن کریم کی آیت مبارکہ ہے:

☆ وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْآ اَيْدِيَهُمَا . (۵:المائدۃ۳۸)

ترجمہ: چوری کرنے والے مرد اور عورت کے ہاتھ قطع کر دو

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ اس عام کو سنت نے خاص کر دیا ہے۔ کیونکہ عموم آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص نے کوئی سی بھی چیز چرائی ہو اس کی سزا قطع ید ہے خواہ وہ چیز کم ہو یا زیادہ اور خواہ اس کی نوعیت کچھ بھی ہو لیکن سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ ہے کہ ربع دینار سے کم پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔(۱)

تین بے حد اہم مسئلے:

قرآن کے عام کے مسئلہ پر گفتگو ختم کرنے سے پہلے ہم تین امور کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔ جو علماء اصول زیر بحث لائے ہیں۔ پھر ان مسائل پر جو رائے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے اس کا ذکر بھی کریں گے۔ یہ مسائل چونکہ اہم ہیں۔ لہٰذا مناسب ہے کہ ان پر الگ الگ خامہ فرسائی کی جائے۔

ا۔ عام کی تخصیص پر بحث:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ عام پر بغیر کسی توقف کے عمل کرتے ہیں۔ بشرطیکہ اس کی تخصیص نہ ثابت ہو۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اس سلسلہ بحث میں کہتے ہیں:

''صرف لغت عربی میں ہی نہیں بلکہ تمام زبانوں میں عام کے مقتضا پر اس وقت تک عمل کیا جاتا ہے۔ جب تک کہ اس کی تخصیص نہ ثابت ہو۔ مثلاً کوئی آقا اپنے غلام سے کہتا ہے کہ جو شخص میرے ہاں آئے اسے ایک درہم یا ایک روٹی دے دیا کرو۔ غلام اس فرمان پر عمل کرتا ہے۔ تو آقا کے لیے اس پر اعتراض کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے لیکن ان داخل ہونے والوں میں سے کسی کو درہم یا روٹی دے دینے کے باعث وہ غلام پر اعتراض کرے کہ اس شخص کو تو نے کیوں دیا، یہ ٹھگنا ہے۔ حالانکہ میں نے لمبے آدمیوں کو دینے کے لیے کہا تھا۔ یا یہ کالا ہے اور میں نے سفید فام لوگوں کو دینے کے لیے کہا تھا۔ تو غلام کہہ سکتا ہے کہ آپ نے کشیدہ قامت اور سفید فام کی کوئی تخصیص نہیں کی تھی۔ بلکہ یہ کہا تھا جو بھی آئے اسے دے دینا۔ میں نے ایسا ہی کیا اب جو

ا۔(صحیح بخاری، کتاب الحدود، رقم الحدیث 6789، صحیح مسلم، رقم الحدیث 1684، سنن ابی داؤد، رقم الحدیث 4384، سنن الترمذی، رقم الحدیث 1445، سنن ابن ماجه، رقم الحدیث 2585، مسند احمد، 80/6)

عقلمند بھی ان دونوں کی گفتگو سنے گا۔ وہ غلام کو عذر معقول قرار دے گا اور آقا کی بات ساقط قرار دے گا۔

لیکن اگر غلام ہر داخل ہونے والے کو درہم یا روٹی دیتے دیتے کسی ایک کو نہ دے اور اب آقا خفا ہو اور دریافت کرلے تو نے اسے کیوں نہیں دیا۔ اور جب وہ جواب دے کہ چونکہ یہ لمبے قد کا تھا یا گورے رنگ کا تھا اور میں یہ سمجھا کہ آپ کی مراد ٹھگنے اور سیاہ فام لوگوں سے ہے۔ تو غلام مستوجب تادیب ہوگا کیوں کہ اس نے بغیر کسی وجہ کے عام ہدایت کی خلاف ورزی کی۔

اسی طرح کوئی شخص کہتا ہے کہ میں نے اپنے تمام غلاموں اور باندیوں کو آزاد کیا اور یہ کہنے کے بعد اس کا انتقال ہو گیا تو اب جو عورت چاہے اس کے کسی غلام سے شادی کر سکتی ہے اور مرد چاہے اس کی کسی باندی سے نکاح کر سکتا ہے۔ کیونکہ اب یہ غلام نہیں رہے۔ آزاد ہو گئے ہیں ورثا کی رضامندی ضروری نہیں رہی۔'' امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک بھی یہ ہی ہے۔ ان کے نزدیک اگر عام مراد خاص ہے تو وہ تخصیص یا نص قرآن سے ہونی چاہیے یا اثر حدیث سے اکثر علماء اصول شافعی کے اس مسلک سے متفق ہیں۔ انہی میں حنفیہ بھی ہیں۔ فرق یہ ہے کہ احناف عام کی قوت کو شافعی کے مقابلہ میں زیادہ شدت سے تسلیم کرتے ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے برعکس حنفیہ کا قول ہے کہ لفظ عام کی عموم پر دلالت، ''دلالت قطعیہ'' ہے۔ لہٰذا اس کی تخصیص خبر احاد سے نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کہ قرآن قطعی الثبوت ہے اور اس کا عام قطعی الدلالت ہے اور خبر احاد ظنی الثبوت ہے اور قطعی کی تخصیص کسی طرح بھی ظنی سے جائز نہیں ہے۔

۲۔ خبر واحد سے تخصیص پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک:

ہر حالت میں خبر واحد سے قرآن عام کی تخصیص امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز اور درست ہے۔ جیسا کہ وہ اپنے ''الرسالہ'' میں احادیث آحاد تخصیص قرآن کا دعویٰ کر چکے ہیں۔ مثلاً قرآن نے زانی اور زانیہ کے لیے ۱۰۰ سو کوڑوں کی سزا کا حکم دیا ہے اور حدیث سے ثابت ہے کہ یہ سزا نہیں ملے گی جن کی شادی نہ ہوئی ہو۔ شادی شدہ زانی اور زانیہ کو سنگسار کیا جائے گا اور یہ حدیث رجم ''حدیث آحاد'' ہے۔ اس کے متعلقہ حنفیہ قرآن کے عام کی تخصیص کسی حدیث سے بھی جائز نہیں سمجھتے بجز اس صورت کے کہ عام تخصیص آخر سے مخصوص ہو۔ وہ کہتے ہیں کہ عام کی عموم پر دلالت قطعی ہے اس کی تخصیص ظنی سے روا نہیں۔

۳۔ حقیقت تخصیص کا بیان:

تیسرا مسئلہ ہے بیان حقیقت کا، کتب اصول عام اس سے کہ وہ شوافع کی ہوں یا احناف کی اس بات پر متفق ہیں کہ نص مختص کو ارادہ خصوص پر مبنی ہونا چاہیے۔ چنانچہ ''المستصفیٰ'' میں ہے۔ ''ادلہ مخصصہ کا تسمیہ جائز ہے۔ دلیل، ارادہ، متکلم کا عرفان ہے جونے دلفظ موضوع عموم سے خاص معنیٰ مراد لیتا ہے اور تخصیص، ایک صیغہ کا عموم سے نکلنے خصوص کی حدود میں داخل ہونے کا نام ہے۔ یعنی لفظ حقیقت سے نکل کر مجاز میں داخل ہوگیا۔''

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جمہور فقہا کی مراد تخصیص سے یہ ہے کہ لفظ عام سے مقصود خاص مراد لیا جائے۔ نسخ اور تخصیص میں فرق یہ ہے کہ نسخ سے احکام ثابتہ بدل جاتے ہیں اس کے برعکس تخصیص سے یہ ہوتا ہے کہ مخصوص عموم صیغہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الرسالہ'' میں اسی مسلک کو اپنایا ہے۔

شوافع اور احناف کا نقطہ اختلاف:

بہر حال تخصیص کی کیفیت یہ ہے کہ نئے اہ عام کو خاص کرنے والی دلیل مخصوص مقارن ہو یا اس سے متاخر ہو یا اس سے سابق ہو وہ تخصیص ہے شافعی کا مسلک یہی ہے لیکن حنفیہ کا مسلک اس سے ذرا مختلف ہے۔ وہ تخصیص کی دلیل کے لیے یہ شرط عائد کرتے ہیں کہ اسے عام سے مقارن ہونا چاہیے۔ یعنی ایسا قرینہ موجود ہونا چاہیے جو اس بات پر دلالت کرتا ہو کہ لفظ عام سے خاص مراد ہو اور اس صورت میں وحدت زمانی کا بھی، دونوں میں کوئی لحاظ ضروری نہیں ہے، کیونکہ متاخر تعارض باہمی کی صورت میں متقدم ناسخ ہوگا۔ اگر چہ متاخر عام ہی کیوں نہ ہو اور حنفیہ کے اس مسلک کی بنیاد یہ ہے کہ وہ عام کو قطعی الدلالت خیال کرتے ہیں۔ (امام شافعی ص ۳۴۶)

مطلق ومقید:

مطلق وہ لفظ یا حکم ہے جو صرف ذات پر دلالت کرے اور صفات پر دلالت نہ کرے یا مطلق وہ ہے جو چیز کی ماہیت پر بغیر قیود کے دلالت کرے...... مقید وہ لفظ یا حکم ہے جو ذات پر دلالت کے ساتھ ساتھ اس کی صفات پر بھی دلالت کرے احکام شوافع کے نزدیک اسے خبر واحد یا قیاس سے مقید کیا جا سکتا ہے۔ مثال (۱) قرآن میں ہے۔ **فاغسلوا وجوهکم**...... شوافع کے

نزدیک نیت اور ترتیب بھی وضو میں فرض ہے اور ان کے بغیر وضو صحیح نہیں......(۲) الزانیة والزانی فاجلدوا کل واحد منهما مائة جلدة......امام شافعی کے نزدیک 100 کوڑے اور جلاوطنی دونوں حد اور شرعی سزائیں اور یہ حاکم کی صوابدید پر نہیں......(۳) ولیطوفوا بالبیت العتیق ......اور چاہیے کہ وہ بیت اللہ کا طواف کریں۔

احناف کے نزدیک یہ آیت طواف کے لیے مطلق ہے اور اس پر عمل ممکن ہے۔ اس لیے کسی خبر واحد یا قیاس سے اس کی تقلید نہیں کی جائے گی۔ پس خبر واحد جس میں وضو کی طواف کے لیے شرط آئی ہے اس کی تقلید نہیں کرے گی بلکہ دونوں پر علیحدہ علیحدہ عمل ہوگا۔ یعنی قرآن کی رو سے طواف فرض ہے اور حدیث کی رو سے اس کے لیے وضو واجب ہوگا اور ترک واجب کی احناف کے نزدیک کفارہ سے تلافی ہو جاتی ہے۔ شوافع کے نزدیک طواف کے لیے وضو شرط ہے پس بغیر وضو کے طواف نہ ہوگا اور وضو کے ترک کی کفارہ سے بھی تلافی نہ ہو سکے گی۔ (تفہیم الفقہ ص ۲۱_۱۹)

امر و نہی:

کسی چیز کے حکم کو امر کہتے ہیں۔ شوافع کے نزدیک ارتقائی پہلو مدنظر رکھ کر امر فعل امر قول کے برابر ہے۔ نہی کسی چیز کی روک کے بارے میں ہے۔ شوافع کے نزدیک افعال سے متعلقہ نہی کا تقاضا یہ ہے کہ شرعی افعال میں قبح لعنتہ (مستوجب لعنت برائی) ثابت کیا جائے۔ (شرح نور الانوار ا:۲۰۰)

صریح و کنایہ:

صریح وہ لفظ ہے کہ اس کے معنیٰ اور جو اس سے مراد ہو وہ ظاہر ہو یعنی بولتے ہی معنیٰ سمجھ آ جائے مثلاً بعت واشتریت وغیرہ صریح کا حکم یہ ہے کہ اپنے معنیٰ کو یقیناً ثابت کرے خواہ وہ جملہ خبر ہو یا لغت ہو یا ندا ہو اور اس میں نیت کرنے کی ضرورت نہیں مثلاً جب کسی شخص نے اپنی زوجہ کو کہا انت طالق تجھ کو طلاق ہے یا کہا کہ طلقتك میں نے تجھ کو طلاق دے دی کہا تو طلاق فوراً واقع ہو جائے گی طلاق کی نیت کی ہے یا نہیں۔ اس کی اصل پر علماء احناف تیمم کی نسبت فرماتے ہیں کہ تیمم مفید طہارت ہے کیونکہ اللہ نے فرمادیا ہے: ولکن یرید لیطھر کم اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم کو پاک کرے یہ آیت حصول طہارت کے ثبوت میں صریح ہے۔ امام شافعی کے اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ تیمم طہارۃ ضروری ہے دوم یہ کہ تیمم طہارت نہیں بلکہ حدیث کو چھپا دینے والا ہے۔ لہٰذا مابین حنفی اور شافعیوں کے کئی مسائل ہیں۔

قرآنی عربی پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل

قرآن میں عجمی کلمات:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جس زمانہ میں آنکھیں کھولیں وہ اضطراب اقوال کا عہد تھا۔ اس زمانہ میں بہت سے فرقے پیدا ہو چکے تھے اور ان فرق میں رزم اور پیکار کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ پھر ہمیں دیکھ کر ذرا حیرت نہیں ہوتی کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں ایسے لوگ بھی تھے جو قرآن میں معین عربی الفاظ دیکھ کر کہنے لگے تھے کہ قرآن کی زبان عربی خالص نہیں ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس مہمل خیال کی تردید کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور قرآن کریم کی عربیت خالص ثابت کرنے کے لیے میدان میں اتر آئے اور اسی شان جدل سے جو ان کا امتیاز خاص تھا وہ کہتے ہیں۔ ''علمی مسائل میں وہ لوگ بھی لب کشائی کرتے ہیں۔ جن کے لیے سکوت ہی بہتر تھا اور یہی طرز عمل سلامتی سے قریب تر تھا۔ ان میں بعض کا کہنا ہے کہ قرآن میں عربی اور عجمی دونوں طرح کے الفاظ ہیں۔ حالانکہ قرآن سے ثابت ہوتا ہے کہ کتاب اللہ میں جو کچھ ہے وہ لسان عرب میں ہے۔ مگر جو کہتا ہے کہ قرآن میں غیر لسان عرب بھی کچھ ہے یا جو اس قول کو تسلیم کرتا ہے۔ اس کی حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ قرآن میں ایسے الفاظ بھی ہیں۔ جن سے بعض عرب ناواقف ہیں۔ (الرسالۃ ص ۴۲)

دلائل امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ:

اپنے دعویٰ کی دلیل میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جو دلیلیں پیش کی ہیں اس جگہ ان کا تذکرہ ہم ضروری سمجھتے ہیں۔ ''قرآن کی زبان کے بعض الفاظ سے اگر بعض عرب ناآشنا ہیں تو یہ اس کے عجمی ہونے کی دلیل نہیں بلکہ اگر دلیل ہے۔ تو اس بات کی کہ بعض لوگ لغات عرب سے واقف نہیں ہیں اور کوئی شخص بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ زبان عربی کے تمام الفاظ کا وہ احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اس لیے کہ یہ زبان حد درجہ وسیع اور بے انتہا ذخیرہ الفاظ کی حامل ہے اور اس کے تمام الفاظ کا احاطہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کسی شخص کے بس کا روگ نہیں ہے۔ پس گو علم لسان عربی انفرادی طور پر متعذر ہے لیکن مجموع کے لیے بہر حال ثابت ہے۔ یعنی مجموعی طور پر سارے عرب پوری لسانی عربی سے واقف ہیں۔ گو انفرادی طور پر ہر شخص نہ ہو۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے علم سنت کی۔

کوئی ایک صحابی رضی اللہ عنہ بھی اس کا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ جملہ سنت کا وہ احاطہ کیے ہوئے ہے۔ البتہ مجموع صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں یہ دعویٰ صحیح ہے اسی طرح ان کے بعد تابعین کے بارے میں پھر ان کے بعد آنے والے خلائف کے بارے میں بھی صحیح ہے۔ اگر جمیع اہل علم کا علم جمع کیا جائے تو تمام سنت کا احاطہ صحیح ہے لیکن ہر عالم کو اگر اس کے علم سے جانچا جائے تو کسی نہ کسی سے کوئی سنت رہ جائے گی اور جو سنت کسی ایک عالم کے علم میں نہیں ہے۔ وہ کسی دوسرے عالم کے علم میں ضرور ہے بالکل یہی کیفیت لسان عربی کی ہے۔ ہر شخص اس زبان کے بہت سے الفاظ جانتا ہے لیکن سب نہیں۔ نیز ''یہ بھی ممکن ہے کہ عربی کے کچھ الفاظ بعض عجمیوں نے سیکھ لیے ہوں اور رفتہ رفتہ ان کی زبان میں داخل ہو گئے ہوں اور قرآن کے بعض کلمات قلیلہ ان الفاظ سے موافق ہوں جس طرح یہ ممکن ہے کہ لسان عجم میں سے کسی زبان کے کچھ الفاظ لسان عرب سے موافق ہو گئے ہوں!''

قرآن کے عجمی الاصل الفاظ:

گو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس کے معترف ہیں کہ قرآن میں چند الفاظ ایسے ہیں جو عجمی الاصل ہیں لیکن یہ الفاظ جب عربی زبان میں داخل ہو گئے اور عرب انہیں بولنے لگے تو یہ بھی عربی ہو گئے۔ کیونکہ ان کے مخارج نے مخارج حروف عربیہ کی صورت اختیار کر لی تعریب کے عمل سے گزر کر صیقل پا گئے۔ یہ الفاظ عجمی الاصل ہونے کے باوجود جو عربی ہو گئے۔'' امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تائید کی ہے۔ اس سلسلہ بحث میں وہ کہتے ہیں: قرآن میں اگر کچھ عجمی الفاظ بولتے ہیں تو اور نہیں، اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ جن الفاظ کو عرب بولتے ہوں۔ جو ان کی زبان پر جاری ہوں۔ جن کے معنیٰ اور مفہوم سے وہ آشنا ہوں تو یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ وہ الفاظ عربی نہیں ہیں؟...... (الموافقات للشاطبی جلد۲ ص۴۳)

قرآن خود کہتا ہے:

اس سلسلہ بحث میں آگے چل کر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض آیات قرآنی استدلال میں پیش کی ہیں کہ قرآن کی زبان عربی ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان میں نازل ہوا ہے مثلاً اللہ عزوجل فرماتا ہے:

☆ وَإِنَّهُ لَتَنزِيلُ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ○ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ○ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ○ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ ○

ترجمہ: ''اسے (قرآن کو) اللہ نے اتارا ہے اور رُوح الامین نے صاف عربی زبان میں

تیرے قلب پر نازل کیا ہے۔تا کہ تو لوگوں کو خدا سے ڈرائے!'' (۱۹۲تا۱۹۵:الشعراء۲۶)

یا ایک دوسری جگہ آیت میں ہے:

☆ ''وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا'' (۱۱۳:طٰہٰ۲۰)

ترجمہ: ''یعنی قرآن کو ہم نے عربی زبان میں اتارا ہے۔''

نیز اللہ ربّ العزت کا فرمان ہے:

☆ ''وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ'' (۴:ابراہیم۱۴)

ترجمہ: ہم نے جو نبی بھیجے ہیں (اور انہیں جو کتاب دی ہے) وہ ان کی قوم کی زبان میں ہے۔

اس کے بعد امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے جو انبیاء کرام علیہم السلام آئے وہ صرف اپنی قوم کے لیے آئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کافۂ ناس کے لیے ہوئی ہے۔لہٰذا بات محتمل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف اپنی قوم ہی کے لیے نبی بنا کر بھیجے گئے ہوں..... کیونکہ کافۂ ناس کے لیے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سیکھنا طاقت سے باہر ہے لیکن یہ بات بھی تو پیش نظر رکھنی چاہیے کہ زبانیں مختلف ہیں۔ایک قوم دوسری قوم کی زبان نہیں سمجھ سکتی پس ضروری ہوا کہ بعض دوسرے کی متابعت کریں اور فضیلت و افضیلت اسی زبان کو حاصل ہوگی۔جو تابع کی نہیں بلکہ متبع کی ہے۔لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان دوسری زبانوں پر فائق ہوئی اور ہر دوسری زبان لسان نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تابع ہو۔''

ہر مسلمان کے لیے عربی سیکھنا واجب ہے:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ مخالفین و معترضین کے صرف ان دلائل کے اوپر ہی اکتفا نہیں کرتے اور ان کی باتوں کو زعم باطل ہی کہہ کر خاموش نہیں ہو جاتے بلکہ کہتے ہیں کہ احکام شرعیہ کا استنباط عربی زبان ہی پر مبنی ہے اور چونکہ قرآن عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔لہٰذا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر مسلمان کے لیے عربی کا سیکھنا واجب ہے اور اس سے روگردانی نہیں کی جا سکتی۔(الرسالہ ص۴۹)

بلکہ ایک روایت تو یہ ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عقد زوج بھی عربی کے بغیر جائز نہیں ہے۔بشرطیکہ اس پر قدرت ہو۔اسی طرح امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا خیال یہ بھی ہے کہ چونکہ قرآن کی زبان عربی ہے لہٰذا جو شخص اس سے احکام و مسائل کا استنباط کرنا چاہتا ہے۔اس کے لیے واجب ہے کہ لسان عربی کا خوب ماہر ہو اس لیے جب تک اسالیب عربیہ کے مقتضا سے واقفیت نامہ نہ ہو اس وقت تک فہم قرآن پورے طور پر ممکن ہی نہیں۔

اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے بہت سی باتیں کی ہیں۔جن میں سے چند

یہ ہیں: قرآن لسان عرب پر نازل ہوا۔ جس کا مقصد نصیحت للمسلمین ہے اور نصیحت ایسی ہے جس کا ترک جائز نہیں اور نصیحت کے ساتھ ایضاح حق بھی وہ کرتا ہے اور قیام بالحق و نصیحت المسلمین طاعت الٰہی ہے اور طاعت الٰہی جامع خیر ہے۔ حضرت جریر بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔

''میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہر مسلمان کو نصیحت کرنے پر بیعت کی۔''(۱)

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''دین نصیحت ہے۔ دین نصیحت ہے۔ دین نصیحت ہے۔''(۲)

قرآن میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ آغاز کلام ایسے لفظ سے ہوتا ہے۔ جس کی تبیین آخر لفظ سے ہوتی ہے یا اس کے برعکس یعنی آخر لفظ کی وضاحت اول لفظ سے ہوتی ہے یا وہ ایسی چیز کا ذکر کرتا ہے۔ جو لفظی وضاحت کے بدون صرف معنیٰ سے سمجھ میں آجاتی ہے۔ اس کے سمجھنے کیلئے صرف ذرا سا اشارہ ہی کافی ہوتا ہے اور یہ انداز و اسلوب اس کے نزدیک بہت اعلیٰ ہے۔ جس سے صرف اہل علم ہی بہرہ ور ہو سکتے ہیں نہ کہ جاہل۔ وہ کبھی ایک ہی چیز کو اسماء الکثیر ہ کے نام سے موسوم کرتا ہے اور کبھی ایسا بھی کرتا ہے کہ ایک ہی اسم کو معانی کثیرہ کا حامل بنا دیتا ہے۔ (امام شافعی ص ۳۴۹)

فقہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مصدر دوم ''السنّت'':

قرآن سے استنباط کرنے کے سلسلہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہم نے وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا شریعت میں قرآن کی حجیت اور اثبات ایک مسلمان کی نظر میں محتاج دلیل ہے ہی نہیں۔ کیونکہ اثبات شریعت کے لیے جو حجیت قرآن کا انکار کرتا ہے۔ وہ ملت اسلام سے خارج ہو جاتا ہے ضروری ہے کہ اس سے توبہ کرائی جائے توبہ نہ کرے تو قتل کر دیا جائے۔ لیکن جہاں تک سنت کا تعلق ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو ایسے لوگوں سے دوچار ہونا پڑا جو حجیت سنت کے منکر تھے۔ ان میں وہ لوگ بھی تھے جو سرے سے سنت کو تسلیم نہیں کرتے تھے اور وہ بھی جو احکام قرآنی سے ماوراء سنت کے احکام مثبتہ کا انکار کرتے تھے۔ ان کے نزدیک سنت سے قرآن کی تبیین تو ہو سکتی ہے لیکن اضافہ نہیں ہو سکتا اور وہ لوگ بھی تھے۔ جو خبر احاد کی حجیت سے منکر تھے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو ان سب سے دوچار ہونا پڑا اور انہوں نے دلائل سے یہ بات ثابت کی کہ اثبات زیادتی کا انکار کرتے ہیں۔ (امام شافعی ص ۳۵۷)

۱۔ (صحیح مسلم، کتاب الایمان، رقم الحدیث:59)

۲۔ (صحیح مسلم، کتاب الایمان، رقم الحدیث: 55، سنن ابوداوٗد، رقم الحدیث: 4944، مسند احمد، 102/4، ابن حبان فی الاحسان، رقم الحدیث: 4574)

منکرین حدیث:

منکرین حدیث کے افکار واقوال کا کچھ حصہ ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے الام (اجماع العلم) میں ان لوگوں کا ذکر کیا ہے۔ جو اس اجماع کے مخالف ہیں بتایا ہے کہ ان لوگوں کے تین مذاہب ہیں اور ہر مذہب میں متعدد فرقے ہیں۔ ایک فریق تو وہ ہے جو سرے سے حدیث وسنت کی حجیت کا انکار کرتا ہے دوسرا فریق ایسی حدیثوں کا قائل ہے جو قرآن سے مطابقت رکھتی ہوں اور تیسرا وہ منکرین حدیث فرقہ جو صرف مستفیض اور مشہور حدیثوں کا قائل ہے۔

مذہب اوّل کے سلسلہ ذکر میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: (سوال و جواب کی صورت میں) کوئی شخص قرآن میں شک کرے تو آپ اس سے توبہ کرائیں گے اور وہ توبہ نہ کرے تو قتل کر دیں گے۔ پھر یہ بتایئے جب قرآن نے دکھتا ہے کہ وہ ''تبیان'' ہے یعنی اس نے ہر چیز کھول کھول کر بیان کر دی ہے پھر آپ یا کسی اور شخص کے لیے کسی چیز میں جسے خدا نے فرض کیا ہو۔ یہ کہنا کہ صحیح ہے کہ کبھی عام کو کہا جائے کبھی خاص کو۔

آپ کے پاس جو احادیث ہیں انہیں دوسرے لوگوں نے روایت کیا ہے۔ یہ دو باتیں یا زیادہ راویوں کے واسطہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتی ہیں۔ میں نے ان لوگوں کو جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم مسلک ہیں۔ دیکھا ہے کہ جس کسی سے آپ لوگ ملتے ہیں اس کے صدق وحفظ اور بھول چوک کا ساتھ ساتھ اقرار کرتے ہیں۔ اکثر راویوں کے بارے میں آپ حضرات کا قول ہے کہ فلاں شخص نے فلاں حدیث کے بیان کرنے میں غلطی کی تھی اور فلاں راوی سے فلاں راوی حدیث میں چوک ہوئی۔ پھر اگر کوئی شخص کسی ایسی حدیث کے بارے میں جس کی رو سے آپ نے کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دیا ہے۔ یہ کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا نہیں فرمایا۔ اس میں آپ سے یا راوی سے چوک ہوئی آپ نے یا راوی نے غلطی کی آپ نے یا راوی نے جھوٹ بولا۔ تو اس سے آپ توبہ کیوں کراتے ہیں؟ اور اس کی بات کو برا کیوں کہتے ہیں؟ کیا یہ امر جائز ہے کہ قرآن کے ظاہر اور قرآن کے احکام میں فرق کیا جائے؟ وہ بھی ان احادیث کی بنا پر جن کے راویوں کے بارے میں معلوم ہے کہ غلطی کر سکتے ہیں؟ آپ لوگ ان کی حدیثوں کو کتاب اللہ کے مقام پر رکھتے ہیں اور انہی حدیثوں کی بنا پر لوگوں کو کسی بات کا حکم دیتے یا اس سے منع کرتے ہیں۔

سنت (حدیث) قرآن کی کلید ہے:

مذکورہ بالا رائے سنت کو ڈھا دینے والی ہے اور اصل فقہ اسلامی میں اسے ذرا بھی منزلت حاصل نہیں ہوتی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر بحث کرتے ہوئے بتایا ہے کہ یہ رائے ایک بہت بڑے امر عظیم پر منتج ہوتی ہے۔ کیونکہ اس پر عمل کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ نماز، زکوٰۃ اور حج وغیرہ فرائض جملہ کا جو ذکر قرآن میں ہے اور جن کی تبیین سنت نے کی ہے۔ ان کا انحصار صرف قدر لغوی پر رہ جائے گا۔

مثلاً از روئے قرآن نماز فرض ہے لیکن کتنی؟ اس کا اطلاق اس لفظ کے کم سے کم معنی پر بھی ہو سکے گا۔ زکوٰۃ فرض ہے لیکن نصاب کا کوئی سوال نہیں معمولی سا صدقہ بھی زکوٰۃ میں شامل ہو سکے گا۔ اگر کوئی آدمی دن بھر میں دو رکعتیں بھی پڑھ لے تو کافی ہے اور وہ کہہ سکتا ہے کہ جو کچھ کتاب اللہ میں نہیں ہے، وہ فرض بھی نہیں ہے۔ لہٰذا نماز اور زکوٰۃ وغیرہ سب ساقط ہو جائیں گے۔ اس گروہ میں وہ لوگ بھی ہیں جو سنت کو صرف اس صورت میں قبول کرتے ہیں کہ قرآن اس کی تائید میں ہو اس جماعت کا ذکر کرتے ہوئے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

''قرآن میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کے بارے میں خبر کا قبول کرنا ضروری ہوگا گویا یہ لوگ قرآن کے سوا کچھ اور نہیں مانتے اور قرآن میں بھی ناسخ اور منسوخ اور خاص و عام کو تسلیم نہیں کرتے۔'' گویا ان کا مسلک یہ ہے کہ سنت کتاب اللہ کے مقابلے میں شرح زائد نہیں معین کر سکتی۔ اس لیے کہ اس کے اس طرح کے احکام قرآن میں نہیں ہیں۔ نہ آیات بینات سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

خبر آحاد:

اس گروہ کا تیسرا مذہب جو اہل سنت والجماعت کا مخالف ہے۔ وہ ہے جو خبر احاد کی حجیت کا بالکل انکار کرتا ہے اور ان کا ذرا بھی اعتبار نہیں کرتا۔ یہ لوگ صرف اخبار متواترہ یا مستفیضہ مشہورہ کا اعتبار کرتے ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس مسلک کے بارے میں اظہار رائے کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''یہ جماعت اس بارے میں ہم سے متفق ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثبت اخبار امت کے لیے لازم ہے یہ لوگ اور اس جماعت کے دوسرے لوگ

کہتے ہیں کہ احکام اور مفتیوں میں سے کسی شخص کو یہ حق نہیں ہے کہ کوئی ایسا فتویٰ دے جو بہت احاطہ سے باہر ہو۔ احاطہ سے مراد کتاب وسنت مجتمع علیہا اور اجماع ناس ہے۔ مثلاً ظہر میں چار رکعتیں فرض ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ مسلمانوں کا کوئی گروہ اس بارے میں مختلف القول نہیں ہے۔ لہٰذا کسی شخص کے لیے اس باب میں شک کی گنجائش بھی نہیں۔''

منکرین حدیث کی یہ قسم وہ ہے کہ صرف وہ حدیثیں اس کے نزدیک قابل قبول ہیں جو شک وریب سے بالاتر ہوں اور ان کے احکام میں کسی طرح کی منازعت نہ ہو۔ اس علم کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے علم احاطہ کا نام دے دیا ہے جو علم ظاہر وباطن پر حاوی ہے۔

منکرین حدیث کی قسمیں:

منکرین حدیث کے اقوال جو عامہ مسلمین کے مسلک کے خلاف ہیں۔ ان کو ہم تین گروہوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

(۱) وہ منکرین حدیث جو مطلق طور پر حجیت حدیث کا انکار کرتے ہیں۔

(۲) وہ منکرین حدیث جو صرف ان حدیثوں کو تسلیم کرتے ہیں جو قرآن سے مطابقت رکھتی ہوں

(۳) وہ منکرین حدیث جو صرف مستفیض اور مشہور حدیثوں کے قائل ہیں۔

ان تمام اقوال کی مخالفت اور ان تمام گروہوں کا مقابلہ اس نوجوان نے کیا جسے مکہ اور بغداد کے لوگوں نے ناصر الحدیث کا لقب دیا اور تاریخ فقہ بلکہ تاریخ فکر اسلامی نے جسے ملتزم السنت قرار دیا۔ ہماری مراد امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ میں حجیت حدیث وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اثبات فریق اول کے اقوال کا رد کرتے ہوئے کتاب اللہ اور دوسرے دلائل سے کیا ہے۔ جنہیں انہیں کے الفاظ میں مختصر طور پر ہم بیان کرتے ہیں۔

ایمان بالرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

اللہ عزوجل نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان اسی طرح لازم قرار دیا ہے۔ جس طرح نے اپنے لیے۔ ایمان بالرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معنیٰ یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و

افعال وتقریرات کی اطاعت واجب ہے اور اس واجب کی رو سے سنت نبویہ بھی شرع کریم کا مصدر ٹھہرتی ہے۔ جیسا کہ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا ہے:

☆ ''فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ وَ اتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ'' (۱۵۸:۷الاعراف۷)

ترجمہ: ''اللہ پر اور اس کے نبی امی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لاؤ۔ اس کے ارشاد کو تسلیم کرو۔ اس کی پیروی کرو تاکہ ہدایت پاؤ۔''

نیز اللہ عزوجل فرماتا ہے:

☆ ''اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰۤى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ یَذْهَبُوْا حَتّٰى یَسْتَاْذِنُوْهُ'' (۶۲:النور۲۴)

ترجمہ: ''مومن تو اصل میں وہی ہیں جو اللہ اور اُس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دِل سے مانیں اور جب کسی اجتماعی کام کے موقع پر رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ ہوں تو اُن سے اجازت لئے بغیر نہ جائیں۔''

ان دونوں آیتوں سے صریح طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایمان بالرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسلام کا جزو ہے۔ ایمان کا ثمرہ اتباع ہوتا ہے اور یہ بات کسی طرح بھی معقول نہیں قرار دی جاسکتی کہ ایمان بالرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو واجب ہو لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و افعال اور تقریرات کا اتباع واجب نہ ہو۔

کتاب وحکمت:

اللہ عزوجل نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں:

☆ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ یُزَكِّیْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ.

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار بھیج ان میں ایک رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہی میں سے کہ پڑھے ان پر تیری آیات اور سکھلائیں ان کو کتاب اور دانائی کی باتیں اور پاک کرے ان کو بے شک تو ہی بہت زبردست حکمت والا ہے۔ (۱۲۹:البقرۃ۲)

نیز اللہ عزوجل نے فرمایا ہے:

☆ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ.

ترجمہ: ہم نے تم میں سے تمہارے مابین رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھیجا جو تمہارے سامنے ہماری آیتوں کی تلاوت کرتا ہے۔ تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے۔ (۱۵۱:البقرۃ۲)

ان آیات میں اور اس طرح کی دوسری آیات میں کتاب سے مراد قرآن اور حکمت سے مراد سنت نبویہ ہے۔ اس لیے کہ حکمت کا ذکر کتاب کے ساتھ ساتھ آیا ہے اور اللہ نے اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں پر فرض کی ہے اور لوگوں کو امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا لازمی طور پر کتاب اللہ کے بعد سنت کا درجہ آتا ہے۔ جیسا کہ اللہ نے ایمان بالرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی طرح لازم قرار دیا ہے جس طرح ایمان باللہ۔ پس کتاب اور حکمت، کتاب اور سنت کا اقتران (قریب ہونا) ہے۔

اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

اللہ عزوجل نے مومنین پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اور اتباع کو فرض کیا ہے۔ جس کی طاعت واجب ہو، اس کے اقوال کی پیروی بھی لازمی ہے۔ جو مخالفت کرے وہ عاصی ہے۔ لہٰذا سنت نبوی شریعت میں حجت کی حیثیت رکھتی ہے۔ معصیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا نے خود اپنی معصیت قرار دی ہے۔ جیسا کہ قرآن میں وارد ہوا ہے:

☆ وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ○

ترجمہ: یعنی کسی مومن و مومنہ کے لیے یہ زیب نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی فیصلہ کر دیں تو وہ اسے بے چون و چرا تسلیم نہ کرے۔ جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کرتا ہے وہ بہت بڑی گمراہی میں مبتلا ہے۔ (۳۶:الاحزاب۳۳)

نیز اللہ فرماتا ہے:

☆ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ

مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَ الرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ ○ (۵۹:النسآء۴)

ترجمہ: یعنی اے مسلمانو! اللہ اور رسول اللہ (ﷺ) اور اپنے اولی الامر کی اطاعت کرو۔ اگر تم میں کوئی تنازعہ پیدا ہو جائے تو اسے خدا اور اس کے رسول اللہ (ﷺ) کی طرف لوٹاؤ اگر تم خدا اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔

نیز قرآن کریم میں وارد ہوا ہے:

☆ وَ مَنْ يُّطِعِ اللَّهَ وَ الرَّسُولَ فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيِّينَ وَ الصِّدِّيقِينَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِينَ وَ حَسُنَ أُولَئِكَ رَفِيقًا ○

ترجمہ: جو کوئی حکم مانے اللہ کا اور اس کے رسول اللہ ﷺ کا سو وہ ان کے ساتھ ہیں۔ جن پر اللہ نے انعام کیا کہ وہ انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین ہیں اور اچھی ہے ان کی رفاقت۔ (۶۹:النسآء۴)

نیز اللہ عزوجل فرماتا ہے:

☆ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ. (۸۰:النسآء۴)

ترجمہ: جس نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

نیز قرآن کریم میں آیا ہے:

☆ فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا.

ترجمہ: نہیں، اے محمد (ﷺ)، تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ آپ فیصلہ کریں اس پر اپنے دِلوں میں بھی کوئی تنگی محسوس نہ کریں، بلکہ سربسر تسلیم کرلیں۔ (۶۵:النسآء۴)

حجت لازم:

اللہ عزوجل نے ادعاء رسول اللہ ﷺ کو ادعاء بعض کی طرح نہیں قرار دیا ہے۔ نہ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی طرح مانا ہے بلکہ مخالف حکم رسول اللہ ﷺ غیر مسلم قرار دیا ہے۔

تو جب صورت حال یہ ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام واقوال سنت متبعہ اور حجت ملزمہ ہوئے۔

مثلاً اللہ ربّ العزت فرماتا ہے:

☆ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بلانے کو اپنے میں ایسا مت سمجھ جیسا کہ آپس میں ایک دوسرے کا بلانا سمجھتے ہو۔ اللہ عزوجل ان لوگوں کو جانتا ہے جو تم میں آنکھ بچا کر کھسک جاتے ہیں۔ پھر جو لوگ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم نہیں مانتے ان کو ڈرنا چاہیے کہ کوئی مصیبت ان پر نہ آن پڑے یا کوئی تکلیف کا عذاب ان کو نہ پہنچے۔ (۶۳:النور۲۴)

نیز ارشاد الٰہی ہے:

☆ وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ○ وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ○ اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ○

ترجمہ: اور جب اُن کو اللہ اور اُس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف بلایا جاتا ہے تا کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کا قضیہ چکا دیں تو اُن میں سے ایک فرقہ منہ پھیر لیتا ہے۔ اور اگر معاملہ حق (ہو اور) اُن کو (پہنچتا) ہو تو ان کی طرف مطیع ہو کر چلے آتے ہیں۔ کیا اُن کے دلوں میں بیماری ہے یا (یہ) شک میں ہیں یا ان کو یہ خوف ہے کہ اللہ اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کے حق میں ظلم کریں گے؟ (نہیں) بلکہ یہ خود ظالم ہیں۔ مومنوں کی تو یہ بات ہے کہ جب اللہ اور اُس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف بلائے

بلائیں تاکہ وہ ان میں فیصلہ کر دیں تو کہیں کہ ہم نے (حکم) سن لیا اور مان لیا اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی فرمانبرداری کرے گا اور اس سے ڈرے گا تو ایسے ہی لوگ مراد کو پہنچنے والے ہیں۔ (۴۸۔۵۲:النور ۲۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ اللہ کا فیصلہ ہے:

اس طرح اللہ نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس فیصلہ کرانے کے لیے جانا۔ گویا خدا سے فیصلہ طلب کرنا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔ اللہ نے یہ بھی بتا دیا کہ جو اس کا حکم ہے۔ وہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ہے اور ان تمام باتوں سے یہ ثابت ہوا کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم درحقیقت شریعت ہی ہے۔

تبلیغ رسالت کا حکم:

اللہ عزوجل نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ اپنی رسالت کی تبلیغ کریں۔ شریعت کی تبیین کریں۔ وحی کی پیروی کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کے سامنے قرآن پیش کیا یہی تبیین بھی تھی۔ پس شریعت جس طرح قرآن ہے۔ اسی طرح فرمان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہیں۔ اس لیے کہ یہ بلاغ للناس اتباع وحی ہی تو ہے۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

☆ اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِیْنَ ○ (۱۰۶:الانعام ۶)

ترجمہ: یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ تیرے رب کی طرف سے وحی آتی ہے۔ اس کی پیروی کر اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور مشرکین سے گریزاں رہ۔

اسی طرح اللہ عزوجل فرماتا ہے:

☆ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰی شَرِیْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ○ (۱۸:الجاثیہ ۴۵)

ترجمہ: یعنی: ہم نے تجھے شریعت دی ہے۔ اس کی پیروی کر، ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کر جو ناواقف ہیں۔

تبلیغ کا حکم اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان الفاظ میں دیا ہے:

☆ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَ اللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ. (المائدہ ۵: ۶۷)

ترجمہ: اے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! اللہ نے جو وحی تجھ پر اتاری ہے۔ اس کی تبلیغ کر اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو گویا پیام رسالت نہ پہنچایا۔ اللہ تجھے لوگوں کے شر سے ہر طرح محفوظ رکھے گا۔

تبلیغ اور اتباع وحی کی شہادت اللہ عزوجل ان الفاظ میں دیتا ہے:

☆ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ (الشوریٰ ۴۲: ۵۲)

ترجمہ: اور اسی طرح (اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم نے اپنے حکم سے ایک روح تیری طرف بھیجی۔ تجھ کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کتاب کیا چیز ہے اور نہ ایمان معلوم تھا لیکن ہم نے قرآن کو ایک نور بنایا۔ ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں اس قرآن سے راہ پر لگا دیتے ہیں اور تو بھی سیدھی راہ لوگوں کو دکھلاتا رہتا ہے۔

نیز اللہ فرماتا ہے:

☆ وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَ رَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ وَ مَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ○ (النساء ۴: ۱۱۳)

ترجمہ: اور (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تجھ پر نہ ہوتی تو ان میں ایک گروہ تجھے بہلا دینے پر مستعد ہو ہی گیا تھا اور درحقیقت وہ اپنے تئیں بہکا رہے ہیں اور تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور اللہ نے تجھے پر کتاب اتاری اور حدیث اور جو تو نہیں جانتا تھا وہ تجھ کو سکھایا اور اللہ کا بڑا فضل ہے تجھ پر۔

اس آیت نیز آیات ماسبق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ فرماتے ـــــــ

تھے اپنی طرف سے نہیں فرماتے تھے بلکہ درحقیقت وہ حکم خداوندی ہوتا تھا جیسا کہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے...... ''خدا نے جس چیز کا حکم دیا ہے میں نے تمہیں اسی بات کا حکم دیا ہے، ایسی کوئی چیز نہیں چھوڑی، اسی طرح اللہ عزوجل نے تمہیں جس چیز سے منع کیا ہے میں نے بھی اسی چیز کی ممانعت کی ہے اور ایسی کوئی چیز نہیں چھوڑی۔''

پس جب کہ صورت حال یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جملہ فرامین اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سارے افعال اللہ عزوجل کے امرونہی کا بیان ہیں۔ تو بے شک مسلمانوں کو حق ہے کہ ان سے حجت پکڑیں اور اس نور کی روشنی میں امر الٰہی کی معرفت حاصل کریں۔

قرآن سے تائید:

اسی طرح امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وہ آیات قرآنیہ بھی پیش کرتے ہیں جن سے اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ سنت فقہ اسلامی کے مصادر میں سے ایک اہم مصدر ہے۔ بلکہ یہ ایسا علم ہے جو اپنے مرتبہ میں قریب قریب کتاب الٰہی کا ہم پایہ ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو شاید اس استدلال کی ضرورت نہ پیش آتی۔ اگر زنادقہ اور نے ارج نے جو بظاہر اسلام کا جامہ پہنے ہوئے تھے اور درحقیقت اسلام سے کوسوں دور تھے اور مسلمانوں کو فتنہ میں مبتلا کرنے کے درپے تھے، یہ مہم نہ چلائی ہوتی۔ چنانچہ نے ارج تو حکم رجم وزانی کو سنگسار کر دینے کی سزا کا بھی انکار کرتے تھے۔ کیونکہ قرآن کریم میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

چنانچہ عبدالرحمٰن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ نے ان زنادقہ اور نے ارج کا ذکر کیا ہے جو سنت کے منکر اور اس سے حجت لانے کے مخالف تھے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو حدیث منسوب ہے (میرے جس قول کی روایت تم تک پہنچے اسے کتاب اللہ کے سامنے کرو۔ اگر میرا قول کتاب اللہ سے موافق ہو تو بے شک وہ میرا قول ہے اور کتاب اللہ سے مخالف ہو تو پھر وہ میرا قول نہیں ہے اور میں کتاب اللہ کے خلاف کس طرح کوئی بات کہہ سکتا ہوں جبکہ اس نے مجھے ہدایت بخشی ہے؟) زنادقہ اور نے ارج کی وضع کی ہوئی ہے۔

لیکن استاذ حضری رحمۃ اللہ علیہ نے کلام شافعی کے سیاق واسلوب سے یہ مستنبط کیا ہے کہ مسائل فروعی میں سنت سے احتجاج کرنے سے اختلاف کرنے والے لوگ معتزلہ تھے۔ کیونکہ یہ لوگ اس باب میں شہرت رکھتے تھے کہ آثار کا علم نہیں رکھتے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی ایک موقع پر ذکر کیا ہے کہ خبر آحاد کے منکرین بصرہ میں ہیں اور بصرہ بہت عرصہ سے اعتزال کا گہوارہ چلا آرہا

تھا۔ ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی کتاب میں اس خیال کی تائید کی ہے۔ (تاویل مختلف الحدیث علی المعتزلہ) لیکن میرا خیال ہے کہ فروع میں سنت سے اجتماع کا انکار کرنے والے لوگ زیادہ تر زنادقہ اور کچھ خوارج تھے۔ جیسا کہ عبدالرحمٰن بن مہدی نے کہا بھی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ زنادقہ اپنا اصل رنگ چھپانے کے لیے بظاہر معتزلی بن گئے ہوں گے۔

اخبار آحاد کی حیثیت:

اب ان لوگوں کا ذکر مقصود ہے جو اخبار آحاد کے منکر ہیں۔ اخبار آحاد سے مراد وہ حدیثیں ہیں جو غیر متواتر اور غیر مشہور ہیں۔ بعض علماء عمل میں انہیں روبکار نہیں لاتے کیونکہ ان کی حیثیت ظنی ہے اور راویوں کی جانب سے تدلیس اور کذب کا احتمال ہے اور اہل ہوا و بدعت نے اسی دروازے سے وہ حدیثیں پھیلا دی ہیں جو دراصل قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مبنی نہیں ہیں۔ یہاں تک کہ یہ بات سخت دشوار ہوگئی کہ طیب سے خبیث کا امتیاز کیا جاسکے۔

لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اخبار آحاد کی حجیت کے قائل ہیں اور متعدد مواقع پر انہوں نے اپنے اس مسلک کو ثابت کیا ہے۔ ان کے مناظرات، کتابت اور املا سے متعلق جو کتابیں ہیں ان میں سے یہ مسلک بکثرت ملتا ہے۔ امام صاحب کی یہ دلیلیں ''الرسالہ'' اور کتاب ''جماع العلم'' نیز کتاب ''اختلاف الحدیث'' میں مدون کردی گئی ہیں۔ ضروری ہے کہ ہم دلیلوں پر نظر ڈال لیں۔

قیاس بھی ایک دلیل ہے:

اخبار آحاد کی حجیت کے بارے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل میں سے ایک دلیل تو یہ ہے کہ قرآن کریم اور اخبار مستفیضہ سے شریعت میں جو امور ثابت ہیں ان پر قیاس کرتے ہوئے بھی خبر آحاد کی حجیت ثابت ہے!

نص قرآن کریم اور سنت سے ثابت ہے کہ معاملات میں دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی پر فیصلہ کردیا جائے گا۔ زنا کے مقدمہ میں چار گواہوں کی گواہی پر فیصلہ ہوگا۔ حدود و قصاص کے جملہ معاملات میں دو گواہوں کی شہادت فیصلہ کے لیے کافی ہے۔ عورتوں کے جن معاملات کو صرف عورت ہی جان اور سمجھ سکتی ہے۔ ان میں صرف ایک عورت کی شہادت کافی ہے۔ جمہور علماء کا اس مسلک پر اتفاق ہے اور فیصلہ ہمیشہ کذب کے مقابلہ میں صدق کے ترجیحی پہلو کو پیش نظر رکھ کر کیا جاتا ہے۔

پس یہی صورت اگر اخبار آحاد کے ساتھ ہو تو اخبار آحاد پر بھی عمل واجب ہوا کیوں کہ راوی اگر عادل ثقہ، ضابط اور متقی ہے تو کذب کے مقابلہ میں صدق کا پلہ بھاری ہے اور قیاس بالکل درست ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی قول کو ایک یا دو ثقہ راویوں کی روایت کی بنا پر قبول کر لینا ویسا ہی ہے۔ جیسے ایک یا دو گواہوں کی گواہی قبول کر لینا بلکہ عام گواہی کے مقابلہ میں حدیث کا قبول کر لینا اولیٰ ہے۔ کیونکہ کوئی عادل ثقہ اور ضابط شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ بولنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: جس نے میرے بارے میں ایسی بات کہی جو میں نے نہیں کہی ہے اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔ (۱)

ایک اور دلیل:

حجیت اخبار احاد کے سلسلہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کو دعائے خیر دی ہے جو حدیث سنے اسے یاد رکھے اسے محفوظ رکھے اور دوسروں تک پہنچا دے کیونکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ سننے والا غیر فقیہ ہو اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ فقیہ ہو مگر ایسے پہنچا دے جو اس سے زیادہ فقیہ ہو۔ ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہر شخص کے لیے ہے خواہ وہ فرد واحد ہو یا جماعت۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اخبار آحاد:

اخبار آحاد کی حجیت کے سلسلہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تیسری دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اخبار آحاد پر عمل کیا کرتے تھے۔ حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے مابین موجود تھے۔ اگر خبر آحاد عمل کے لیے کافی نہ ہوتی تو ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس امر کی وضاحت فرما دیتے اور یہ بات اگر تبلیغ رسالت اور بیان شریعت کے لیے ضروری بھی تھی لیکن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبلیغ احکام کے لیے فرد واحد کو کافی سمجھتے تھے۔ اگر بیان شریعت فرد واحد سے روانہ ہوتا اور روایت بغیر جماعت کے قابل قبول ہوتی تو کیوں کر ممکن تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیان شریعت اور روایت حدیث کے لیے فرد واحد کو منتخب فرماتے۔

اس سلسلہ میں امام صاحب نے بہت سی مثالیں پیش کی تھیں۔ ہم صرف چند ایک پر اکتفا کرتے ہیں۔ وہ بیت المقدس کی طرف رُخ کیے ہوئے نماز فجر پڑھ رہے تھے۔ اتنے میں

۱۔(صحیح بخاری، کتاب العلم، رقم الحدیث 110، صحیح مسلم ، رقم الحدیث 4)

ایک آنے والا آیا اور اس نے کعبہ کے قبلہ ہونے کا اعلان کیا۔ فوراً لوگوں نے عین حالت نماز میں اپنا رخ بدل دیا اور بیت المقدس کی بجائے کعبہ کی طرف منہ کرلیا اور اہل قبا کون تھے؟ (۱)

☆ سابقین انصار ☆ فقیہ

لیکن انہوں نے یہ سوال نہیں اٹھایا کہ ہم خبر واحد پر کسی طرح اعتماد کرلیں اور خبر واحد کی بنا پر تحویل قبلہ کا اعلان انصار نے مان لیا تھا۔ تو نے در رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں کیوں نہیں ٹو کا؟ اور کیوں نہیں فرمایا کہ تمہیں اس وقت تک قبلہ تبدیل نہیں کرنا چاہیے تھا۔ جب تک میرے قول کی حجت تم پر نہ ثابت ہو جاتی؟ یا یہ حدیث تمہیں ایک جماعت کی طرف سے نہ ملتی۔ یا کم از کم ایک سے زیادہ راویوں نے یہ روایت تک پہنچائی ہوتی؟ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ ابوطلحہ، ابوعبیدہ بن جراح اور ابی ابن کعب رضی اللہ عنہم کو میں کھجور کی شراب پلا رہا تھا کہ اتنے میں ایک آدمی آیا اور اس نے کہا۔ شراب حرام ہوگئی! یہ سنتے ہی ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: انس! اُٹھو اور شراب کے اس برتن کو انڈیل دو۔ میں اٹھا اور میں نے اس کے پچھلے حصہ پر ایک ضرب برتن کے منہ کے سامنے لگائی اور وہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا اور ساری شراب بہہ گئی۔

روایت میں جن اصحاب کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ بڑے پایہ کے لوگ تھے۔ ان کا پایہ علم بھی بہت اونچا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ عالی میں شرف تقرب سے بھی بہرہ ور تھے۔ محبت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس مرتبہ پر فائز تھے۔ جس سے کوئی عالم انکار نہیں کرسکتا۔ جس وقت یہ بادہ و جام سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ شراب حلال تھی لیکن آنے والا جب آیا اور اس نے تحریم خمر کی خبر دی تو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے فوراً شراب کا برتن توڑ دینے کا حکم دے دیا۔ نہ انہوں نے، نہ حاضرین نے، نہ حاضرین میں سے کسی نے سوال اٹھایا کہ ہم تو شراب کو حلال سمجھتے ہیں۔ جب تک نے د رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہ مل لیں نہ پوچھ لیں یا ''خبر عامہ'' ہمارے پاس نہ آجائے۔ ہم یہ بات نہیں مان سکتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو منیٰ میں لوگوں کے پاس بھیجا کہ انہیں سورہ توبہ سنا دیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر خبر واحد کو قبول کرنے کے خلاف ہوتے تو تنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہ بھیجتے۔ متعدد جگہوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمال بھیجے! (۲)

لیکن کسی جگہ بھی ایسا نہیں ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی عامل پہنچا ہو وہاں کے لوگوں

۱۔ (صحیح بخاری، کتاب الاخبار الآحاد، رقم الحدیث 7253)

۲۔ (تفسیر ابن کثیر، تحت سورۃ التوبۃ، آیت نمبر 2-1، تفسیر ابن جریر الطبری، 16376)

نے کہا ہو کہ تم تن تنہا یہ خبر لائے ہو اور ہم خبر واحد نہیں مان سکتے۔ جب تک کہ وہ خبر کافہ یا مشہورہ نہ ہو۔ یا کم از کم ایک سے زیادہ راوی اس کے حامل نہ ہوں۔ پس خبر واحد کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل ایسی حجت ہے کہ اس کے بعد کسی حجت اور برہان کی ضرورت نہیں۔ مذکورہ تمام اخبار، اخبار مستفیضہ مشہورہ ہیں جو اس بات کی دلیل ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبلیغ میں اور معاملات و مسائل میں خبر واحد کافی سمجھتے تھے۔

ایک اور اہم نکتہ:

خبر واحد کی حجت کے سلسلہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی چوتھی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ہی وقت بارہ صحابہ کرام کو بارہ مختلف مقامات کے سلاطین کے پاس دعوت اسلام دینے کے لیے بھیجا نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمال کو جو مکاتیب ارسال فرماتے تھے۔ وہ بھی ایک ہی صحابی کے ہاتھ بھیجتے تھے لیکن کسی والی نے بھی ترک الفاظ امر کی جرأت اس بنیاد پر نہیں کی کہ فرد واحد ہے۔ اس پر کیسے بھروسہ کر لیا جائے۔ یہ بات تو کئی اشخاص کے ذریعے سے پہنچنی چاہیے تھی۔ اس سے ثابت ہوا کہ کسی امر کے نفاد و ترویج کے لیے خبر واحد کافی ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہرگز کسی فرد واحد کے ہاتھ اپنا مکتوب بھیجتے نہ پیام اور جن لوگوں کے پاس یہ پیام یا مکتوب پہنچتا وہ ضرور شک وشبہ میں مبتلا ہو جاتے۔

حجیت خبر آحاد:

پانچویں دلیل حجیت خبر آحاد کے سلسلہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ یہ دلیل لاتے ہیں کہ نے د صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی خبر واحد کو تسلیم کرتے اور اس پر عمل کرتے تھے۔ ان کے سامنے اگر کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہوتا۔ جس کے بارے میں کتاب اللہ کے اندر کوئی حکم نہ ہوتا۔ تو وہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جستجو کرتے اور ''خبر کافہ'' ''اخبار مشہورہ'' اور ''اخبار خاصہ'' بے تامل قبول کر لیتے۔ اس طرح کے واقعات و امثال اتنے زیادہ ہیں کہ حد شمار سے خارج ہیں اور ان کے سامنے کوئی حدیث بھی نہ ہوتی۔ تو اپنی رائے سے فیصلہ کر دیتے اور پھر بعد میں جب حدیث کا سراغ مل جاتا تو اپنی رائے سے رجوع کر لیتے اور حدیث پر عمل کرتے مثلاً عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ مقتول کی دیت اس کے دادھیال رشتہ داروں کو دلاتے تھے اور بیوی شوہر کی دیت میں سے کچھ بھی نہیں پاتی تھی۔ یہاں تک کہ ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہ نے انہیں بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشیم ضبابی کی دیت

کے سلسلہ میں تحریر فرمایا تھا کہ اس کی بیوی بھی وارث ہوگی یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا۔(۱) اسی طرح ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے سوال کیا۔ کیا کوئی شخص ایسا ہے۔ جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنین کی دیت کے بارے میں کچھ سنا ہو؟ یہ سن کر حمل بن مالک بن النابغہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا۔ میری دو بیویاں تھیں۔ ایک مرتبہ میں نے ایک بیوی کو خیمہ کی میخ سے مارا جس سے حمل ساقط ہو گیا جنین مردہ تھا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے بارے میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ دیت تو نہیں دلائی کچھ جرمانہ کے طور پر عائد کر دیئے تھے۔"

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

"اگر یہ بات معلوم نہ ہو جاتی تو میرا فیصلہ کچھ اور ہوتا۔" (۲)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ دونوں مثالوں پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ اگر خبر واحد کا رد کر دینا کسی کے لیے جائز ہو سکتا تھا۔ تو اس کے سب سے زیادہ اہل حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ سے کہہ سکتے تھے۔ تم نجد کے رہنے والے ہو اور حمل بن مالک رضی اللہ عنہ سے کہہ سکتے تھے کہ تم تہامہ کے باشندے ہو۔ تم دونوں کو اللہ نے دیدار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شرف سے نوازا اور اگر شرف صحبت حاصل بھی ہے تو بہت مختصر اور میں ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامن سے وابستہ رہا۔ اس طرح میرے ساتھی مہاجر اور انصار...... پھر یہ کیسے ہوا کہ بات ہمارے اور ہماری جماعت کے علم میں تو نہیں آئی اور تم نے جان لی؟ اور روایت بھی اکیلے کر رہے ہو۔ جس میں بھول چوک کا امکان ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کچھ نہیں کہا:

ضحاک اور حمل رضی اللہ عنہما کی روایت میں انہیں حق کا جلوہ نظر آیا اور اس کی پیروی کر لی اور اپنی پہلی رائے سے رجوع کر لیا۔ پہلے وہ مقتول کی دیت میں اس کی بیوی کو کوئی حصہ نہیں دیتے تھے۔ اب دینے لگے۔ پہلے وہ جنین کی دیت ۱۰۰ سو اونٹ، اگر زندہ ہو، دلاتے تھے اور مردہ کے سلسلہ میں کچھ نہیں۔ اب حمل کی روایت پر عمل کرنے لگے۔ (کتاب اختلاف الحدیث)

قرآن اور خبر آحاد:

گو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ خبر واحد کو مانتے تھے اور اسے عمل میں حجت قرار دیتے تھے لیکن وہ

۱۔ (سنن الترمذی، کتاب الدیات، رقم الحدیث 1415، سنن ابی داؤد، کتاب الفرائض، رقم الحدیث 2927، سنن ابن ماجہ، کتاب الدیات، رقم الحدیث 2642، مسند احمد، 452/3)

۲۔ (سنن ابی داؤد، کتاب الدیات، رقم الحدیث 4572)

اسے مرتبہ قرآن میں نہیں رکھتے تھے۔ نہ سنت کو مجمع علیہا کا درجہ دیتے تھے۔ بلکہ خبر آحاد کا مرتبہ احتجاج ان دونوں کے بعد تسلیم کرتے تھے۔ کیونکہ کتاب الٰہی اور سنت ''مجمع علیہا''، قطعی الثبوت ہیں۔ ان دونوں میں سے کسی میں شک کرنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔ جو شخص کتاب اور سنت مجمع علیہا کے قبول کرنے سے انکار کرتا ہے۔ اس سے توبہ کرانی چاہیے کیونکہ خبر خاصہ ہر ایک پر لازمی ہے اور عمل میں اس کی حیثیت مسلم ہے۔ کسی شخص کو اس کے رد کر دینے کا حق نہیں ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے صادق القول گواہوں کی گواہی رد نہیں کی جا سکتی۔ البتہ ایسی خبر کو جو بطریق انفراد پائی گئی ہو کوئی قبول نہیں کرتا۔ یا اس میں شک کرتا ہے تو اس سے توبہ نہیں کرائی جائے گی۔

اہم شرائط:

احادیث آحاد کے قبول کرنے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ راوی کے لیے بڑی دقیق شرطیں عائد کرتے ہیں مثلاً؛

(۱) راوی کو اپنے دین میں ثقہ، اور صدق قول میں معروف ہونا چاہیے۔ اس راوی کی حدیث ہرگز نہیں قبول کی جائے گی۔ جس کا صدق معروف نہ ہو یا جو غیر متدین ہو۔

(۲) راوی کو عقیل و فہیم بھی ہونا چاہیے۔ جو حدیث وہ بیان کر رہا ہے اس کا مفہوم وہ اچھی طرح سمجھ رہا ہو۔

(۳) راوی ضابط بھی ہو۔ یعنی اس کا حافظہ قوی ہو اور جس حدیث کو وہ روایت کر رہا ہے۔ وہ اسے زبانی بھی یاد ہو۔

(۴) یہ بھی ضروری ہے کہ راوی جس راوی سے حدیث کی روایت کر رہا ہے۔ اس سے نے د اس نے بہ نفس نفیس سماعت کی ہو۔ ورنہ پھر وہ مدلس قرار دیا جائے گا۔

(۵) صحیح احادیث سے یہ حدیث مخالف نہ ہو۔

حدیث مرسل:

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ حدیث مرسل کو قبول کرتے ہیں اور اسے حجت تسلیم کرتے ہیں۔ مرسل حدیث وہ ہے جس کی سند تابعی پر ختم ہو جاتی ہے اور اس صحابی کا ذکر نہ ہو۔ جس سے وہ تابعی روایت کر رہا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ حدیث مرسل قبول تو کرتے ہیں لیکن چند

دقیق شرطوں کے ساتھ نہ تو وہ حدیث مرسل کو علی الاطلاق تسلیم کر لیتے ہیں۔ جیسا کہ بعض علماء کا مسلک ہے۔ نہ وہ اسے علی الاطلاق رد کر دیتے ہیں جیسا کہ بعض علماء کا اصول اور طریقہ ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف رد کرنے والوں اور قبول کرنے والوں کے مابین ہے...... وہ ایسے تابعی کے مراسیل قبول نہیں کرتے جس نے بہت سے صحابہ کا شرف صحبت نہ حاصل کیا ہو۔ وہ صرف انہی کبار تابعین کے مراسیل قبول کرتے ہیں۔ جنہوں نے بہت سے اصحاب سے کسب فیض کیا ہو چنانچہ جسے تابعی کبیر نے ارسال کیا ہو۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ دیکھتے کہ مامون حافظ حدیث نے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سند کے ساتھ ویسی ہی روایت کی ہے۔ جو اس روایت مرسل سے ملتی جلتی ہو تو وہ اسے قبول کر لیتے ہیں۔ کیونکہ اس طرح مرسل کی صحت پر دلالت واضحہ مل گئی امام شافعی یہ بھی کرتے ہیں کہ کسی مرسل حدیث کو دیکھتے ہیں کہ اس کی تائید کسی دوسری مرسل حدیث اہل علم نے دوسری سند کے ساتھ قبول کی ہے یا نہیں کی ہے؟ تو یہ ان کے نزدیک قبول کر لینے کی معقول دلیل ہے لیکن بہر حال اس کی حیثیت ماقبل کے مقابلہ میں ضعیف ہو گی کیونکہ مرسل سابق دراصل حدیث مسند ہے اور بلاشبہ مرسل سے مسند زیادہ قوی ہوتی ہے۔ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے کسی کا قول اگر مرسل سے موافقت رکھتا ہو تا اس کے معنیٰ یہ ہوں گے کہ مراسیل اصل صحیح پر مبنی ہے تو اس مرسل کو مانا جائے گا لیکن اس کا مرتبہ نسبتاً کم ہو گا۔

اگر اہل علم کی کچھ جماعتیں کسی مرسل کے مطابق فتویٰ دیتی ہوں تو اس مرسل کو تسلیم کر لیا جائے گا اور یہ قبول مرسل کا آخری درجہ ہو گا۔ اگر کوئی حدیث مرسل، مذکورہ امور اربعہ میں سے کسی ایک کی حد کے اندر آتی ہو تو اسے رد کر دیا جائے گا۔ تو نہ وہ کسی عمل میں قبول کی جائے گی۔ نہ اس کا ماننا اور تسلیم کرنا کسی پر لازم ہو گا مذکورہ صحبت سے یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ امام شافعی مرسل حدیث کو صرف دو صورتوں میں قبول کرتے ہیں۔ یا تو کبار تابعین میں سے کسی ایسے تابعی نے ارسال کیا جو بہت سے صحابہ سے مل چکا ہو اور یا مذکورہ دلائل میں سے ایک دلیل کے ذیل میں آتا ہو لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ حدیث مرسل اپنی قبولیت میں مسند کے برابر قوی نہیں ہوتی۔

سنت سے حرام وحلال کی توضیح:

چنانچہ امام شافعی بھی اس چیز پر زور دیتے ہیں کہ قرآن کے مقابلہ میں سنت کا مقام یہ ہے کہ وہ اس کے اجمال کی تفصیل کرتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے بتایا ہے کہ بھتیجی اور چچی، بھانجی اور خالہ ایک ہی شخص کی بیوی نہیں بن سکتیں۔ یہ بات قرآن سے مجمل (خلاصہ) طور پر ثابت ہوتی

ہے: "حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ وَ أَخَوٰتُكُمْ وَ عَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ وَ بَنٰتُ الْأَخِ وَ بَنٰتُ الْأُخْتِ" (۲۳: النسآء ۴) أُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ (۲۴: النسآء ۴) حرام کر دی گئیں تم پر تمہاری مائیں، تمہاری بیٹیاں، تمہاری بہنیں، تمہاری پھوپھیاں، تمہاری خالائیں اور تمہاری بھتیجیاں اور بھانجیاں۔ ان کے علاوہ دوسری عورتیں تم پر حلال ہیں۔ یہ آیت کریمہ دو معنوں کو محتمل ہے۔ ایک یہ کہ جب اللہ تعالیٰ نے جن عورتوں کو محرمات میں شمار کیا ہے۔ وہ مطلق طور پر حرام ہیں اور جن کے بارے میں سکوت سے کام لیا ہے۔ وہ حلال ہیں۔ جیسا کہ فرمایا ہے کہ ان محرمات کے علاوہ باقی سب عورتیں حلال ہیں۔ آیت کے ظاہر معنیٰ سے یہی ثابت ہوتا ہے اس آیت تحریم میں یہ امر بالکل واضح ہے کہ تحریم جمع (یعنی دو مخصوص رشتہ کی عورتوں کا بیک وقت ایک مرد کی زوجہ بننا) تحریم امہات سے ایک بالکل الگ اور جداگانہ چیز ہے۔ پس جسے حلال کر دیا وہ حلال ہے اور جسے حرام کر دیا وہ حرام ہے اور جہاں دو بہنوں کو بیک وقت ایک شوہر حبالہ عقد میں داخل ہونے کی ممانعت ہے۔ وہ ممانعت دوسری کی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں کو بیک وقت ایک شوہر کی زوجیت میں جمع ہونا حرام ہے۔ ورنہ فرداً فرداً دونوں حلال ہیں۔ اس کے برعکس مائیں، بیٹیاں، پھوپھیاں، خالائیں فی الاصل حرام ہیں اور احل لکم سے مراد صرف وہ محرمات ہیں جو فی الاصل حرام ہیں یا وہ جو رضاعت کی وجہ سے حرام ہو جاتی ہیں۔ یعنی جو رشتے خون کی وجہ سے بھی حرام ہیں۔ لہٰذا بیوی کی پھوپھی سے نکاح کرنا حلال نہ ہوگا۔ نہ اس کی خالہ سے ہر حال میں نکاح ناجائز ہوگا۔ برعکس ازیں ماں سے ہر حال میں نکاح حرام ہے۔ پس پھوپھی اور خالہ کی حرمت مخصوص حالت میں ہوئی"۔

دوسرا احتمال امام شافعی کے نزدیک جو پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ آیت تحریم کے بعد وَأُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ سے مراد وہ عورتیں ہیں جو بالذات حلال ہیں نہ کوئی رضاعی اور بالنسبۃ الی الغیر یعنی ان کا حلال ہونا شرط نکاح ہے۔ یہی وجہ ہے کہ چار کے ساتھ پانچویں بیوی کا جمع کرنا بھی حرام ہے اس پانچویں کی ذاتی حلت میں کوئی شبہ نہیں، لیکن قرآنی شرط نکاح کے خلاف ہے اور وہ شرط یہ ہے کہ ایک وقت میں چار سے زیادہ بیویاں جمع نہ کی جائیں۔ سنت نے مزید یہ بیان کیا کہ بیوی اور اس کی پھوپھی یا بیوی اور اس کی خالہ کو بحیثیت زوجہ کے جمع نہ کیا جائے گا گویا سنت یہاں اس عمومی حلت میں ایک شرط عائد کرتی ہے مگر اس شرط کا اصلی و ذاتی حلت سے کوئی تعارض نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق شرط نکاح اور اس کے قاعدوں سے ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی موقف اس آیت میں بھی ہے کہ:

☆ قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُہٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّکُوْنَ مَیْتَۃً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّہٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُہِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ۔

ترجمہ: اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرما دیجیے کہ میرے پاس جو وحی آتی ہے اس کی رو سے میں کسی چیز کو بجز ان چار چیزوں کے حرام نہیں پاتا۔ یہ کہ وہ مردار ہو، یا بہتا ہوا خون یا سور کا گوشت کہ یہ حرام ہے۔ یا کوئی فسق جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ (۱۴۵: الانعام ۶)

اس آیت کریمہ کا مضمون یہی ہے کہ ان مذکورہ چار چیزوں (مردار، خون، سور کا گوشت اور چڑھاوا) کے سوا کھانے والے پر کوئی اور کھانے والی چیز حرام نہیں ہے اگر اس کے خلاف کوئی محکم نہ ہوتو ظاہری طور پر اس کے یہی معنی ہو سکتے ہیں۔

لیکن اس آیت میں ایک احتمال اور بھی ہے اور وہ یہ مسئلہ ہے کہ کسی سوال کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا ہو۔ مطلب یہ کہ یہ کسی مخصوص سوال کا جواب ہو۔ کیونکہ متبادر یہ ہوتا ہے کہ جن خاص چیزوں کا سوال کیا گیا ہے۔ انہی کا جواب بھی دیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان چار چیزوں کے سوا کوئی چیز حرام نہیں ہے۔ دوسرے الفاظ میں مدعا ہے کہ اس آیت میں حرمت یا حلت کا ذکر مطلق طور پر نہیں ہے۔ بلکہ اس کا تعلق صرف انہی چیزوں سے ہے۔ جن کے بارے میں سوال کیا گیا ہو۔ نیز اس آیت میں یہ احتمال بھی موجود ہے کہ اس آیت کے بیان کا تعلق صرف ان چیزوں سے ہے۔ جنہیں عام طور پر وہ کھانے کے عادی تھے۔ یا کم از کم ان سے مانوس تھے۔ چنانچہ انہی چیزوں کی حلت وحرمت واضح کی گئی لیکن اس سے یہ مراد نہیں لیا جا سکتا کہ حرام وحلال انہی چار چیزوں میں جمع کر دیا گیا۔ سنت سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ مذکورہ بالا چار چیزوں کے علاوہ اور بھی کچھ چیزیں ہیں۔ جو حرام ہیں۔ چنانچہ یہ آیت مطلق نہیں مقید ہے۔ جیسا کہ ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام ذی ناب (پنجے والے) درندوں کے کھانے سے منع فرمایا ہے۔ نیز ابو ہریرہ سے بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام ذی ناب درندوں کا کھانا حرام قرار دیا ہے"۔(۱)

سنت سے وضو کی توضیح:

قرآن میں جو فرائض منصوصہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی سنت سے انہیں واضح کیا

۱۔ (صحیح مسلم، کتاب الصید والذبائح، رقم الحدیث 1933، سنن الترمذی، رقم الحدیث 1479، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث 3233، مسند احمد، 236/2)

ہے۔ اگر چہ ان پر کوئی زیادتی نہیں کی ہے۔ بلکہ ان معنی کو نمایاں اور موکد کر دیا ہے۔ مثلاً آیت طہارت میں اللہ عزوجل فرماتا ہے یعنی ''اے مسلمانوں جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو اپنے چہروں کو اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھولیا کرو۔ سروں کا مسح کرلیا کرو اور پاؤں کو گھٹنوں تک دھولیا کرو۔''

اس آیت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو کو اپنی سنت سے واضح کر دیا۔ ایک شخص نے عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے سوال کیا۔ کیا آپ مجھے (عمل کر کے) دکھا سکتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس طرح وضو کیا کرتے تھے؟ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ہاں میں دیکھا سکتا ہوں۔ یہ کہہ کر انہوں نے وضو کے لیے پانی طلب کیا ہاتھ دھوئے۔ پھر تین مرتبہ کلی کی پھر تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالا۔ پھر تین مرتبہ چہرہ دھویا۔ پھر کہنیوں تک دونوں ہاتھوں کو دو مرتبہ دھویا۔ پھر سر کا مسح کیا مقدم رأس سے شروع کیا اور گدی تک لے گئے۔ پھر دونوں ہاتھ گدی سے مقدم رأس تک لے کر آئے۔ پھر دونوں پاؤں دھوئے۔ (۱) اس طرح سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن پاک کی وضاحت کر دی۔ اس کے ظاہر معنیٰ کی تائید کر دی ہر احتمال کو زائل کر دیا۔ غرض سنت قرآن کا بیان ہے کہ اس کے مجمل کی تبیین ہے۔ اس کے ظاہر معنیٰ کی توضیح اور تائید ہے۔ اس کے عام کو خاص کرتی ہے۔ اس کی بہت سی مثالیں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کی ہیں۔

سنت کتاب اللہ کی تابع:

کتاب کے مقابلہ میں سنت کا کیا مقام ہے؟ اس پر گفتگو کرتے ہوئے امام شافعی نے اس سلسلے میں علماء کے اختلاف فکر و نظر کا ذکر فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ بعض علماء کہتے ہیں کہ سنت قرآن حکیم پر کسی حکم کا اضافہ نہیں کر سکتی کیونکہ شریعت اسلام سے متعلق جملہ امور قرآن کریم میں اپنی طرح سے بیان کر دیے گئے ہیں۔ جیسا کہ خود قرآن نے بھی اس امر کی تصریح کی ہے۔ اللہ عزوجل نے آخری آیت قرآن کریم کی جو نازل کی ہے وہ یہ ہے۔

☆ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا. (۳:المائدۃ۵)

ترجمہ: ''آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا۔ تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور

۱۔ (صحیح بخاری، کتاب الوضوء، رقم الحدیث: 185، صحیح مسلم، کتاب الوضوء، رقم الحدیث: 555، موطأ امام مالک، رقم الحدیث: 32، سنن النسائی، رقم الحدیث: 97-98، مشکوٰۃ المصابیح، رقم الحدیث: 393-394)

تمہارے لیے دین اسلام پر راضی ہو گیا"۔
پس نزول قرآن کے ساتھ ہی شریعت بھی مکمل ہو گئی۔ دوسرا قول علماء کا یہ ہے کہ سنت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کتاب پر وضاحت کر سکے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی سنت سے جو بات واضح فرمائی اور کتاب میں وہ منصوص نہیں ہے تو بعض لوگ کہتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت فرض کی ہے اور اللہ عزوجل کی رضا سے انہوں نے جو سنت اپنے علم ماسبق سے قائم کی ہے۔ گو وہ منصوص نہ ہو لیکن واجب الطاعت ہے اور بعض علماء کہتے ہیں کہ سنت انہی امور میں واجب الطاعت ہوتی ہے۔ جن کی اصل کتاب اللہ میں موجود ہو مثلاً نماز کتاب اللہ میں موجود ہے۔ تعداد نماز سنت سے معلوم ہوتی ہے" ان اقوال کا ماحصل یہ ہے کہ بعض کے نزدیک سنت کتاب میں اضافہ نہیں کر سکتی اور بعض کے نزدیک کر سکتی ہے لیکن ایک اور گروہ بھی ہے اس کا قول ہے کہ سنت ہر حال میں قبول کی جائے گی کہ وہ ایک معصوم کی زبان سے ادا ہوئی اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ رضائے الٰہی اس کے لیے حاصل ہے۔ شافعی کا رجحان اس طرف ہے کہ سنت کتاب پر اضافہ کر سکتی ہے۔ (الموافقات للشاطبی)

امام شافعی نے اپنے "الرسالۃ" میں ایسے کئی احکام بھی...... تحریر خمر وغیرہ درج کیے ہیں لیکن اس جگہ یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اس رجحان کے باوجود صاف الفاظ میں اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ سنت کتاب اللہ کی تابع ہے اور اسی کی طرف راجع ہوگی۔

سنت کے نسخ پر بحث:

وہ احکام جو سنت سے ثابت ہوتے ہیں بلا اختلاف ونزاع منسوخ ہو سکتے ہیں۔ امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ سنت میں نسخ واقع ہو سکتا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ ان کی یہ رائے بھی ہے کہ سنت کو صرف اسی طرح کی سنت ہی منسوخ کر سکتی ہے۔ کتاب اللہ (قرآن) سے سنت نہیں منسوخ ہو سکتی۔ جس طرح سنت سے کتاب منسوخ نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ "الرسالہ" میں جو بمقام مصر لکھا گیا اور جس کے راوی ربیع بن سلیمان ہیں مرقوم ہے "یہی حال سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے کہ وہ صرف سنت ہی سے منسوخ ہو سکتی ہے۔ آگے چل کر اس قول کی تائید میں کئی دلیلیں بھی دی ہیں" لیکن آمدی کی "کتاب الاحکام فی اصول الاحکام" میں مرقوم ہے:

"شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے دو قولوں میں سے ایک قول یہ منقول ہے کہ سنت کا نسخ قرآن سے جائز نہیں ہے لیکن جمہور علماء اشاعرہ ومعتزلہ وفقہا قرآن سے

نسخ سنت کے قائل ہیں عقلی طور پر بھی شرعی طور پر وقوعی اعتبار سے بھی"

اس عبارت سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ امام شافعی کی مذکورہ رائے منجملہ ان کے اقوال کے صرف ایک قول ہے۔ ربیع کی روایت کردہ کتب میں جو ہمارے سامنے ہیں امام صاحب کا کوئی ایسا قول نہیں ملتا جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ سنت کا قرآن سے منسوخ ہونا جائز ہے۔ اگر امام صاحب کی یہ رائے ہے بھی تو یقیناً یہ ان کی قدیم نہ کہ جدید رائے ہے جو رسالہ عراقیہ میں ہوگی مصر میں نہیں ہے۔ ہم نے اوپر ان کی جو رائے لکھی ہے وہ رسالہ مصریہ سے ماخوذ ہے اور امام صاحب کی کتب مرویہ مصر میں اس کے سوا کوئی اور رائے نہیں ہے۔ غرض امام شافعی جس رائے پر قائم ہیں وہ یہ ہے کہ قرآن سے سنت منسوخ نہیں ہو سکتی۔ نسخ سنت کے لیے ضروری ہے کہ کوئی دوسری سنت اس کے ناسخ کو ثابت کرنے والی ہو لیکن بعد کے اصولی علماء نے اس رائے سے اختلاف کیا ہے۔ انہوں نے ثابت کیا ہے کہ قرآن سے نسخ سنت عقلی طور پر جائز بھی ہے اور شرعی طور پر واقع بھی ہوا ہے۔

جواز عقلی کا جہاں تک تعلق ہے۔ وہ کوئی اہم چیز نہیں اور نہ امام شافعی بھی جواز عقلی سے انکار نہیں کرتے، اصل سوال وقوع شرعی کا ہے۔ اس کے وہ قائل نہیں پہلے ہم ان کی دلیل پر ایک نظر ڈالیں گے۔ پھر ان کے مخالفین کے افکار و دلائل کا سرسری جائزہ لیں گے۔

امام صاحب کا یہ مسلک کہ قرآن، سنت کا ناسخ نہیں ہو سکتا۔ دو ستونوں پر قائم ہے پہلا ستون یہ ہے کہ نسخ بیان کا محتاج ہوتا ہے اور سنت قرآن کا بیان ہے اور وہ قرآن ہی ہے۔ جس نے سنت کو یہ مرتبہ عطا کیا ہے نسخ کو بیان کی جو احتیاج ہوتی ہے۔ وہ اس لیے کہ معلوم ہو سکے۔ متقدم کون نص ہے اور متاخر کون؟ اور یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل اور بیان صحابہ کرام سے معلوم ہو سکتی ہے اور یہ علم صرف سنت ہی سے ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کے اکثر منسوخ ایسے ہیں جو امام شافعی کی رائے میں صرف سنت ہی ثابت ہیں۔ جب قرآن کے نسخ کا علم سنت کے سوا کسی اور طرح نہیں ہو سکتا تو نسخ سنت کا علم بھی سنت ہی سے ہو سکتا ہے۔ دوسرا ستون یہ ہے کہ اگر نسخ سنت قرآن سے جائز ہوتا (نہ کہ سنت سے) تو واجب ہوتا کہ ہر وہ سنت اور ہر وقت وہ حدیث جو مخالف قرآن ہوتی مردود قرار دے دی جاتی ہے اور عملی اعتبار سے غیر مقبول مانی جاتی اور اس صورت میں بھی جائز نہیں کہ قرآن کے عموم کی تخصیص سنت سے کی جا سکے نہ اسے بیان قرآن مانا جائے گا۔ بلکہ ضروری ہوگا کہ ہر وہ سنت جو مخالف قرآن ہو رد کر دی جائے اور یہ چیز شافعی کے نزدیک درست اور صواب نہیں ہے۔ کیونکہ مکہ، مدینہ اور بغداد میں وہ "ناصر السنۃ" کی حیثیت سے معروف رہے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو محکم رجم (زانی کی سزائے

سنگساری) کو منسوخ ماننا پڑے گا اور چار دینار سے کم چوری پر بھی قطع ید کی سزا دینا پڑے گی۔

لیکن جو علمائے اصول اس مسلک کے مخالف ہیں ان کا مسلک یہ ہے کہ قرآن سنت کا ناسخ ہوسکتا ہے اور یہ عقلاً بھی جائز ہے اور واقع بھی ہو چکا ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے دلائل بھی دیئے ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن نے سنت کو منسوخ کیا ہے۔ مثلاً قرآن نے بیت المقدس کی حیثیت کعبہ منسوخ کردی اور بیت الحرام کو قبلہ قرار دیا لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ متنبہ کرتے ہیں کہ یہ بات صرف قرآن ہی سے نہیں بلکہ سنت سے بھی ثابت ہوتی ہے۔

غرض علمائے اصول اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مابین اصل اختلاف یہ نہیں ہے کہ قرآن نے کچھ ایسے احکام بھی دیئے ہیں جو سنت میں نہیں ہیں۔ بلکہ یہ ہے کہ آیا نسخ سنت کی معرفت کے لیے قرآن لازمی ہے یا کوئی دوسری سنت؟ جہاں تک استقرا کا تعلق ہے وہ امام صاحب کی تائید میں ہے۔

اقوال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

اقوال صحابہ بھی سنت کے نزدیک تر مقام رکھتے ہیں۔ چونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہر قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کی تصویر تھا۔ امام شافعی اپنے قدیم و جدید مذہب (مسلک) میں صحابی کے قول کو حجت اور واجب التقلید خیال کرتے تھے۔ نیز اسے قیاس پر مقدم رکھتے ہیں۔ اس بارے میں ہمارے بہت سے شواہد موجود ہیں مثلاً امام صاحب ''کتاب الام'' میں لکھتے ہیں:

''کتاب وسنت کی موجودگی میں ان کی اتباع سے چارہ کار نہیں ہے۔ اگر کتاب وسنت میں وہ چیز موجود نہ ہو تو اقوال صحابہ یا کسی ایک صحابی کے قول کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ اختلاف اقوال کی صورت میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک قول کو مقدم رکھا جائے اس کے علاوہ صورت میں اس صحابی کا قول اختیار کیا جائے گا جس کا قول کتاب وسنت سے زیادہ قرب رکھتا ہو۔ کیونکہ لوگ عام طور پر امام کے قول کی پیروی کرتے ہیں۔ (الام جلد ۷ ص ۲۴۷)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام شافعی اقوال صحابہ کو حجت مانتے تھے اور ان کے باہم اختلاف کے وقت قوت کے لحاظ سے مراتب مقرر کرتے تھے۔ اولاً تو اس قول کو ترجیح دیتے تھے۔ جو کتاب وسنت سے زیادہ قرب رکھتا ہو اگر اس لحاظ سے ان میں تفاوت نظر نہ آتا ہو تو خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے قول کو اختیار کرتے کیونکہ ان کے اقوال کی جمہور مسلمان اتباع کرتے تھے اور وہ کسی چند افراد یا گروہ کے پیشوا نہ تھے اور جو قول جمہور میں مشہور ہو وہ دوسروں سے اولیٰ ہوتا ہے۔

نیز خلفا رضی اللہ عنہم کی آراء بحث وتمحیص کا محل ہوتی ہیں۔ کیونکہ وہ پہلے کتاب وسنت کا حکم لوگوں تک دریافت کرتے تھے۔ اگر کتاب وسنت سے کوئی نص نہ ملتی ہوتو اجتہاد سے کام لیتے اور لوگوں سے مشورہ کے بعد اپنے فتویٰ کا اعلان کرتے تھے۔ اگر لوگ ان کا فتویٰ سن کر سکوت اختیار کرتے تو سکوت کو اس فتویٰ کی صحت کی دلیل تصور کیا جاتا تھا اور اگر کوئی اس فتویٰ کے خلاف حدیث پیش کر دیتا تو وہ اپنے تقویٰ وفضیلت کے باعث اپنے قول سے رجوع کر لیتے تھے۔ اس طرح ان کی آراء صحیح اور صاف ہو جاتی تھیں اور ان کا رجوع اس بات کی دلیل ہوتی تھی کہ کوئی سنت اس کے خلاف نہیں ہے۔

اگر کسی مسئلہ میں خلفا رضی اللہ عنہم کا قول نہ ملتا تو دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال کی اتباع کرتے تھے۔ چنانچہ امام بیہقی نے اس مقام کی وضاحت کرتے ہوئے امام شافعی سے روایت کی ہے۔ اگر کسی قول پر کتاب وسنت پر دلیل نہ ہو تو دوسروں کے مقابلے میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا قول مجھے زیادہ محبوب ہے۔ ان کے باہمی اختلاف کی صورت میں بھی یہ دیکھا جائے گا۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ آئمہ کے اقوال نہ ملنے کی صورت میں امام شافعی مراتب مقرر کرتے ہیں اور اس قول کو ترجیح دیتے ہیں۔ جس کی تائید کتاب وسنت سے ہوتی ہو اور شاذ ونادر ہی ایسا ہوتا ہے کہ کتاب وسنت کی دلالت کے بغیر ان میں اختلاف پیدا ہو۔ پھر اگر کہیں یہ اختلاف بلا دلیل نظر آتا تو اکثریت کے قول کو اختیار کرتے تھے۔ اگر دونوں جانب مساوی تعداد ہوتی تو حسن تخریج کے لحاظ سے ایک قول کو اختیار کر لیتے تھے۔

اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم اور مسلک شافعی رحمۃ اللہ علیہ:

الغرض اختلاف صحابہ کی صورت میں اس طرح مراتب کا لحاظ کرتے تھے اور اتفاق کی صورت میں متفق علیہ قول کو اختیار کر لیتے تھے۔ اگر کسی صحابی کے فتویٰ کے خلاف دوسرے صحابی سے کوئی قول منقول نہ ہوتا تو اسے مان لیتے تھے۔

ان قواعد کی تطبیق سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جو اختلاف بھی نظر آتا ہے۔ ان میں سے امام صاحب اس قول کا انتخاب کر لیتے تھے۔ جو کتاب اللہ سے زیادہ قرب رکھتا ہو اور ایسا قول شاذ ونادر ہوتا تھا۔ جس کے بارے میں ان کا اختلاف یا اجماع امام صاحب کے علم میں نہ ہوتا۔ اسی بنا پر ''الرسالہ'' میں اقوال صحابہ کے بارے میں ایک مناقشہ میں فرماتے ہیں۔

امام شافعی کے مناظر نے کہا کہ کتاب وسنت کے بعد اجماع وقیاس کے بارے میں تو آپ کی بات سن چکا ہوں اب ارشاد ہو کہ کسی مسئلہ میں اقوال صحابہ کے اختلاف کی صورت میں آپ کی رائے کیا ہے۔ اس پر امام شافعی نے کہا ان میں سے ہم اس قول کو اختیار کر لیں گے جو کتاب وسنت یا اجماع کے موافق ہوگا یا قیاس کی رو سے زیادہ صحیح ہوگا۔ (الرسالہ ص ۵۹۷)

مندرجہ بالا تفصیل سے تین باتیں ثابت ہوتی ہیں:

(۱) اول یہ کہ اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم سے امام صاحب اس کتاب کو اختیار کرتے تھے جو کتاب و سنت سے زیادہ قرب رکھتا یا قیاس کی رو سے زیادہ صحیح نظر آتا اور ان میں تساوی کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔

(۲) اقوال صحابہ کو محض ان کے اقوال ہونے کی وجہ سے مان لیتے تھے اور اس سلسلہ میں نص یا اجماع پر اعتماد کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے۔ بلکہ سمجھ کر ان کی اتباع کرتے تھے کہ انہوں نے نزول قرآن کا براہ راست مشاہدہ کیا ہے۔ لہٰذا دوسروں سے شریعت کا زیادہ علم رکھتے ہیں۔ دور ابتلا سے اتباع بہر حال بہتر ہے۔ اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ان سے منقول ہے کہ وایھم لنا خیر من راینا لانفسنا ہماری رائے سے ان کی رائے بہر حال بہتر ہے۔ گویا امام صاحب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال میں ترجیح کے ساتھ ان کی تقلید کرتے تھے۔

(۳) کسی صحابی کا ایسا فتویٰ جس کی مخالفت دوسرے صحابی سے منقول ہوتی اس کی اتباع کرتے تھے مگر جس معاملہ میں اجتہاد کی گنجائش نظر آتی وہاں استقرا کی بنا پر یہ بھی کہہ دیتے کہ کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے کوئی ایسا فتویٰ منقول نہیں ہے جس کی مخالفت دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ سے ثابت ہو۔

بدیں سبب جس چیز پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہو اور وہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کریں تو ان کا یہ کہنا صحیح ہوگا۔ مگر جس چیز کو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب نہ کریں اس میں دونوں احتمال پائے جاتے ہیں ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کی گئی ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہ منقول ہو۔''

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم کے اختلاف کے وقت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ راجح قول اختیار کرتے ہیں اور ایک ماہر مجتہد کی طرح ترجیح دیتے ہیں اور ان کے اختلافات پر اس طرح گفتگو شروع کرتے ہیں جس مسئلہ میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اختلاف کیا ہے ہمیں اس اختلاف

کے متعلق کتاب وسنت یا قیاس سے ان دونوں یا ایک قول پر دلیل مل جاتی ہے۔ (الرسالہ ص ۵۶۲)

اس کی دلالت کے بیان میں ان کا اجتہاد محیط نظر آتا ہے۔ ان کے منہاج کی وضاحت کے لیے چند مثالیں یہاں درج کرتے ہیں جو کہ انہوں نے خود بیان کی ہیں۔

ثلاثۃ قروء کی تفسیر:

قرآن کی اس آیت کریمہ:

☆ وَ الْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ (البقرۃ ۲: ۲۲۸) کے معنی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مختلف اقوال ملتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ قروء کے معنی طہر کے ہیں اور یہی قول زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ کا ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کا خیال یہ ہے کہ قروء بمعنی حیض ہے لہٰذا مطلقہ عورت جب تک تیسرے حیض سے پاک ہو کر غسل نہ کرلے وہ حلال نہیں ہوتی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ یہ دونوں قول ذکر کر کے ہر ایک کے وجوہ بیان کرتے ہیں۔ جو لوگ قروء کے معنی حیض لیتے ہیں۔ ان کے قول کے مطابق قروء کو یہاں مواقیت قرار دیا ہے اور مواقیت کا اقل حصہ مراد لیا جاتا ہے اور حیض چونکہ طہر سے اقل ہوتا ہے لہٰذا وہی میقات کے لیے مقرر ہو گیا۔ جیسا کہ مہینوں کے لیے ہلال (چاند) مقرر ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا مسلک اختیار کرتے ہوئے قروء سے طہر مراد لیتے ہیں۔

ردِّ حصص (وراثت) میں اختلاف:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اختلافی مثالوں میں ایک مثال رد کی پیش کی ہے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہر وارث کو اس کا مقررہ حصہ دینے کے بعد اگر کچھ مال بچ جائے اور میت کے عصبہ نہ ہوں تو اسے بیت المال میں جمع کر دیا جائے۔ ورثاء کو ان کے حصص سے زائد کا حق نہیں ہے۔ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قول ہے کہ اس زائد مال کو دوبارہ اصحاب الفروض کو واپس لوٹا دیا جائے۔ (اور اسے وہ رد کہتے ہیں) مثلاً ایک شخص کی وراثت اس کی بہن ہی ہے۔ اس صورت میں نصف مال تو اسے اس کا مقرر کردہ حصہ ملے گا اور اگر عصبہ یا ذوی الفروض میں سے کوئی اور نہ ہو تو باقی نصف کی بھی وہی حقدار سمجھی جائے گی۔ مندرجہ بالا صورت میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی رائے اختیار کی ہے اور اس پر قرآن کی یہ آیت پیش کی ہے۔

☆ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ وَ اِنْ كَانُوْۤا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّ نِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ. (النسآء ۴: ۱۷۶)

ترجمہ: اگر کوئی شخص مرجائے جس کی اولاد نہ ہو اور ایک بہن ہو تو اُس کے لئے اُس کے چھوڑے ہوئے کا آدھا حصہ ہے اور وہ بھائی اُس بہن کا وارث ہوگا، اگر اُس کی اولاد نہ ہو پس اگر بہنیں دو ہوں تو اُنہیں کل چھوڑے ہوئے کا دوتہائی ملے گا اور اگر کئی شخص اس ناتے کے ہیں مرد اور عورتیں بھی تو مرد کے لئے حصہ ہے مثل دوعورتوں کے۔

اس سے استدلال کیا ہے کہ اللہ عزوجل نے اکیلی بہن کا حصہ صرف نصف کیا ہے اور بھائی اکیلے کو کل مال کا وارث قرار دیا ہے اور بہن بھائیوں کا ذکر کر کے بہن کو بھائی سے نصف حصہ کا حقدار قرار دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بہن آپ کی ہو یا اس کے ساتھ بھائی ہر ہر صورت میں وہ بھائی سے نصف کی حقدار ہے۔ اب محولہ بالا صورت میں اگر بہن کو نصف حصہ اس کا مقررہ حصہ سمجھ کر دے دیا جائے اور باقی نصف ''رد'' سے تو اس کا حصہ بھائی کے برابر ہونا لازم آتا ہے۔ حالانکہ قرآن اجتماعی اور انفرادی صورت میں اسے نصف سے زائد کا حقدار قرار نہیں دیتا۔ پھر اگر آپ یہ کہیں کہ اس کا نصف تو فرض کی رو سے ہے۔ باقی نصف ''رد'' سے ملا ہے اور عطا کے مختلف سبب ہیں۔ تو اس کے جواب میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> ''یہ رد کیا چیز ہے کیا تم نے اسے استحسان سے ثابت کیا ہے۔ جو اصول استدلال سے نہیں ہے اور جس چیز کو اللہ نے مشروع نہیں کیا اس کے مشروع کا ہمیں کوئی حق نہیں ہے۔''

سگے اور علاتی بھائیوں کے ساتھ دادا کی وراثت کا مسئلہ:

ایک اہم مسئلہ سگے بہن بھائیوں اور اخیافی بہن بھائیوں کے ساتھ دادا کی میراث کا مسئلہ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین دادا کی حقدار میراث ان بہن بھائیوں کا حاجب ہونے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ حضرت ابوبکر، ابن عباس، عائشہ اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم دادا کو باپ کا مرتبہ دیتے ہیں اور اس کی موجودگی میں بہن بھائیوں کو محروم کر دیتے ہیں اور فقہا کا اس پر اجماع ہے کہ

میراث کے اکثر احکام میں دادا کو باپ کا حق حاصل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ وہ بیٹے اور بیٹی کے ساتھ باپ کی طرح وراث ہوتا ہے اور باپ کے زندہ نہ ہونے کی صورت میں وہ عصبہ قرار پاتا ہے اور بالاتفاق وہ اولادِ اُم کے لیے حاجب بن جاتا ہے۔ تو اخیافی اور علاتی اولاد کے لیے حاجب بننے میں وہ بمنزلہ باپ کے ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس رائے کو اختیار کرتے ہیں۔ جس میں سگے اور علاتی بہن بھائیوں کے لیے وہ حاجب نہیں بنتا اور اولادِ ام کے لیے اس کا حاجب ہونا نص سے تسلیم کرتے ہیں اور اس پر دوسروں کا قیاس نہیں کرتے کیونکہ سب یکساں نہیں ہوتے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنی رائے پر بایں طور بھی استدلال کرتے ہیں کہ سگا اور علاتی بھائی اور بہن رشتہ داری میں باپ کے مساوی ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''کیا دادا یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں میت کے باپ کا باپ ہوں اور بھائی یہ کہہ سکتا ہے کہ میں میت کے باپ کا بیٹا ہوں لہٰذا یہ دونوں بواسطہ باپ کے رشتہ دار ہیں۔''

اس طرح امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ان لوگوں کی آراء کو ترجیح دیتے ہیں۔ جو بہن بھائیوں کو دادا کے لیے حاجب نہیں مانتے مگر ان کو باہم ایک دوسرے کا حاجب مانتے ہیں۔ اگرچہ قیاس ان کی تفصیل کو چاہتا ہے۔ مگر دادا پر ان کو فضیلت نہیں دیتے اس لیے اس موقع پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ قیاس کو ترک کر دیتے ہیں کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس بات پر اجماع ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الرسالہ'' میں یہ ذکر نہیں کیا کہ وہ اس مسئلے میں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی اتباع کرتے ہیں یا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ......؟ ......الام میں اس کی تصریح کر دیتے ہیں، کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس پر اجماع ہے۔

جب دادا بھائیوں کے ساتھ وارث ہوگا تو اسے وہ حصہ ملے گا جو تہائی سے بہتر ہوگا۔ اگر تہائی بہتر ہوگی تو اسے تہائی دی جائے گی۔ یہی قول زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا ہے اور فرائض کے اکثر مسائل میں ہم اسی کے متبع ہیں۔

مذکورہ بالا تفصیل سے اقوال صحابہ کے بارے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک واضح ہو جاتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے کسی مسئلہ پر متفق ہونے کی صورت میں ان کے اجماع کو حجت قرار دیتے ہیں۔ اگر کسی مسئلہ میں ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا قول ہو اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس کا کوئی مخالف نہ ہو تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس کی اتباع کرتے ہیں اور جب کسی مسئلہ میں وہ مختلف ہوں تو جس کا قول کتاب وسنت کے زیادہ قریب یا قیاس کے لحاظ سے زیادہ صحیح سمجھتے ہیں اسے اختیار کر لیتے ہیں مگر ان کے اقوال سے باہر نہیں نکلتے۔ یہاں نظر واجتہاد کے لیے انہیں ایک وسیع میدان نظر آتا ہے۔

فقہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مصدر ''اجماع''

اجماع کی تعریف: لغوی مطلب عزم کرنا۔ ارادہ کرنا یا اتفاق رائے کرنا۔ اصطلاحاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد کسی بھی دور میں اجتہاد کر کے کسی خاص شرعی حکم پر اتفاق رائے کرنا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اجماع کے معنیٰ یہ ہیں کہ علمائے عصر کسی حکم پر اتفاق کر لیں پس جس حکم پر اجماع ہو جائے گا اسے حجت قرار دیا جائے گا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اجماع کا دائرہ بہت تنگ ہے، یعنی صرف چند فرائض میں جن سے واقفیت حاصل کرنا شریعت حقہ کی رُو سے ضروریات دین سے ہے اور وہ مجمع علیہ ہیں۔

اجماع سکوتی:

اجماع کی دو اقسام ہیں۔ اجماع صریح (عزیمت) جس کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ معتبر سمجھتے ہیں جبکہ اجماع سکوتی (رُخصت) جس کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ معتبر نہیں سمجھتے۔

(۱) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اجماع سکوتی کو غیر معتبر سمجھنے کے معنیٰ یہ ہے کہ مجتہد اپنی رائے سے کوئی مسلک اختیار کرے اور وہ مسلک اس زمانہ میں شہرت پذیر ہو جائے مگر کسی سے اس کا انکار منقول نہ ہو۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس اجماع کو اجماع ہی نہیں سمجھتے۔ کیونکہ اجماع کے بارے میں وہ یہ شرط لگاتے ہیں کہ کسی مسئلہ کے متعلق ہر ایک عالم اپنی رائے کا اظہار کرے اور سب کی آراء متفق ہو جائیں۔

(۲) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مناظروں میں اپنے مخالف کے دعویٰ اجماع کو تسلیم ہی نہیں کرتے تھے اور اس پر اس کے اثبات کے تمام راستے بند کر دیتے تھے حتیٰ کہ اس کے اثبات کو محال بنا دیتے تھے۔ چنانچہ کتاب اجماع العلم میں وہ اپنے مناظر کو جواب دیتے ہوئے اجماع کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ وہ اہل علم کون ہیں کہ جب وہ کسی مسئلہ پر اجماع کر لیں تو ان کا یہ اجماع حجت بن جائے گا اور سوال و جواب کے بعد امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ایک طویل تقریر میں اس غلطی کو واضح کرتے ہیں۔

ہر شہر میں ایسے علماء کی کمی نہیں ہے۔ جو دوسرے دیار کے علماء کو غیر فقیہ کہتے ہیں۔ یا انہیں مسند افتاء کا نااہل قرار دیتے ہیں اور کسی کے لیے یہ جائز نہیں سمجھتے کہ ان کے قول پر عمل کرے میں جانتا ہوں کہ ہر شہر کے علماء باہم مختلف الآراء ہیں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ ایک شہر کے

علماء دوسرے دیار کے علماء سے اختلاف رکھتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے علم میں یہ بات آچکی ہے کہ اہل مکہ وہ لوگ ہیں جو عطاء کے قول کے خلاف نہیں کرتے اور بعض وہ بھی ہیں جو دوسرے کے اقوال ان کے قول کے مقابلہ میں اختیار کر لیتے ہیں۔ پھر زنگی ابن خالد بھی مفتی بنا ہوا ہے۔ ایسے لوگ بھی جو فقہ میں انہیں دوسرے پر مقدم رکھتے ہیں اور انہی میں سے بعض لوگ سعید بن سالم کے قول کی طرف مائل ہیں اور ان دونوں میں سے ہر ایک کے اصحاب دوسرے کو ضعیف گردانتے ہیں اور اس معاملہ میں اعتدال سے تجاوز کر جاتے ہیں۔ اہل مدینہ سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ (تابعی) کو دوسروں پر مقدم رکھتے ہیں۔ اگرچہ ان کے بعض اقوال کو ترک بھی کر دیتے ہیں پھر ہمارے زمانہ میں کچھ لوگ ابھرے اور انہوں نے فقہ میں خاص مقام حاصل کر لیا ہے۔ جیسے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بہت سے لوگ انہیں مقدم سمجھتے ہیں اور کچھ ایسے بھی ہیں۔ جو ان پر حد سے بڑھ کر زیادتی کرتے ہیں اور ان کے اقوال وفتاوٰی کو ضعیف ثابت کرتے ہیں۔ چنانچہ میں نے ابن ابی الزناد رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا ہے کہ وہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی تردید میں حد اعتدال سے تجاوز کر جاتے تھے۔ اسی طرح مغیرہ بن حازم اور دراوردی رحمہما اللہ ہیں۔

کوفہ میں ایک جماعت ہے جو ابن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف مائل ہے اور ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی مذمت کرتی ہے۔ کچھ دوسرے لوگ ہیں جو ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی طرف مائل ہیں اور ابن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی مذمت کرتے ہیں۔ بعض وہ ہیں جنہوں نے قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے اختلاف کیا ہے۔ انہیں غلط قرار دیتے ہیں۔ کچھ لوگ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف مائل ہیں۔ دوسرے حسن بن صالح رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو حجت مانتے ہیں۔

ان امصار کے علاوہ جن کا تذکرہ کیا ہے دوسرے بلاد سے متعلق بھی مجھے اسی قسم کی خبریں موصول ہوئی ہیں۔ اہل مکہ علم میں عطاء بن ابی رباح کو تابعین پر مقدم رکھتے ہیں اور بعض دوسرے ابراہیم النخعی کو ترجیح دیتے ہیں۔ پھر ہر شہر کے لوگ اپنے عالم کو دوسرے پر مقدم رکھنے میں اسراف سے کام لیتے ہیں۔ یہی حال ان علماء کا ہے جنہیں اہل شہر نے فقیہ بنا رکھا ہے۔ پس جب اہل امصار کے مابین اختلاف پایا جائے تو یہ کیوں کر مانا جا سکتا ہے کہ یہ لوگ ایک تفقہ یا تفقۂ عام پر متفق ہیں۔ بعض مفتیوں کو میں نے حلف اٹھا کر یہ کہتے سنا ہے کہ فلاں کیلئے اس کے نقصان عقل اور جہالت کی بنا پر فتویٰ دینا جائز نہیں ہے اور فلاں یعنی اہل علم سے دوسرے شخص کیلئے سکوت اختیار کرنا جائز نہیں ہے۔ مگر اہل شہر اس شخص اس شخص کیلئے جس کے علم وفضل اور عقل کی پہلے لوگوں نے تعریف کی ہے فتویٰ دینا جائز نہیں سمجھتے الغرض اس قسم کی بہت سی باتیں مجھ تک پہنچی ہیں۔

حجیت اجماع:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اجماع کو حجت تسلیم کرتے ہیں ان کے نزدیک اس کا مرتبہ کتاب و سنت کے بعد اور قیاس سے مقدم ہے۔امام صاحب ''الرسالہ'' میں فرماتے ہیں: ''کتاب وسنت کا جو حکم ازروئے اجماع ثابت ہو وہ ہمارے نزدیک ظاہر و باطن دونوں اعتبار سے حجت ہے مگر جو سنت انفرادی اعتبار سے ثابت ہو نیز اس پر لوگوں کا اجماع نہ ہو وہ صرف ظاہری لحاظ سے حجت ہو گی کیونکہ اس میں غلطی کا امکان ہے۔قرآن وسنت کے بعد اجماع اور پھر قیاس کا درجہ ہے اور قیاس سب سے آخری دلیل ہے، کیونکہ حدیث کی موجودگی میں قیاس کی ضرورت نہیں ہے اور اس کی مثال سفر میں پانی نہ ملنے پر تیمّم کی سی ہے۔جو پانی ملنے پر باطل ہو جاتا ہے۔''

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جیسا کہ ''الرسالہ'' سے معلوم ہوتا ہے اجماع کو حجت تو مانتے ہیں مگر اس کی حجیت کا صرف اس موقعہ پر اعتبار کرتے ہیں۔جب کہ کتاب وسنت سے کوئی نص ثابت نہ ہو حجیت اجماع کی دو دلیلیں بیان کی گئی ہیں...... 1۔الرسالہ میں سلیمان بن یسار رضی اللہ عنہ کی روایت منقول ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ جابیہ کے مقام پر خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی مقام پر ہمارے سامنے کھڑے ہو کر فرمایا تھا۔میرے صحابہ، تابعین، اور تبع تابعین کو احترام کی نظر سے دیکھتے رہنا۔پھر زمانہ خیر القرون کے بعد کذب بیانی کا دور دورہ ہو گا حتیٰ کہ ایک شخص قسم کھا کر بات کرے گا حالانکہ اس سے حلف طلب نہیں کیا جائے گا اور انسان کسی امر پر شہادت دے گا گو کہ اس سے شہادت نہیں لی جائے گی۔جسے بہشت پیاری ہو اسے چاہیے کہ اس دور میں جماعت کے ساتھ رہے کیونکہ جماعت سے الگ رہنے والے کے ساتھ شیطان ہوتا ہے اور وہ دو آدمیوں سے دور رہتا ہے۔کوئی مرد کسی غیر عورت کے ساتھ تنہائی اختیار نہ کرے کیونکہ ان کے ساتھ تیسرا شیطان ہوتا ہے۔جس آدمی کو نیک کام بھلے معلوم ہوں اور اپنی برائی کو برائی خیال کرے وہ شخص مومن ہے۔(۱)

اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جماعت کے ساتھ رہنے کی تلقین کی ہے اور جماعت کے ساتھ رہنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ظاہر ان کے ساتھ ہو مگر دل الگ الگ ہو۔جماعتی وحدت کا مدار تو اس بات پر ہے کہ انسان حلال وحرام اور اطاعت میں جماعت کا

۱۔ (سنن الترمذی، کتاب الفتن، رقم الحدیث: 2165، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: 2363، مسند احمد، 26/1، رقم الحدیث: 177، مشکوٰۃ المصابیح، باب مناقب الصحابۃ، رقم الحدیث: 6012)

ساتھ نہ چھوڑے چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اگر مسلمان متفرق شہروں اور علاقوں میں بستے ہوں تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں بدنی معیت ناممکن ہے۔ بلکہ بدنی لحاظ سے مسلمان اور کفار، اتقیاء اور فاجر وفاسق لوگوں سے مل جل کر رہنا پڑھے گا...... لہٰذا لزوم جماعت والی حدیث سے لزوم بدنی مراد نہیں ہے۔ کیوں کہ اولاً تو یہ ویسے بھی ناممکن ہے اور پھر اس سے کچھ حاصل بھی نہیں ہوتا۔ لہٰذا مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ لازم رہنے کا اس کا اس کے سوا کچھ مطلب نہیں ہے کہ تحلیل وتحریم اور اطاعت میں ان کا ساتھ نہ چھوڑے۔ چنانچہ جو شخص ان باتوں میں جماعت کے ساتھ رہے گا تو اس نے جماعت کا ساتھ دیا اور جو شخص ان مذکورہ امور میں جماعت مسلمہ کی مخالفت کرلے گا۔ تو اسے مخالف سمجھا جائے گا۔ یہ واقعہ ہے کہ انفرادی حالت میں تو انسان غفلت اور غلطی کا شکار ہوسکتا ہے مگر جماعتی صورت میں کتاب وسنت یا قیاس سے غفلت ناممکن ہے۔''

2۔ اجماع کے حجت ہونے پر دوسری دلیل قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیت ہے۔ چنانچہ فرمایا:

وَ مَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ یَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَاتَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَ سَآءَتْ مَصِیْرًا۔ (النساء۴:۱۱۵)

اس آیت میں اللہ نے مومنین کے خلاف راستہ اختیار کرنے کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کے برابر قرار دیا ہے۔ کیونکہ دونوں کی سزا ایک ہی رکھی ہے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت حرام ہے لہٰذا کسی امر میں مومنین کی مخالفت بھی حرام ہوگی۔ جب ان کی مخالفت حرام ہے تو اتباع ضروری ہوگی اور تحلیل وتحریم کے مسائل میں ان کی مخالفت ان کے راستہ کی اتباع کے خلاف ہے۔ بلکہ ان امور میں ان کے راستہ پر چلنے کا نام ہی اتباع ہے۔ چنانچہ علامہ زمخشری اپنی ''تفسیر کشاف'' میں آیت ویتبع غیر سبیل المومنین کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''سبیل مومنین سے مراد دین حنیف کا راستہ ہے۔ جس پر وہ قائم ہیں اور یہ آیت اس بات پر دلیل ہے کہ اجماع حجت ہے اور اس کی مخالفت جائز

نہیں ہے۔ جیسا کہ کتاب وسنت کی مخالفت جائز نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں مومنین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کو یکجا جمع کیا گیا ہے اور ان دونوں کی مخالفت پر وعید شدید بیان کی ہے۔ لہٰذا ان کی اتباع بھی اسی طرح واجب ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے موالات واجب ہے۔"

اجماع کے مسائل:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اجماع کی حقیقت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"میں اور اہل علم میں سے کوئی شخص جب کسی مسئلہ کے اجماعی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ مسئلہ اس نے پہلے سے اسی طرح سنا ہے اور اسے سب لوگ مانتے چلے آئے ہیں۔"

اس نص سے ثابت ہوتا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ صرف اجماع علماء کو حجت مانتے ہیں۔ کیونکہ جن احکام کی کتاب وسنت میں تصریح نہیں ہے۔ ان کے حلال یا حرام ہونے کا فیصلہ علماء ہی کر سکتے ہیں۔ پس جب اجماع کی اساس حلال وحرام کے بارے میں کسی نتیجہ پر پہنچنا ہے۔ تو یہ اجماع مجتہد علماء کی جماعت کے بغیر ناممکن ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس کلام نے علمائے اصول کے لیے ایک دروازہ کھول دیا ہے۔ جسے بعد کے علماء نے پھیلایا ہے۔ چنانچہ علمائے اصول نے ان علماء کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے جن سے اجماع منعقد ہوتا ہے۔ غور کیا ہے کہ ان میں اہل بدعت بھی داخل ہیں یا نہیں۔

اور اس بارے میں انہوں نے بہت سی غبار انگیزیاں کی ہیں اور لمبے چوڑے اختلافات بیان کیے ہیں لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف وہی اجماع معتبر ہوگا جس پر بلاد اسلامیہ کے تمام علماء کا اتفاق ہو۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے شیخ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی تردید کی ہے کیونکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ صرف اہل مدینہ کے اجماع کو معتبر سمجھتے تھے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اہل مدینہ کے اجماع کو واجب الاتباع قرار دیتے تھے۔ چنانچہ "الرسالہ" میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض علمائے مالکیہ کے ساتھ مناقشہ کے وقت اپنے مقابل کے قول کی حکایت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"کسی امر پر اہل مدینہ کا متحد ہو جانا اخبار آحاد سے قوی ہوتا ہے۔ لہٰذا تم اخبار آحاد کا ہمیں ہیں کیوں مکلّف بناتے ہو اور مجمع علیہ امر جو اقویٰ اور

واجب العمل ہے۔ اسے کیوں ترک کرتے ہو؟ اگر وہ یہ کہے کہ اخبار آحاد تو بہت کم ہیں اور سماجی مسائل کی اس قدر کثرت ہے کہ بیان کی ضرورت نہیں تو ہم کہیں گے کہ تم بھی کبھی ایسا کرتے ہو اور بعض مسائل کے اجماعی ہونے کا دعویٰ کر دیتے ہو۔''

پھر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تردید کرتے ہیں کہ:

''میرا اور اہل علم میں سے کسی کا بھی یہ دعویٰ نہیں کہ فلاں مسئلے پر اجماع ہو چکا ہے۔ بجز ان مسائل کے جن کے ہمیشہ سے علماء قائل چلے آئے ہیں۔ وہاں کبھی کوئی اجماع ہوتا ہے۔ مگر مدینہ کے علماء اس کے خلاف ہوتے ہیں اور کبھی اس کے برعکس اہل مدینہ ایک مسئلہ پر اتفاق کرتے ہیں۔ مگر دیگر امصار ان کے مخالف نظر آتے ہیں...... مذکورہ بالا بیان امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الرسالہ'' میں اہل مدینہ کے بارے میں دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مالک کا تعامل اہل مدینہ کو خبر آحاد پر مقدم رکھتا تھا۔''

اجماع بطلان کے دو پہلو:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس استدلال کو دو طریقوں سے باطل کرتے ہیں:

(۱) اول یہ کہ ان کے نزدیک جو اجماع حجت ہے۔ وہ ایک شہر والوں کا اجماع نہیں ہے۔ بلکہ تمام بلاد اسلامیہ کے علماء کا اجماع ہے۔

(۲) دوم یہ کہ جن مسائل کے بارے میں اہل مدینہ کے اجماع کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ خود مدینہ کے بعض علماء کو ان سے اختلاف ہے اور تمام شہروں کے علماء بھی ان کے خلاف رائے رکھتے ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس استدلال کو تیسری طرح بھی رد کر سکتے تھے کہ جس اجماع کو امام حجت مانتے ہیں اس کا مرتبہ کتاب وسنت کے بعد ہے۔

تفصیل ہٰذا سے معلوم ہوتا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ خبر واحد پر اجماع اہل مدینہ کی تقویم کا رد نہیں کرتے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ خود بھی اس نظریہ سے متفق ہیں؟ ان کی تالیفات کے مطالعہ سے معلومات ہوتا ہے کہ وہ اس نظریہ سے متفق نہیں چنانچہ ''کتاب الام'' میں اس قاعدہ پر مناقشہ پایا جاتا ہے۔

''میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ ہمارے نزدیک صرف اجماع اہل مدینہ معتبر ہے۔ دیگر بلاد اسلامیہ کے اجماع کو ہم تسلیم نہیں کرتے۔ فرمانے لگے۔ یہی مسلک ان لوگوں کا ہے اور اجماع کو حجت مانتے ہیں تمہارے اور ان کے مابین صرف اتنا سا فرق پایا جاتا ہے کہ وہ تمام علمائے اسلام کے اجماع کا دعویٰ کرتے ہیں اور تم اہل مدینہ کے اجماع کا تم دونوں میں چونکہ اصولاً اتحاد پایا جاتا ہے۔ اس لیے جو اعتراض ان پر ہو سکتا ہے۔ وہی اعتراض تم پر بھی وارد ہوتا ہے۔ لہٰذا تمہارے لیے بہتر یہ ہے کہ اس دعویٰ کو چھوڑ دو۔''

میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا۔ ''یہ کیوں؟''

تو امام صاحب نے جواب دیا:

''اس لیے کہ اس دعویٰ کی بنا عدم واقفیت پر ہے کیونکہ جب تم سے اس کے متعلق کچھ تفصیل دریافت کی جاتی ہے تو تم اس کا ایسا جواب نہیں دے پاتے جو دوسروں کو قائل کر سکے۔ کیا واقعہ نہیں ہے کہ جب تم سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مدینہ میں اجماع کرنے والے کون لوگ ہیں؟ کیا اس بارے میں کوئی حدیث موجود ہے جس پر انہوں نے اجماع کیا ہے؟ یا صحابہ کرام کے رضی اللہ عنہم اجماع سے ثابت ہے تو اس سلسلہ میں تم پر دو اعتراض وارد ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ اگر وہ مسئلہ اجماعی ہے تو اس کے متعلق جو حدیث تمہیں ملی ہے۔ ضرور ہے کہ خبر آحاد سے ہو جو تمہارے اصول کے مطابق قابل عمل نہیں ہے پھر اگر وہ خبر آحاد ہے تو جو چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہو ظاہر ہے وہی اولیٰ اور واجب ہے۔''

دوم یہ ہے کہ: ''اگر قول واحد کے سوا اس بارے میں کوئی متفق علیہ چیز نہیں ملی ہے تو پھر اجماع کا دعویٰ کیوں کرتے ہو اور کس طرح کہتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ نے اس پر اجماع کیا ہے۔ حالانکہ تمہارے قول کے مطابق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس میں مختلف ہیں اور دیگر اہل علم کے نزدیک بھی وہ اختلاف ثابت ہے۔'' (کتاب الام جلد ۷ ص ۲۴۲)

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اجماع بالرائے پر خبر آحاد کی تقدیم

کے قائل ہیں۔ بشرطیکہ وہ اجماع کسی ایسی حدیث پر مبنی نہ ہو جو متعدد طریق اور متعدد جماعتوں سے مروی ہو۔ جیسے خبر عامہ کہا جاتا ہے...... کیوں کہ ایسی صورت میں تو اجماع خبر آحاد پر مقدم ہوتا ہے اور سنت سے ثابت ہونے کی وجہ سے اسے حجت مانا جاتا ہے نہ کہ اجماع خبر آحاد پر مقدم ہوتا ہے اور سنت سے ثابت ہونے کی وجہ سے اسے حجت مانا جاتا ہے۔ نہ کہ اجماع اہل مدینہ یا امت مسلمہ کے اس پر متفق ہونے کی وجہ سے ان کے کلام سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر زیر بحث فقہی مسئلہ میں اہل مدینہ کا اختلاف ثابت کرتے ہیں اور جس مسئلہ میں بھی ان کے مخالف اجماع اہل مدینہ کو بطور دلیل کے پیش کرتا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اسی میں اہل مدینہ کا اختلاف پیش کر دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ مخالف سے کہتے ہیں۔ ''ہم نے تمہارے سامنے یہ بات واضح کر دی ہے کہ اہل مدینہ یا دوسروں کے متعلق اجماع کا دعویٰ صحیح نہیں ہے اور جس مسئلہ میں تم نے اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔ اسی میں ہم نے اختلاف ثابت کر دیا ہے اور جب مسائل کے متعلق تم نے اجماع کا دعویٰ کیا ہے کہ ان میں سے بیشتر مختلف فیہ ہیں۔'' (کتاب الام جلد ۷ ص ۲۴۸)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور اجماع اہل مدینہ:

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اجماع اہل مدینہ کو حجت نہیں جانتے اور اس بارے میں وہ اپنے شیخ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اختلاف کرتے ہیں اور اصحاب مالک سے جو لوگ ان سے مجادلہ کرتے ہیں ان کا سختی سے رد کرتے ہیں اور جن مسائل میں وہ اجماع کا دعویٰ کرتے یہ ان میں اہل مدینہ کا اختلاف ثابت کرتے ہیں۔ بلکہ بعض اوقات ان کا رد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جن مسائل میں تم اجماع کا دعویٰ کرتے ہو۔ اہل مدینہ کی اکثریت ان کے خلاف ہے۔ پھر جدل کرتے ہوئے ان سے کہتے ہیں۔ اگر کوئی شخص یہ اعتراض کر لے کہ تم اہل مدینہ کے قول کی زیادہ تردید کرتے ہو تو وہ تمہارے قول کے مطابق اسے ثابت کر سکتا ہے اور تم اس کی مدافعت نہیں کر سکتے اور جو اعتراضات تم دوسروں پر کرتے ہو اس سے زیادہ تم پر وارد ہو سکتے ہیں کیوں کہ تم نے اہل مدینہ کے علم کا دعویٰ کیا ہے اور دوسروں کو چھوڑ کر تم انہیں کی اتباع کرتے ہو پھر تم ان لوگوں سے بھی بڑھا کر اہل مدینہ کے علم کا دعویٰ کیا ہے اور دوسروں کو چھوڑ کر تم انہیں کی اتباع کرتے ہو پھر تم ان لوگوں سے بھی بڑھ کر اہل مدینہ کی مخالفت کرتے ہو جو ان کے اتباع کا دعویٰ نہیں کرتے جیسا کہ تم کرتے ہو۔ اگر یہ باتیں تم سے مخفی ہیں تو یہ سراسر تمہاری نادانی کا نتیجہ ہے۔

(کتاب الام جلد ۷ ص ۱۹۳)

مگر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جب مالکیوں سے ان مسائل کے بارے میں جن میں وہ اہل مدینہ کے عمل یا اجماع سے حجت لائے ہیں۔ مجادلہ کرتے ہوئے کہتے ہیں تو اس کے ساتھ یہ بھی اقرار کرتے ہیں کہ علمائے مدینہ جس امر پر متفق ہوں اس پر تمام علمائے امصار متفق ہوں گے اس بنا پر وہ کتاب ''خلاف مالک'' میں کہتے ہیں ...... اجماع کا دعویٰ صرف اسی مسئلہ میں ہوسکتا ہے جس میں اہل مدینہ کو اختلاف نہ ہوا ہو اور ہم اجماع اسی کا نام رکھتے ہیں۔ جس میں اہل مدینہ متفق ہوں کیوں کہ جس مسئلہ میں اہل مدینہ متفق ہوں گے اس میں تمام علمائے اسلام متفق ہوں گے اور علمائے امصار اہل مدینہ کی اسی صورت میں مخالفت کرتے ہیں جو ان کے مابین مختلف فیہ ہو۔

ہم نہیں کہہ سکتے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ قاعدہ کہاں سے اخذ کیا کہ اہل مدینہ صرف اسی مسئلہ پر اتفاق کرتے ہیں جس پر تمام علمائے امصار متفق ہوں۔ کیا انہوں نے استقراء سے یہ معلوم کرلیا ہے کہ اہل مدینہ اسی امر پر متفق ہوتے ہیں۔ جن پر تمام علماء کا اتفاق ہو یا وہ یہ بات باور ہی نہیں کرتے کہ کسی امر مجتہد فیہ میں ان کے مابین اتفاق ہوسکتا ہے۔ سوائے اس صورت کے کہ تمام اہل عقل اسے تسلیم کرتے ہوں اور اہل فہیم کے لیے کسی طرح بھی اختلاف کی گنجائش نہ ہو۔ یا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ یہ سمجھتے ہیں کہ جب اہل مدینہ کسی امر پر متفق ہوں تو دوسرے علماء کے اختلاف کو حرج خیال کرتے ہیں؟ ان تمام احتمالات کی گنجائش ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس قاعدہ کا مآخذ یا سند بیان نہیں کی اس کی سند سے قطع نظر یہ واقعہ ہے کہ جن مسائل پر اہل مدینہ اور دوسرے علماء متفق ہوں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان کا دائرہ بہت تنگ ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اہل مدینہ کی آراء کو نہایت احترام کی نظر سے دیکھتے تھے اور ان کے اقوال اخذ کرنے کی وصیت کیا کرتے تھے۔ چنانچہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''مناقب شافعی'' میں لکھتے ہیں۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند کے ساتھ یونس بن عبد الاعلی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی مسئلہ میں مباحثہ کیا تو انہوں نے فرمایا:

> ''بخدا میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ جب اہل مدینہ کو کسی امر پر متفق پالے تو تجھے اس کے برحق ہونے میں کچھ بھی شبہ نہیں کرنا چاہیے۔ اگر کوئی بات تجھے دوسرے ذریعہ سے حاصل ہو تو وہ ذریعہ خواہ کتنا ہی معتبر کیوں نہ ہو لیکن اگر اہل مدینہ سے وہ ثابت نہیں ہے تو اس کی طرف التفات بھی نہیں کرنا چاہیے۔''

یہ روایت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے سند کے ساتھ مروی ہے۔ اس سے بلاشبہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اہل مدینہ کی رائے سے اخذ کرتے تھے۔ جیسا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک

تھا۔ مگر جو کچھ ہم امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کر چکے ہیں اس کے خلاف ہے کہ کیوں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل مدینہ کا قول ہی برحق ہے اور دوسرے اقوال نواہ کتنے بھی قوی کیوں نہ ہوں اگر ان کی اصل مدینہ سے نہیں ملتی تو وہ اعتبار کے قابل نہیں ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اس روایت کی نسبت دُرست نہیں ہے۔ کیونکہ یہ روایت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور اور مدونہ اصول و اقوال کے خلاف ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں پر اعتماد کرنا زیادہ اولیٰ ہے اور یا یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی قدیم رائے تھی۔ جب امام صاحب اصحاب مالک میں شامل تھے اور اجتہاد کے منازل طے کر رہے تھے۔ مگر مصر میں جا کر شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ اپنی آراء کی تنقیح میں لگے رہتے تھے اور اصول و فروع کے بارے میں انہیں مہذب کرتے رہتے تھے۔ (امام شافعی ص ۱۱ـ۲۱۰)

قیاس

سب سے پہلے قیاس کے قواعد و ضوابط مرتب کرنے اور اس کی اساس و بنیاد واضح کرنے والی ہستی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ امام صاحب سے پہلے کے نیز ان کے ہم عصر فقہا رائے قیاس سے کام لیتے تھے۔ مگر اس کے حدود اور اساس کی طرف کسی نے توجہ نہیں کی تھی۔ یعنی رائے صحیح اور غیر صحیح کا مابین کسی نے امتیاز قائم نہیں کیا تھا اور نہ اس کے حدود و قواعد وضع کیے تھے۔ حتیٰ کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے استنباط و قیاس صحیح کے قواعد مقرر کیے۔ قیاس کے حدود اور اس کے مراتب کا تعین کیا اور بتایا کہ وہ فقہ جس پر مبنی قیاس ہو اور وہ فقہ جو نص سے ماخوذ ہو دونوں کے مابین قوت و ضعیف کے لحاظ سے کتنا زبردست فرق ہے۔ پھر امام صاحب نے قیاس کی شروط بیان کی جن کا ایک فقیہ میں پایا جانا ضروری ہے اور انہوں نے قیاس صحیح اور استنباط بالرائے کے دیگر اقسام فاسدہ کے مابین فرق و امتیاز کو واضح کیا ہے۔ اس اعتبار سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو دوسرے فقہا پر اس باب میں فضیلت و سبقت حاصل ہے کہ انہوں نے اپنے بعد کے فقہا کے لیے راستہ بنا دیا جس پر انہوں نے رہروی کی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے قیاس کی تعریف حد یا رسم کے ساتھ تو نہیں بیان کی ہے لیکن جو مثالیں پیش کی ہیں اور جو شروط عائد کی ہیں۔ ان سے علمائے اصول کے نزدیک قیاس مصطلح کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دور میں علوم کے اندر منطقی اسالیب بیان نے رواج نہیں پایا تھا۔ اس پر انہوں نے منطقی طریق پر قیاس کی حد یا رسم بیان کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی جس کے ذریعے بعد میں علوم و فنون میں نظم پیدا ہوا اور ان کی تبویب (کتاب کے ابواب بنانا) کی گئی۔

قیاس کی تعریف:

اصطلاحاً جس چیز کے بارے میں کوئی نص موجود نہیں ہے۔ اسے حکم کے اعتبار سے ایسی چیز پر وارد کرنا جس میں نص موجود ہے۔ ان دونوں میں علت کے مشترک ہونے کی وجہ سے کوئی حکم بطور نص ثابت کیا جائے۔ لغوی طور پر۔ کسی چیز کو کسی چیز کے ساتھ تخمیناً ناپنا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جو قیاس کی تعریف وضع کی وہ بھی درج بالا تعریف کے مطابق ہے۔ اب ہم قیاس کے متعلق امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نظریات واقوال کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے قیاس پر اپنی گفتگو کو دو تمہیدی مقدموں سے شروع کیا ہے۔

دلالت قیاس کی توضیح:

اس میں شک نہیں کہ جو احداث ونوازل وجود پذیر ہوتے ہیں۔ ان سب کے احکام مذکور ہیں۔ کیوں کہ شریعت اسلامیہ ہمہ گیر شریعت ہے جس میں ہر حکم ملتا ہے اور معلوم ہوسکتا ہے کہ حکم شارع نے برقرار رکھ کر اس پر احکام مرتب کیے ہیں اور کس پر احکام مرتب نہیں کیے تو جب شارع کی طرف سے ہر قضیہ وحادثہ یا نازلہ کے متعلق احکام ملتے ہیں۔ تو ضروری ہے کہ اس حکم پر شارع نے نص واشارہ یا دلالت کے ذریعہ تنبیہ کی ہو جس سے طالب حکم رہنمائی حاصل کرسکتا ہے طریقہ دلالت سے احکام کی معرفت اجتہاد واستنباط اور اشباہ وامثال دوسرے اشباہ وامثال کے ساتھ الحاق کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا لامحالہ قیاس کی ضرورت ہوگئی۔ اسی مفہوم کے پیش نظر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

''جو بھی حادثہ کسی مسلمان پر نازل ہوتا ہے۔ لامحالہ شریعت میں اس کا حکم لازم ہے۔ سبیل حق دلالت موجود ہوتی ہے۔ یا بعینہ اس کی اتباع کا حکم ہوتا ہے۔ اگر بعینہ نہ ہو تو اجتہاد سے سبیل حق پر دلالت ہوسکتی ہے اور اسی قسم کے اجتہاد کا نام قیاس ہے۔'' (الرسالہ ص ۴۷۷)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے طریقہ کے مطابق شارع کے بیان کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) دلالت وقرائن کے ذریعے جو اللہ نے عقل وفکر کی رہنمائی کے لیے مقرر کیے ہیں۔ اس قسم کے بیان کو ایک مجتہد ہی پہچان سکتا ہے۔ امام شافعی کے نزدیک غیر منصوص اور مجمع علیہ احکام میں قیاس کے ذریعے اجتہاد سے کام لینا پڑتا ہے۔ حتیٰ کہ ان کے نزدیک اجتہاد ہی کا نام قیاس ہے۔

قیاس اور علوم ظاہر و باطن:

احکام شریعت کا علم دو طرح ہے:

(۱) علم احاطہ یعنی احکام کے ظاہر و باطن کی معرفت حاصل کرنا۔ اس قسم کا عالم شریعت کے ظاہر و باطن کو پہنچانتا ہے اور یہ شک وشبہ سے بالاتر ہوتا ہے۔

(۲) ظاہری علم: یعنی احکام کی حقیقت سے آگاہ نہ ہونا یہ علم ترجیح و ظن کے طریق پر حاصل ہوتا ہے۔ (الرسالہ ص ۴۷۷) اب رہا علم ظاہری...... جس میں حقیقت حال پنہاں ہوتی ہے۔ اخبار آحاد یا بقول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اخبار خاصہ...... اجماع اور قیاس کے ذریعے بھی حاصل ہوسکتا ہے۔ چنانچہ ان سہ گانہ اقسام سے جو علم حاصل ہوگا۔ وہ صرف علم ظاہری ہوگا۔ جس کے نفس الامری یا واقعی ہونے کا کوئی شخص دعویٰ نہیں کرسکتا اور اس پر اس حیثیت سے عمل کیا جائے گا کہ انسانی قدرت میں جس قدر ذرائع ممکنہ تھے۔ ان کے ذریعے سے یہ علم حاصل ہوا ہے اور جو بات انسان کی قدرت واستطاعت کی حدود سے خارج ہے۔ اس کا انسان مکلف بھی نہیں ہے۔

قضا کے احکام کا مدار اسی قسم کے علم پر ہوتا ہے۔ چنانچہ قاضی بسا اوقات ملزم کو شہادتوں اور قرائن مصدقہ کی بنا پر پھانسی کا حکم دے دیتا ہے نفس الامر میں وہ گواہ جھوٹے ہی کیوں نہ ہوں لیکن اسے ظاہر کے مطابق فیصلہ کرنا پڑتا ہے اور حقیقت حال خدا کو سونپ دیتا ہے۔ اسی طرح مجتہدین استخراج احکام کے سلسلہ میں اسباب ظاہری کے مطابق عمل کرنے کے مکلف ہیں اور حقیقت حال کے لحاظ سے اگر وہ غلطی پر بھی ہوں تو ان پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ مثلاً ایک شخص نے کسی عورت کو اپنے لیے حلال سمجھ کر اس سے نکاح کرلیا۔ پھر معلوم ہوا کہ وہ اس کی رضاعی بہن ہے۔ تو وہ عنداللہ گنہگار نہیں سمجھا جائے گا کیوں کہ وہ حقیقت سے آگاہ نہیں تھا۔ البتہ حقیقت حال کے منکشف ہوتے ہی اس کا عقد نکاح فسخ ہو جائے گا اور ظاہر و باطن دونوں اعتبار سے ان کے متعلق احکام صادر ہوں گے۔

ظاہر کے اعتبار سے نسبت، عدت اور مہر ثابت ہو جائے گا اور چونکہ حقیقتاً وہ عقد باطل تھا۔ اگرچہ عرصہ دراز کے بعد اس کا علم حاصل ہوا۔ اس لیے ان کے مابین توارث (وراثت) کا اجراء نہیں ہوگا چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس قسم کی مثالیں بیان کرتے چلے جاتے ہیں۔ جن کے اندر ظاہر و باطن کے احکام کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ ہم ان میں صرف ایک مثال کا ذکر کرتے ہیں۔

جس سے دوسری مثالوں کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے۔ مثلاً ایک شخص اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرتا ہے اور ہمارے سامنے ایسی علامات بھی نہیں ہیں جو باطن میں اس کے غیر مسلم ہونے پر دلالت کرتی ہوں۔ تو ہم اس کے ساتھ ظاہری حال کے لحاظ سے معاملہ کریں گے اور اس پر نکاح وراثت کے احکام جاری کریں گے۔

مگر جس شخص کو اس کا غیر مسلم ہونا معلوم ہوگا اور اس کے سامنے اس کا ثبوت یا قرائن موجود ہوں گے۔ وہ اپنے علم کے مطابق معاملہ کرے گا۔ ایسا شخص نہ اس سے نکاح کرسکتا ہے اور نہ اس کا وارث بن سکتا ہے۔ اس طرح ایک ہی شخص پر دو شخصوں کے لحاظ سے دو مختلف احکام پائے جاتے ہیں۔ اور ہر ایک پر لازم ہے کہ اپنے مقتضائے علم کے لحاظ سے عمل کرے!

قیاس اور علم ظاہر:

الغرض قیاس سے کسی چیز کا ظاہری علم حاصل ہوتا ہے اور باطن امر تک اس سے رسائی نہیں ہوسکتی کیوں کہ اس کا شمار علم کے ان طریق سہ گانہ میں ہے۔ جن سے ظاہری علم ہی حاصل ہو سکتا ہے اور باطن پر احاطہ نہیں ہوسکتا اور ہر مجتہد اپنے ظاہری علم کے لحاظ سے فیصلہ کرتا ہے۔ جب یہ معلوم ہو چکا تھا کہ قیاس سے علم ظاہر حاصل ہوتا ہے۔ نہ کہ ''علم احاطہ'' تو ایک ہی مسئلہ میں مجتہدین کے مابین اختلاف ہوسکتا ہے اور ایک کا قیاس دوسرے کے خلاف ہوسکتا ہے۔ مثلاً ایک قاضی ایک شخص کی شہادت اس بنا پر قبول کر لیتا ہے کہ بظاہر وہ اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اگرچہ اس میں کچھ کوتاہی موجود ہے۔ کیونکہ کوئی شخص گناہ سے پاک نہیں ہے۔ (الرسالہ ص ۴۷۷) اور دوسرا قاضی اس کی شہادت کو رد کر دیتا ہے۔ کیوں کہ اسے اس شخص کے متعلق ایسی باتوں کا علم ہے۔ جس کی وجہ سے شہادت مردود ہو جاتی ہے۔ تو جب مجتہدوں کا یہ حال ہے۔ تو وہ ایک چیز کے حکم میں مختلف ہوں گے۔ اس کے باوجود قیاس جائز ہی نہیں بلکہ شرعاً مطلوب ہے۔ چنانچہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سُنا ہے کہ اگر کوئی حاکم اپنے اجتہاد سے فیصلہ کر لے اور اس کا فیصلہ درست ہو تو اس کے لیے دو گناہ اجر ہے اور اگر اجتہاد میں غلطی کرے تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔ (الرسالہ ص ۴۷۷)

اس حدیث سے قیاس کا ثبوت ملتا ہے۔ کیوں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قیاس واجتہاد ایک ہی چیز ہیں اور باوجود یہ کہ علم ظاہر کے اعتبار سے کبھی افکار مختلف ہوتے ہیں۔ مگر پھر بھی وہ شرعاً مطلوب ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث سے اجتہاد یعنی قیاس کے مطلوب ہونے

پر اس طرح استنباط کیا ہے کہ مجتہد اپنے اجتہاد میں بہر حال کم و بیش ثواب کا مستحق تو ہو ہی جاتا ہے اور چیز شرعاً ممنوع ہو اس پر ثواب حاصل نہیں ہو سکتا۔

اور مقام اجتہاد میں جب خطا پر بھی ثواب حاصل ہوتا ہے تو اس حدیث کی رو سے احتمال خطا کے باوجود جو اجتہاد مطلوب ہو گا۔ نیز اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مجتہد صرف ظاہری حکم میں اجتہاد کا مکلف ہے۔ قیاس ہمیشہ کسی اصل پر مبنی ہوتا ہے۔ کیونکہ شریعت میں کتاب وسنت سے حکم مطلوب ہوتا ہے اور کتاب وسنت کے نصوص وہ اصول قائمہ ہیں۔ جن پر حکم مبنی ہوتا ہے۔ اگر کتاب وسنت سے نص میسر نہ ہو۔ تو غیر منصوص کو کسی امر منصوص کے ساتھ تشبیہ دے کر اس کا حکم معلوم کیا جائے گا۔ بشرطیکہ علت حکم دونوں میں مشترک ہو۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ پہلے نص کے معنی معلوم کیے جاتے ہیں اور اس میں علت حکم تلاش کی جاتی ہے۔ پھر اگر غیر منصوص امر میں اسی علت کا پایا جانا ثابت ہو جائے تو اس کے اندر قیاس سے حکم ثابت ہو جاتا ہے۔ یہی مطلوب ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کا کہ کتاب وسنت کی خبر ایک عین اور اصل ہوتی ہے جس کے معنیٰ مجتہد معلوم کرتا ہے تا کہ صحیح حکم لگا سکے۔

قیاس اور نص کا تقابلی جائزہ:

اس سے معلوم ہوا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جب کسی نص پر عمل کرتے ہوئے قیاس کا اعتبار کرتے ہیں تو اسے نص کا تابع بتاتے ہیں اس لیے انہوں نے کہا ہے۔ ''یہ صرف اہل علم کا کام ہے کہ جس بارے میں نص وارد نہیں ہے۔ اس پر قیاس کے ذریعے کسی نص کے تابع ہونے کا حکم لگائیں۔''

اور جب کتاب وسنت سے کوئی نص مقیس علیہ نہ بنتی ہو تو وہ محض اجتہاد بالرائے کو جائز نہیں سمجھتے تھے اور کسی نص یا قیاس علی النص کے بغیر حکم لگانے کو ممنوع خیال کرتے ہیں۔ یہی مطلب ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کا کہ......

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اجتہاد سے کسی چیز کا حکم دیتے ہیں تو وہ اجتہاد کسی چیز کی طلب پر مبنی ہوتا ہے اور طلب دلائل کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ انہیں دلائل کا نام اجتہاد ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ اگر ایک شخص دوسرے شخص کے غلام کو مار ڈالے تو اہل علم اسے اس وقت غلام یا لونڈی کی قیمت مقرر کرنے کا اختیار نہیں دیتے جب تک کہ وہ منڈی کے نرخ سے واقف نہ ہو۔ تا کہ وہ ذات اور مثل کے لحاظ سے مقرر کر سکے اور ثمن (قیمت) کا تعین دوسرے پر قیاس کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ اگر ثمن مثل کا اعتبار کیے بغیر اس کی قیمت لگائے گا تو یہ زیادتی سمجھی جائے گی پھر جب معمولی

چیزوں کا یہ حال ہے کہ مثل کا اعتبار کیے بغیر قیمت کی تعین میں غلطی کا امکان ہوتا ہے تو حلال وحرام میں تو کسی طرح استحسان سے فتویٰ جائز نہیں ہوگا۔

اس طرح امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اجتہاد وقیاس میں وہ مسلک اختیار کرتے ہیں جو ایک فقیہہ کی شان کے لائق ہے۔ تاکہ کوئی حکم دلالۃ بالنصوص کے بغیر ثابت نہ ہو۔ وہ شریعت کے معاملہ میں سراسر نص پر اعتماد کرتے ہیں اگر ظاہر نص موجود نہ ہو تو دلالت مستنبط سے کام لیتے ہیں یعنی نصوص سے معانی کے استخراج کے بعد جن چیزوں میں علت حکم ثابت ہو جائے ان پر نصوص کی طرح حکم لگاتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم فقہ نصوص قرآنی اور الفاظ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ماخوذ ہے قیاس کے ذریعہ نص پر عمل کر کے حاصل کیا گیا ہو۔ لہٰذا جو شخص نص قیاس کے بغیر کوئی حکم لگاتا ہے وہ گناہ سے قریب تر ہوگا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ''الرسالہ'' اوران کی دوسری کتب پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک علت کے واضح اور غیر واضح ہونے کے لحاظ سے قیاس کی تین قسمیں ہیں۔

ا۔ قیاس اولیٰ:

یہ کہ اصل بہ نسبت فرع میں اس حکم کا ثبوت اولیٰ ہوتا ہے۔ جیسا کہ آیت کریمہ:
''فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ'' (۲۳: بنی اسرائیل ۱۷) (ماں باپ سے اُف تک نہ کہو)۔ اس آیت میں اُف کی نہی سے ضرب وشتم کی ممانعت خاص طور پر ہوئی ہے۔

۲۔ قیاس مساوی:

یہ کہ اصل وفرع مرتبہ میں باہم مساوی ہوں اوران میں کمی بیشی نہ پائی جائے مثلاً آیت کریمہ...... ''فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ'' (۲۵: النسآء ۴) یعنی اگر کوئی باندی زنا کرے تو اسے دوسری آزاد عورتوں کے مقابلہ میں نصف سزا دی جائے گی یہاں لونڈی کو غلام پر قیاس کیا گیا ہے۔

۳۔ قیاس ادنیٰ:

علت حکم میں فرع اصل سے نصف ہو۔ اب ہم ان اقسام سہ گانہ کے متعلق امام

شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کی تشریح کرتے ہوئے ان پر بحث کرتے ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے قیاس کے مراتب مقرر کیے ہیں اور پہلی قسم کو سب اقسام سے قوی شمار کیا ہے۔ چنانچہ اس قسم کے متعلق لکھتے ہیں۔ ''سب سے اقوای قیاس یہ ہے کہ کتاب اللہ یا سنت سے کسی چیز کی ادنیٰ مقدار کو حرام قرار دیا ہو تو ''فضل الکرۃ علی القلۃ'' کے قاعدہ کی رو سے اس چیز کی زیادہ مقدار نے دبخود قابل ستائش ہوگی۔ علی ہذا القیاس اگر کسی چیز کی بڑی مقدار کو مباح قرار دیا ہے تو اس کی تھوڑی مقدار نے دبخود مباح سمجھی جائے گی۔ قیاس ادنیٰ کی دو قسمیں ہیں:

(۱) قیاس معنیٰ: پہلی قسم یہ ہے کہ محل وفاق میں علت حکم کا استنباط کیا جائے پھر فرع میں اس معنیٰ کے حاصل ہونے سے اصل میں اس کے حصول پر استدلال کیا جائے اسے ''قیاس المعنیٰ'' کہا جاتا ہے۔

(۲) قیاس شُبہ: دوسری صورت یہ ہے کہ معنیٰ کا استنباط نہ ہو بلکہ دو مختلف صورتوں کے بین بین صورت پر غور کرنے سے معلوم ہو کہ ایک طرف اس کی مشابہت زیادہ اور دوسری طرف کم ہے۔ جدھر زیادہ ہو اسی سے اسے ملحق کر دیا جائے اسے ''قیاس شبہ'' کہا جاتا ہے۔ (مناقب الشافعی ص ۹۹)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ صرف قیاس شبہ کو قیاس ضعیف میں شمار کرتے ہیں اور قیاس شبہ وہ ہوتا ہے جس میں فرع اور چند امور منصوصہ کے مابین مشابہات پائی جائے مگر جس کے ساتھ مشابہت بہت زیادہ اقرب ہو۔ اس کے ساتھ اسے ملحق کیا جائے۔ قیاس کی مجموعی طور پر دو صورتیں ہیں۔
اوّل: کہ کسی چیز کے بہت سے اشتباہ ہوں۔ اس صورت میں سب سے اولیٰ اور شبہ کے ساتھ الحاق کیا جائے گا۔ اس صورت میں مجتہدین کا اختلاف ہوسکتا ہے۔ اس صورت میں اہل قیاس مختلف الرائے ہوتے ہیں لہٰذا ظاہری عبارت میں اقسام ثلاثہ داخل ہوں گی۔ یعنی قیاس اولیٰ مساوی اور قیاس اضعف مگر اول الذکر دو قسموں کا معاملہ واضح اور بین ہے۔ کیوں کہ ان میں قیاسین اور اختلاف نہیں ہوتا اور نہ مجتہدین کے اقوال باہم متعارض ہوتے ہیں۔

قیاس شبہ کی امثلہ:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس کی متعدد مثالیں بیان کرتے ہیں۔ مگر ہم ان میں صرف بعض کو ذکر کرتے ہیں:

(الف) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ایک غلام دھوکہ سے فروخت کر دیا گیا، کچھ دنوں کے

بعد مشتری کو عیب کا علم ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فیصلہ صادر فرمایا کہ...... مشتری اس عیب کی بنا پر غلام کو واپس کر دے اور جو کچھ غلام نے کمایا ہے وہ اس کا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو غلہ مشتری کی ضمانت میں کمایا گیا ہے اور ثمن کے ساتھ اس کا تعلق نہیں ہے۔ وہ مشتری کی ملکیت ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس زیادتی غیر متولدہ پر ہر متولدہ زیادتی کو قیاس کر کے کہتے ہیں۔ پکا ہوا پھل، جانور کا دودھ، اُون اور بچے الغرض جو چیز بھی قبل از فسخ ظاہر ہوتی ہے وہ مشتری کی سمجھی جائے گی کیوں کہ وہ اس کی ضمانت میں ظاہر ہوئی ہے۔

بعض فقہا نے اس مسئلہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ زیادت متولدہ کو اس زیادت پر قیاس نہیں کر سکتے کسب وخروج کے قبیل سے ہے۔ کیوں کہ حدیث میں ''الخراج بالضمان'' ہے اور زیادت متولدہ چونکہ نص مبیع سے حاصل ہوتی ہے لہٰذا اسی کے ساتھ ملحق رہے گی۔ کیوں کہ یہ خراج کے قبیل سے نہیں ہے۔ مگر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر زیادت متولدہ ملحق بالعین ہو تو ہر چیز غلام کو ہبہ کی جائے وہ بھی بائع کی ملک ہونی چاہیے کیوں کہ وہ بھی خراج نہیں ہے۔ حالانکہ وہ ''الخراج بالضمان'' کی رو سے ہبہ کو مشتری کی ملک مانتے ہیں......

خلاصہ یہ ہے کہ زیر بحث مسئلہ میں دو وجہ شبہ پائی جاتی ہیں۔ جو باہم متنازع ہیں۔ اول یہ کہ زیادت متولدہ کو کسب کے ساتھ تشبیہ دی جائے اور یہ چونکہ مشتری کے مسلک میں حاصل ہوئی ہے۔ لہٰذا اسی کی ملک ہوگی۔ دوم یہ کہ زیادت متولدہ کو عین کے ساتھ ملحق کیا جائے کیوں کہ یہ حدیث ''الخراج بالضمان'' کے تحت نہیں آئی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پہلی وجہ شبہ کو ترجیح دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ کسب کی ملکیت کی علت مشتری کے ملک میں حادث ہونا ہے لہٰذا جو چیز مشتری کے ملک میں حادث ہوگی مشتری کی ملکیت اس پر ثابت ہو جائے گی۔

دوسرے فقہا کہتے ہیں کہ ہر قسم کی زیادت بلحاظ ملکیت کا حال ومال میں عین کے تابع ہوتی ہے اور جب عین مبیع بائع کی طرف واپس ہو رہا ہے تو زیادت کا بھی بائع ہی مستحق ہوگا۔

(ب) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سونے کی بیع سونے سے، کھجور کی کھجور سے، گندم کی گندم سے اور جو کی جو کے ساتھ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ بجز اس کے سودا، برابر برابر اور نقد بہ نقد ہو۔(۱)

۱۔ (صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، رقم الحدیث 1587، سنن الترمذی، رقم الحدیث 1240، سنن ابی داؤد، رقم الحدیث 3349، سنن النسائی، رقم الحدیث 4560، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث 2254، مسند احمد، 49/3)

یہ حدیث صحیح ہے مگر اس کی علت تحریم میں فقہا مختلف ہیں۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سونے کی سونے کے ساتھ بیع کی حرمت کی علت کو ثمنیت قرار دیتے ہیں۔یعنی اس کا مقوم ہونا اور باقی اصناف کی تحریم کی علت ان کا مطعوم ہونا ہے۔

(ج) قرآن پاک میں ہے:

☆ وَالْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَھُنَّ حَوْلَیْنِ کَامِلَیْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُھُنَّ وَ كِسْوَتُھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ.

یعنی اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس تک دودھ پلائیں جو کوئی دودھ کی مدت پوری کرنا چاہے اور بچے کے باپ پر ان کا کھانا کپڑا ہے دستور کے موافق۔(۲۳۳:البقرۃ۲)

☆ وَ اِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَیْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ.

ترجمہ: اور اگر تم اپنی اولاد کو دوسری جگہ دودھ پلوانا چاہو تب بھی کچھ گناہ نہیں تم پر بشرطیکہ جو دینا چاہتا تھا وہ دستور کے مطابق دو۔(۲۳۳:البقرۃ۲)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہند بنت عتبہ کو اجازت دے دی تھی کہ وہ اپنے خاوند ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور اپنی اولاد کے مال سے معروف کے ساتھ (بلا اجازت) لے سکتی ہے۔(۱) لہٰذا کتاب اللہ وسنت سے ثابت ہوتا ہے کہ والد پر اپنی چھوٹی اولاد کی اجرت رضاعت اور دیگر نفقات واجب ہیں اور اس وجوب کی علت وہ باہمی تعلق ہے۔جو اولاد اور باپ کے درمیان پایا جاتا ہے۔ جب اس تعلق کی بنا پر صغرسنی میں باپ پر اولاد کے نفقات واجب ہیں تو بالغ ہونے کے بعد اولاد کا بھی فرض ہے کہ بڑھاپے میں اپنے ماں باپ کی خبر گیری کرتے رہیں۔والدین کے یہ حقوق اولاد پر عائد ہوتے ہیں۔خواہ وہ کئی واسطوں سے والدین بنتے ہوں۔اسی طرح اولاد کے حقوق والدین پر عائد ہوتے ہیں۔خواہ وہ اولاد در اولاد کیوں نہ ہوں۔

۱۔(صحیح بخاری، کتاب النفقات، رقم الحدیث5364، صحیح مسلم، رقم الحدیث1714، سنن ابی داؤد، رقم الحدیث3532، سنن ابن ماجه، رقم الحدیث2293، مسند احمد،50/6، سنن الدارمی، رقم الحدیث2259، ابن حبان، رقم الحدیث4241، نسائی فی سنن الکبریٰ، رقم الحدیث9190، شرح السنة للبغوی، رقم الحدیث2149، سنن الکبریٰ للبیهقی141/10، مسند حمیدی، رقم الحدیث242)

حجیت قیاس:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ قیاس کی یہ اقسام اوران کے وجوہ ذکر کرنے کے بعد بیان فرماتے ہیں کہ بعض فقہا فرع کو اصل منصوص علیہ سے قوی یا مساوی ہونے کی صورت میں اقسام قیاس میں شمار نہیں کرتے چنانچہ لکھتے ہیں۔

> ''بعض اہل علم اسے قیاس کہنے سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ بلا واسطہ ان چیزوں میں داخل ہے۔ جنہیں اللہ نے حلال یا حرام یا محمود و مذموم قرار دیا ہے۔ نہ کہ کسی پر قیاس کیا گیا ہے۔ قیاس صرف یہ ہے کہ کسی مسئلہ میں دو مختلف معانی سے مشابہت پائی جائے اور اسے ایک پر قیاس کیا جائے اور دیگر اہل علم کا کہنا ہے کہ جو چیز کتاب و سنت میں بطور نص مذکور نہ ہو وہ قیاس ہی ہے۔'' (الرسالہ ص ۵۱۶)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دونوں مسلک بیان تو کیے ہیں مگر یہ نہیں بتایا کہ ان میں کون سا مسلک انہیں پسند ہے۔ بظاہر سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب ان ہر اقسام کو قیاس میں داخل مانتے ہیں۔

عدم قیاس کے دلائل:

مگر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جب فرع اصل سے ملحق ہو یا جو اس کے معنیٰ میں ہو اور اس قدر واضح ہو کہ دلالۃ النص کے بعد استنباط وتخریج اور تنقیح وتخریج علت کی محتاج نہ ہو تو وہ قیاس میں داخل نہیں ہے کیوں کہ جب علت نص سے معلوم ہوگی۔ تو واضح اور جلی ہونے کی وجہ سے فہم نص کے ساتھ ہی سمجھ میں آجائے گی اور استنباط وغیرہ کی ضرورت نہیں ہوگی اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے طریقہ پر ان دونوں میں جوہری فرق پایا جاتا ہے۔ کیوں کہ جو چیز نص قرآنی یا سنت متواترہ سے دلالت النص کے طور پر ثابت ہو وہ ظاہر و باطن کے لحاظ سے احاطہ علم کا فائدہ دیتی ہے لیکن اگر قیاس سے ثابت ہو تو صرف ظاہری علم ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً اگر ہم یہ کہیں کہ آیت کریمہ سے ضرب از روئے قیاس ثابت ہوتی ہے تو اس حرمت کا علم صرف ظاہری علم ہوگا اور حرمت اُف کا علم، علم احاطہ ہوگا یعنی ظاہر و باطن دونوں اعتبار سے علم حاصل ہوگا اور جو شخص بھی عربی کا ذوق رکھتا ہے وہ کبھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ آیت کی عبارت و نص سے معمولی اذیت کی حرمت

سے قبل سخت اذیت کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔تو جب یہ معنیٰ مجرد آیت کے سماع سے ذہن میں آجاتا ہے تو اسے صرف علم ظاہر کا درجہ کیسے دے سکتے ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جن نصوص سے اصول ثابتہ کے خلاف احکام ثابت ہوتے ہیں وہ اپنے مواضع نص پر مقصود رہتے ہیں اوران پرانہی جیسے اوصاف کو قیاس نہیں کر سکتے۔ اسی طرح جن نصوص سے کسی عام اور دائمی حکم کی تخفیف ثابت ہوتی ہے۔وہ بھی مقیس علیہ نہیں بن سکتے۔چنانچہ لکھتے ہیں:

> ''ہر وہ محکم جو قرآن میں منصوص ہو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس فرض سے بعض کی تحقیقات ثابت ہو تو اس رُخصت پر اسی فرض میں عمل کیا جائے گا دوسرے احکام کو اس پر قیاس نہیں کر سکتے۔اسی طرح اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی عام حکم دیا ہو پھر دوسری سنت سے اس عام کے خلاف ثابت ہو۔ (الرسالہ ص ۵۴۵)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی مثالیں بیان کی ہیں کہ ان میں سے چند مثالیں ہم یہاں بیان کرتے ہیں۔

(الف) اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ.

ترجمہ: جب تم نماز پڑھنا چاہو تو اپنے منہ کو اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھولو اور اپنے سر پر مسح کروں اور دونوں پاؤں دونوں گھٹنوں تک دھولو سے معلوم ہوتا ہے کہ پاؤں کا دھونا ارکان وضو میں سے ایک رکن ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حکم عام کے ہوتے ہوئے موزوں پر مسح کیا اور اسے جائز قرار دیا تو یہ اس نص عام سے تخفیف اور استثناء پر محمول ہو گا لہٰذا اس پر دستانے وغیرہ پر مسح کو قیاس نہیں کر سکتے۔کیوں کہ جو چیز نص عام سے مستثنیٰ ہوتے۔اس پر قیاس جائز نہیں ہوتا۔(۶:المائدۃ ۵)

(ب) ناپ تول کے بغیر محض اندازہ کے ساتھ اموال ربویہ کی خرید و فروخت ممنوع ہے۔اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیع مزابنہ اور محاقلہ سے منع فرمایا ہے۔(۱) یہ ''نہی'' عام

ا۔(صحیح بخاری، کتاب البیوع، رقم الحدیث2187، سنن الترمذی، رقم الحدیث1290، سنن النسائی، رقم الحدیث3879، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث2266، مسند احمد3/360)

ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیع عرایا کی اجازت دی ہے۔(۱) یعنی تر کھجوروں کے بدلے اندازہ سے خشک کھجوروں کی بیع کرنا نہی عام سے مستثنیٰ ہے۔ لہٰذا اِس پر قیاس نہیں ہوسکتا۔

قیاس میں اجتہاد کے اصل مصادر:

چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ مندرجہ ذیل آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ شریعت اسلامیہ کا انحصار کتاب وسنت پر ہی ہے۔

☆ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ (۵۹:النساء۴)

ترجمہ: اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرو۔

☆ اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ (۱۰۶:الانعام۶)

ترجمہ: اللہ کی وحی کی پیروی کرو۔

☆ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (۸۰:النساء۴)

ترجمہ: جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ دین کی اصل کتاب وسنت ہے۔ لہٰذا اجتہاد بالرائے کا ان دونوں سے مشتق ہونا ضروری ہے اور یہ ان دونوں پر قیاس سے ہی ہوسکتا ہے اور جو شخص ایسی بات کہے جس کی اصل کتاب وسنت میں موجود نہ ہو تو اس نے زیادتی اور اتباع نفس سے کام لیا ہے۔ چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> ''جب کوئی مجتہد اجتہاد کرے اور استحسان سے کام لے تو وہ اجتہاد اصل قائم نہیں ہے بلکہ اس نے اپنی خواہش سے ایک نئی چیز پیدا کی ہے۔ جس کی اتباع سے اسے منع کیا گیا ہے۔ لہٰذا اگر وہ کتاب وسنت کی بنا پر جن کی اتباع واجب ہے کوئی نیا طریقہ ایجاد کرتا ہے۔ تو وہ اس چیز سے کہیں بہتر ہے۔ جو وہ اپنی خواہش سے پیدا کرے جس کی پیروی سے اسے منع کیا گیا ہے۔ تو جب کتاب وسنت کی اتباع واجب ہے اور اتباع نفس جائز نہیں ہے۔ تو اجتہاد واستحسان کی اساس بھی اگر وہ سنت پر نہ ہوگی تو وہ نفس کی پیروی سمجھی جائے گی اور اسکا وبال بھی اس پر عائد ہوگا''۔ (کتاب الام جلد ۶ ص ۲۰۲)

ا۔(صحیح بخاری، کتاب البیوع، رقم الحدیث2190، صحیح مسلم، رقم الحدیث1541، سنن ابی داؤد، رقم الحدیث3364، سنن الترمذی، رقم الحدیث1301، مسند احمد2/3-5-237)

مجتہد کی شرائط:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہر شخص کو قیاس کی اجازت نہیں دیتے بلکہ وہ مجتہد کو چند شروط کا پابند کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ شرط بمنزلہ آلہ قیاس کے ہے جن کا ہر مجتہد میں پایا جانا ضروری ہے۔ وہ شروط حسب ذیل ہیں۔

(۱) عربی زبان کا ماہر ہو کیوں کہ شریعت اسلامیہ کا تمام ذخیرہ اسی زبان میں ہے۔لہٰذا ہر مجتہد کے لیے عربی زبان کا ماہر ہونا ضروری ہے۔

(۲) احکام قرآنی یعنی قرآن کے فرائض وآداب، ناسخ ومنسوخ، عام وخاص اور ارشادات کا عالم ہو۔

(۳) سنن تاویل اور امت کے اجمع واختلافات کو خوب سمجھتا ہو۔

(۴) عقل سلیم اور حسن تدبیر کی صلاحیت رکھتا ہو تاکہ ہم باہم مشتبہ احکام میں امتیاز اور تثبت کر سکے۔ (امام شافعی ص ۴۲۵)

ان اصولوں کے لحاظ سے محدثین نے مجتہد کے دو درجے رکھے ہیں۔مجتہد مستقل اور مجتہد منسوب مستقل...... مجتہد مستقل وہ ہے جو اور مجتہدین سابقین سے تین باتوں میں امتیاز رکھتا ہو۔

(۱) یہ کہ وہ بالا کسی پیشرو کے اثر کے اصول وقواعد کا استنباط خود کرتا ہوں۔

(۲) احادیث اور آثار کو جمع کرے اور ان باہمی اختلافات سے صحیح نتیجہ پر پہنچے، جو قابل ترجیح ہوں ان کو ترجیح دے۔جو قابل تطبیق ہوں ان میں تطبیق پیدا کرے اور جن میں احتمالات ہوں ان کو نمایاں کر دے۔

(۳) وہ دور حاضر اور دور ماضی کے مسائل میں موافقت پیدا کر کے ایسے اصول وضع کرے جو حد امکان مستقبل بعید تک کامیاب ہو سکیں۔ (سیرت امام شافعی ص ۲۴۳)

ان شروط کے علاوہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ مجتہد کی چند ضروری طریق کی طرف رہنمائی کرتے ہیں جن کا اسے کاربند رہنا چاہیے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: ''مجتہد کو چاہیے کہ اپنے مخالف سے بھی سماعت کرے کیوں کہ اس کی وجہ سے بعض اوقات انسان اپنی غفلت پر متنبہ ہو جاتا ہے اور جس چیز کو صحیح سمجھتا ہے اس میں زیادہ مثبت ہو جاتا ہے اور اسے چاہیے کہ اس انتہائی جدوجہد اور انصاف سے کام لے تاکہ اسے معلوم ہو سکے کہ اس کے قول کا ماخذ اور ترک کی وجہ کیا ہے اور اس کے اختیار کردہ مسلک کو متروک پر کیا فضیلت ہے۔'' (الرسالۃ ص ۵۵۷/۱۱ امام شافعی ص ۷۔۴۲۶) اس کے

علاوہ ''الام'' میں ''کتاب ابطال الاستحسان'' کے تحت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مناظرات مذکور ہیں۔ ان میں سے ایک مناظرہ میں انہوں نے مجتہد کے اوصاف میں نہایت قیمتی باتیں کی ہیں جن کی جودت تعبیر اور تفکیر وتمثیل کے احکام وسدّ اد کی وجہ سے ہم اسے بعینہ نقل کرتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''مفتی کے لیے ایسی صورت میں فتویٰ دینا جائز ہے۔ جب کہ وہ کتاب وسنت کا ماہر ہو۔ قرآن کے ناسخ ومنسوخ، خاص وعام اور آداب کا عالم ہو۔ اہل علم کے قدیم وجدید اقوال سے واقف کار ہو۔ عربی زبان کا عالم اور صاحب عقل ہو، تاکہ مشتبہ صورتوں میں امتیاز کر سکے اور قیاس کی حقیقت کو سمجھ سکے۔ اگر ان اوصاف میں سے کوئی ایک وصف بھی اس کے اندر موجود نہ ہو تو اسے قیاس اور اجتہاد سے فتویٰ دینا جائز نہیں۔ اس بنا پر ہم کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اصول دین کا عالم بھی ہو۔ مگر وہ قیاس کے تقاضوں سے واقف نہ ہو تو ایسے شخص کو مسند افتاء پر بٹھانا جائز نہیں۔ اسی طرح اگر وہ قیاس کا عالم ہو۔ مگر اصول کا ضوابط نہیں ہے تو اسے بھی قیاس واجتہاد کا مکلّف بنانا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس شخص کی مثال اندھے کی سی ہے۔ جسے اپنی دائیں اور بائیں کی بھی خبر نہیں ہے۔ تو آپ اسے دائیاں اور بائیاں بتا کر راستہ پر چلنے کی تکلیف کی طرح دے سکتے ہیں۔ اگر ایسا شخص کسی راستہ پر چلے گا بھی تو منزل مقصود تک نہیں پہنچے گا۔ یا اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کسی شخص کو جو بازار کے نرخ سے ناواقف ہے۔ کسی غلام کی قیمت لگانے کے لیے کہا جائے یا آپ معمار کو کسی چیز کی سلائی کا اندازہ لگانے پر مقرر کر دیں یا درزی کو کسی عمارت کی قیمت لگانے کے لیے کہیں پھر اگر کوئی شخص اعتراض کرے کہ وہ لوگ بھی حکم اور فتویٰ دیتے رہتے ہیں۔ جو ان صفات کے حامل اور جامع نہیں تھے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ میں اسے لوگوں کے احکام اور فتاویٰ کو جانچ چکا ہوں چنانچہ میں نے دیکھا ہے کہ ان کے اندر بہت سا تضاد پایا جاتا ہے اور ہر فریق اپنے حکم اور فتویٰ میں دوسرے کو خطا کار ٹھہراتا ہے۔''

استحسان

استحسان کی تعریف:

ہر وہ اجتہاد جو کتاب وسنت، اثر واجماع یا قیاس پر مبنی نہ ہو استحسان کہلاتا ہے۔ کیونکہ ایسی صورت میں مجتہد کسی دلیل یا دلالۃ النص کی رو سے فیصلہ نہیں کرتا بلکہ جسے مستحسن خیال کرتا ہے

اس کے مطابق فتویٰ دے دیتا ہے۔ (کتاب ابطال الاستحسان/کتاب اجماع/الرسالۃ وغیرہ/امام شافعی ص ۳۴۱)

استحسان کی اقسام:

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ''کتاب الام'' اور ''الرسالہ'' میں گو کہ استحسان کے ابطال (باطل قرار دینا) پر بحث کی ہے۔ مگر پھر بھی ابطال کی مد میں اس کی چھ اقسام وضع کی ہیں:

ا۔ استحسان بالنص:

قرآن پاک میں ہے:

☆ اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَنۡ یُّتۡرَکَ سُدًی ۝ (۳۶:القیامۃ ۷۵)

ترجمہ: ''کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ سستا چھوٹ جائے گا اس سے کچھ باز پُرس نہ ہوگی؟''

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جن باتوں کا اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے ان میں سے میں نے کوئی بات نہیں چھوڑی مگر اس کا حکم دے دیا ہے اور جن باتوں سے منع کیا ہے وہ بھی میں نے تمہارے سامنے بیان کر دی ہیں اور روح الامین یعنی جبرئیل علیہ السلام نے میرے دل میں القا کیا ہے کہ کوئی نفس اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک وہ اپنا رزق پورا نہ کر لے لہٰذا تمہیں چاہیے کہ بہتر طریق سے روزی طلب کرو۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لزوم (لازم) جماعت کا حکم دیا ہے۔ جس کے معنیٰ یہ ہیں کہ مسلمانوں کے متفقہ فیصلہ سے علیحدگی اختیار نہ کرو۔

پس مذکورہ بالا آیت اور دونوں حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شریعت اسلامیہ کے تمام احکام بیان فرما دیے ہیں اور اللہ کے اوامر ونواہی میں سے کوئی چیز ترک نہیں کی۔ آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ جو باتیں اور اوامر ونواہی سے متعلق ہیں۔ ان میں سے کوئی بات بھی جس کا تعلق مسلمانوں کے معاشرہ سے ہے ترک نہیں کی۔ ہر چیز اللہ نے نص یا اشارۃ النص سے بیان فرما دی ہے۔ لہٰذا اجتہاد بھی انہی چیزوں سے ہو سکے گا۔ جو نص سے ثابت ہیں یا ان کو نصوص پر قیاس کیا گیا ہے۔ ورنہ بیان کا نقص ہونا لازم آئے گا۔ پس معلوم ہوا کہ اجتہاد بالاستحسان باطل ہے۔

۲۔ استحسان بالاجماع:

قرآن کی متعدد آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ مومن پر صرف کتاب وسنت کی اتباع

واجب ہے اور ان کے سوا دوسری چیزوں کی اتباع سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱) اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ (۵۹:النساء۴)

(۲) اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ (۱۰۶:الانعام۶)

(۳) مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (۸۰:النسآء۴)

(۴) وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (۷:الحشر۵۹)

(۵) وَ اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ (۴۹:المائدۃ۵)

لہٰذا جو چیز بھی کتاب وسنت میں نص ودلالت، اجمال وتفصیل سے کلی یا جزئی طور پر بیان کی گئی ہے۔ وہی واجب الاتباع ہے۔ قیاس کتاب وسنت کی اتباع سے خارج نہیں ہے۔ کیونکہ کتاب وسنت کے کسی مد پر حملہ کرنے کا نام قیاس ہے اور اجماع کی حجت سنت نبوی ﷺ سے ثابت ہے۔ لہٰذا اس کا اتباع عین سنت کی اتباع ہے۔ مگر استحسان ان میں سے کسی کے ساتھ بھی ملحق نہیں ہے۔ لہٰذا اس پر عمل کرنا کتاب وسنت پر زیادتی کے مترادف ہے۔

۳۔ استحسان بالعرف:

رسول اللہ ﷺ اپنی طرف سے کچھ نہیں فرماتے تھے اور نہ امور شریعت میں سے کسی امر میں استحسان سے فتویٰ دیتے تھے۔ کئی مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے روبرو کوئی معاملہ درپیش ہوتا اور اس کے متعلق قرآن میں کوئی حکم مذکور نہ ہوتا تو وحی الٰہی کا انتظار کرتے اور استحسان سے کبھی فتویٰ نہ دیتے تھے...... چنانچہ اوس بن صامت رضی اللہ عنہ کی بیوی (ثعلبہ بنت خولہ رضی اللہ عنہا) نے آستانہ نبوت ﷺ پر حاضر ہوکر اپنے خاوند کی شکایت کی۔ رسول اللہ ﷺ خاموش رہے اور اسے کوئی جواب نہ دیا۔(۱)

حتیٰ کہ اس کے متعلق مندرجہ ذیل آیات نازل ہوئیں:

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ○ اَلَّذِيْنَ

۱۔ (مسند احمد46/6، سنن ابن ماجه، كتاب السنة، رقم الحديث188، سنن النسائي، كتاب الطلاق، رقم الحديث3490، تفسير ابن كثير تحت سورة المجادله، آيت نمبر1، صحيح بخاری، كتاب التوحيد، رقم الحديث7386 تعليقاً)

يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓئِيْ وَلَدْنَهُمْ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا وَّاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ○ وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآءِ هِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ○ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاسَّا فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○

ترجمہ: اے (پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جو عورت تم سے اپنے شوہر کے بارے میں بحث و جدل کرتی اور خدا سے فریاد کرتی تھی۔ خدا نے اس کی التجا سن لی اور خدا تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا اور کچھ شک نہیں کہ خدا سنتا اور دیکھتا ہے جو لوگ تم میں سے اپنی عورتوں کو ماں کہہ دیتے ہیں۔ وہ ان کی مائیں نہیں ہو جاتیں ان کی مائیں تو وہی ہیں جن کے بطن سے وہ پیدا ہوئے۔ بے شک وہ نامعقول اور جھوٹی بات کہتے ہیں اور خدا بڑا معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے اور جو لوگ اپنی بیویوں کو ماں کہ بیٹھیں پھر اپنے قول سے رجوع کر لیں تو (ان کو) ہم بستر ہونے سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا (ضروری) ہے۔ مومنو اس سے تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو۔ خدا اس سے خبردار ہے۔ جس کو غلام نہ ملے وہ مجامعت سے پہلے متواتر دو مہینے کے روزے رکھے۔ جس کو اس کا بھی مقدور نہ ہو جو اس کی طاقت نہ رکھے اسے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا چاہیے یہ حکم اس لیے (ہے) کہ تم خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمانبردار بن جاؤ۔ یہ خدا کی حدیں ہیں اور نہ ماننے والوں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

(۱تا۴ مجادلہ ۵۸)

تو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے استحسان سے فتویٰ نہیں دیا بلکہ وحی کا انتظار کرتے رہے

اور رسول اللہ ﷺ ہمارے لیے اسوۂ حسنہ ہیں تو ہمارے لیے استحسان سے فتویٰ دینا کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟ اس طرح جب عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے حضور آ کر اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی تو رسول اللہ ﷺ نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ حتیٰ کہ آیت لعان نازل ہوئیں۔ (۱) (کتاب الام جلد ۷: ص ۲۷۱/ امام شافعی ص ۴۳۴)

۴۔ استحسان بالضرورۃ:

جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ کے پاس موجود نہ ہوتے اور استحسان سے فتویٰ دیتے تو رسول اللہ ﷺ اُسے ناپسند کرتے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ جب بھی کوئی فوج کا دستہ روانہ کرتے تو اسے اللہ کے رسول ﷺ اور امیر کی اطاعت کا حکم دیتے بشرطیکہ امیر اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کا فرماں بردار ہے۔ پھر اگر ان سے اس قسم کے افعال بھی سرزد ہوتے ہیں جنہیں رسول اللہ ﷺ نے ناپسند فرمایا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک آدمی نے اظہار اسلام کیا مگر صحابی رسول رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھ کر اُسے قتل کر ڈالا کہ جان بچانا چاہتا ہے۔ (۲) (کتاب الام جلد ۶ ص ۲۰۵) پھر رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو رسول اللہ ﷺ برہم ہوئے تو اگر نص یا قیاس صحیح پر اعتماد کے بغیر اجتہاد (بالاستحسان) جائز ہوتا تو رسول اللہ ﷺ مصالحت سے کام لیتے اور گمان کرتے کہ یہ ان کی اجتہادی غلطی ہے۔ (گویہ استحسان بالضرورۃ تھا)

۵۔ استحسان بالمصلحۃ:

استحسان کا کوئی ضابطہ مقرر نہیں ہے۔ جس سے حق و باطل میں امتیاز نہ ہو سکے تو اگر ہر حاکم اور مفتی یا مجتہد کو نص نہ ملنے پر استحسان کی اجازت دے دی جائے تو لوگ حدود سے تجاوز کرنے لگیں گے اور ہر واقع میں اختلاف رونما ہونے لگے گا اور وجہ صواب اور حق کی معرفت کا کوئی

۱۔ (صحیح بخاری، کتاب الطلاق، رقم الحدیث 5308، 4745، صحیح مسلم، کتاب اللعان، رقم الحدیث 3743، سنن ابی داؤد، رقم الحدیث 2248-2249، سنن النسائی، رقم الحدیث 3402، سنن ابن ماجه، رقم الحدیث 2066)

۲۔ (صحیح بخاری، کتاب المغازی، رقم الحدیث 4019-6865، صحیح مسلم، کتاب الایمان، رقم الحدیث 274-275-276، سنن ابی داؤد، کتاب الجهاد، رقم الحدیث 2644، تحفة الاشراف: 1154)

طریق باقی نہیں رہے گی۔ (کتاب الام جلد ۷ ص ۲۷۳) یہاں پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض نہیں ہوسکتا کہ قیاس میں بھی اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ مگر آپ اسے جائز کیوں سمجھتے ہیں۔ کیوں کہ قیاس میں اگر اختلاف ہوتا ہے تو وہ معمولی نوعیت کا ہوتا ہے۔ نیز قیاس کی بنیاد حکم منصوص اور غیر منصوص کے مابین اوصاف کے متشابہ ہے اور وہاں ایسے ضوابط موجود ہیں۔ جن کے تحت فیصلہ ہوسکتا ہے اور اتفاق ممکن ہے۔ مگر استحسان کے متعلق تو کوئی بھی ضابطہ مقرر نہیں ہے۔ جس کی طرف اختلاف کے وقت (مصلحتاً) رجوع ہوسکتا ہو اور اس کے پیش نظر اختلاف ختم ہوسکتا ہو۔

۶۔ استحسان بالقیاس الخفی:

اگر استحسان ایک عالم دین کے لیے جائز ہے۔ تو کتاب وسنت اور طرق قیاس کا ماہر ہو تو جن لوگوں کے پاس کتاب وسنت کا علم نہیں ہے اور نہ وہ اجماع واختلاف اور قیاس کو جانتے ہیں۔ ان کے لیے بھی جائز ہونا چاہیے کیوں کہ استحسان کی بنیاد عقل پر ہے اور عقل میں کتاب و سنت کا عالم اور غیر عالم دونوں برابر ہیں۔ بعض لوگ تو علماء پر بھی عقل وفکر میں فوقیت رکھتے ہیں اور ان میں نظر وفکر کی صلاحیتیں علماء سے زیادہ ہوتی ہیں۔ (امام شافعی ص ۴۳۵)

حجیت استحسان:

اس سلسلہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دلیل جس سے استحسان کا ثبوت مل سکتا ہے یہ پیش کی ہے کہ ایک مرتبہ اثنائے سفر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مردہ مچھلی مل گئی اور انہوں نے اسے کھالیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے اس فعل کو برقرار رکھا۔ (۱) اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی قریظہ کے معاملہ میں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو حکم مقرر فرمایا چنانچہ سعد رضی اللہ عنہ نے ان کے قتل کا فیصلہ دیا۔ (۲) اگر استحسان جائز نہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برقرار نہ رکھتے اور نہ سعد

۱۔ (صحیح بخاری، کتاب المغازی، رقم الحدیث: 4361، صحیح مسلم، کتاب الصید و الذبائح، رقم الحدیث: 4999-93، سنن النسائی، رقم الحدیث 4363، سنن ابی داؤد، رقم الحدیث 384، سنن الترمذی، رقم الحدیث: 2475، سنن ابن ماجه، رقم الحدیث: 4159)

۲۔ (صحیح بخاری، کتاب المغازی، رقم الحدیث: 4121-3804، صحیح مسلم، کتاب الجهاد والسیر، رقم الحدیث: 4596، سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: 5215، مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الآداب، رقم الحدیث: 4695)

بن معاذ رضی اللہ عنہ کو حکم مقرر فرماتے چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں حدیثوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اگر یہ کہا جائے کہ بنی قریظہ کے معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو فیصلہ کرنے کا حکم دیا اور انہوں نے اپنی رائے سے فیصلہ دیا اور یہ فیصلہ کسی اصل پر مبنی نہیں تھا۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مردہ مچھلی کھائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جب انہوں نے اس کے متعلق دریافت کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا کچھ گوشت باقی بھی بچا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے درست ہونے کی وجہ سے اسے جائز قرار دیا تھا۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے جب کوئی اظہار خیال کرتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے صحیح سمجھتے تو اس کی تصدیق فرما دیا کرتے تھے۔ تو اس اجازت کا مطلب یہ ہے کہ کام برحق ہے اور اس کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ اس کا اس طرح اظہار رائے کتاب وسنت پر مبنی نہ ہو۔ وہ ہمیشہ صحیح نہیں ہوتی۔ بلکہ کبھی غلط ہوتی ہے اور کبھی صحیح بھی ہوتی ہے۔ اس جواب کا منشا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کے فعل یا سعد رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کو صحیح قرار دینا اس لیے تھا کہ حق کے مطابق تھا اور اس کے یہ معنیٰ نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتاب وسنت کے کسی اصل کے بغیر اجتہاد کی اجازت دی ہے۔ مچھلی کے مسئلہ میں تو چیز واضح ہے مگر سعد رضی اللہ عنہ کا فیصلہ کچھ بحث طلب ہے۔ کیونکہ بنی قریظہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام معاملہ سعد رضی اللہ عنہ کی صوابدید پر چھوڑ دیا تھا کہ اپنی پسند کے مطابق فیصلہ کریں۔ اس میں صرف سعد رضی اللہ عنہ کی رائے کی تفویض ہی نہیں ہے بلکہ سعد رضی اللہ عنہ کے اپنی رائے میں صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تفویض سے قبل سعد کی رائے کے متعلق یقین ہو گیا تھا کہ وہ یہ فیصلہ کریں گے اور تفویض صرف الزام حکم کیلئے تھی۔''

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں استحسان کی حیثیت:

حاصل بحث یہ ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ احکام شرعیہ کے استدلال کے سلسلہ میں صرف

انہی امور پر اعتماد کرتے ہیں۔ جن کا استناد کتاب وسنت کیطرف ہو اور وہ نصوص سے ثابت ہوں۔ اگر کہیں نص صریح یا نص مؤول موجود نہ ہو تو اشیائے منصوصہ سے صفات ومعانی کا استخراج کرنے کے بعد غیر منصوص حکم کو ان میں سے اقرب الی الوصف یا جس کے ساتھ اشتراک معنوی ہوگا۔ اس کے ساتھ ملحق کیا جائے گا۔ لہٰذا یہ استخراج واجتہاد لفظی مادی ہے اور ذوق اور وجدان سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لیے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ شریعت میں فہم شخصی کو غیر معتبر سمجھتے ہیں اور موضوعی مادی فہم کا اعتبار کرتے ہیں اور ''ابطال استحسان'' کے سلسلہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پیش نظر یہی اصول ہے۔

چنانچہ کتاب ابطال الاستحسان میں بحث کا آغاز اس نقطہ سے کرتے ہیں کہ شرعی احکام کی بنیاد صرف ظواہر پر ہے اور آخر میں ختم بھی اسی نقطہ پر ہی کرتے ہیں۔ ابطال الاستحسان کے شروع میں فرماتے ہیں کہ

> ''اللہ عزوجل نے دنیا میں تمام احکام کی بنا ظاہری دلائل پر رکھی ہے کہ محکوم علیہ کے ظاہر کے مطابق فیصلہ کریں اور اس سے تجاوز نہ کریں۔''

پھر اس بحث کے اختتام پر لکھتے ہیں:

> ''اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام سے ثابت ہوتا ہے کہ احکام کے لیے ظن وتخمین سے فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے نے اہ اسی پر کتنے ہی قریبی دلائل اس کے پاس موجود کیوں نہ ہوں۔ فیصلہ صرف اسی شہادت کے مطابق کرنا چاہیے جو مدعا علیہ پر قائم کی جائے یا وہ نے داس امر کا اقرار کرتا ہو جیسے اللہ عزوجل نے اپنے احکام کی بنیاد ظواہر پر رکھی ہے۔ اسی طرح قاضی کو بھی اس بات کا حکم دیا ہے کہ وہ ظاہری حالت کے مطابق فیصلہ کرے مثلاً اللہ عزوجل نے کفر کی وجہ سے نےن مباح کیا ہے نے اہ زباں سے ہی اس کا اظہار کیوں نہ ہو لہٰذا ظاہری حالت کو چھوڑ کر دلائل کی رو سے فیصلہ کرنا جائز نہیں ہوسکتا۔'' (کتاب الام ۷:۲۷۶)

استحسان پر بحث کے آغاز اور اختتام میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کہنا کہ شریعت کا مدار ظواہر پر ہے۔ اس سے مترشح ہوتا ہے کہ شریعت کی تفسیر میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ مادی اور ظاہری پہلو کو دیکھتے ہیں اور استحسان کے ذریعہ استخراج احکام کو باطل قرار دیتے ہیں۔ وہ استحسان کو ایک شخصی رائے سے زیادہ حیثیت نہیں دیتے لہٰذا یہ استخراج احکام کا مبدا نہیں بن سکتا اور نہ اس سے اخذ

جائز ہے۔ اس لیے استحسان کے متعلق لکھتے ہیں۔ ''انما الا ستحسان تلذذ'' کہ استحسان تو ایک طرح کی ذہنی لذت ہے۔ تسہیل الوجیز میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یوں لکھا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا انکار کیا ہے بلکہ انہوں نے تو یہاں تک کہا ہے کہ جس نے استحسان کیا ہے اس نے نئی شرح ایجاد کی (الرسالہ: ۴۸۲_۷۵)

بلاشبہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اجتہاد بالاستحسان کو ممنوع سمجھتے تھے اور اسے ادلہ شرعیہ اور طرق استنباط میں شمار نہیں کرتے تھے مگر انہوں نے اس چیز کی وضاحت نہیں کی کہ وہ کس قسم کے استحسان کی نفی کرتے ہیں۔ اگر چہ ان کے بیانات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ استدلال کو کتاب وسنت اجماع اور قیاس میں منحصر مانتے ہیں اور صحابی رضی اللہ عنہ کی تقلید کو جائز خیال کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ جو بھی طریق استدلال ہے۔ وہ ان کے نزدیک استحسان ممنوع ہے۔

استصلاح (مصالح مُرسلہ)

تعریف:

استصلاح اور مصلحت کا معنی نفع دینا اور خرابی دور کرنا۔ استصلاح کی تین قسمیں ہیں۔

ا۔ مصالح معتبرہ:

وہ مصالح جن کا شارع نے اعتبار کیا ہے اور انہیں معتبر بناتے ہوئے بطور شرع نافذ کیا ہے۔ مثلاً دین، نفس، عقل، عزت وآبرو اور مال کی حفاظت۔ دین کی حفاظت کے لیے جہاد، نفس کی حفاظت کے لیے قصاص، عقل کے لیے حد شراب، عزت کے لیے حد قذف اور حد زنا...... اور مال کی حفاظت کے لیے چوری کی حد مقرر کی ہے۔ تو اس لحاظ سے شارع نے ایسے احکام دیے ہیں جن کے ذریعے ان مصالح تک رسائی ہو سکتی ہے اور شارع نے ان چیزوں کی حفاظت کے لیے بطور مصلحت یہ احکام نافذ کیے ہیں۔

۲۔ مصالح ملغاۃ (باطل مصلحتیں):

ایسی مصالح جنہیں شریعت نے نہ تو شرعی احکام شمار کیا ہے اور نہ ہی ان کا اعتبار کیا ہے۔ مثلاً کسی نے یہ کہا کہ وراثت میں مذکر اور مونث کو مساوی قرار دیا جائے۔ شریعت نے اسے

رد کر دیا اور فرمایا کہ **وللذکر مثل حظ الانثیین** اور دیگر بہت سی مثالیں تمام علماء کا اتفاق ہے کہ مصالح ملغاۃ پر احکام کی بنیاد رکھنا صحیح نہیں ہے۔

۳۔ مصالح مرسلہ:

ایسی مصالح جن کے بارے میں کوئی شرعی نص موجود نہیں ہے۔ یہ مصالح مرسلہ ہیں ان میں نفع کے پائے جانے اور نقصان کو دور کرنے کی مصلحت کو سامنے رکھا جاتا ہے مثلاً مصلحت نے تقاضا کیا کہ قرآن کو جمع کیا جائے۔ احادیث کی کتابیں لکھی جائیں مصلحت کی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کے قتل پر پوری جماعت کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ (اصول الوجیز: ۱۱۲)

حجیت استصلاح:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ استصلاح کو حجیت مانتے مگر ساتھ ہی یہ شرط عائد کرتے تھے کہ وہ مصالح ان مصالح سے مشابہ ہوں جو نص واجماع سے ثابت ہیں۔ پھر جب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ''الرسالہ'' کی طرف رجوع کرتے ہیں تو اس میں ذرا وسعت پاتے ہیں۔ قرآن کی رائے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی دوسرے ائمہ کی طرح مصلحت مرسلہ سے کام لیا کرتے تھے اور حقیقت بھی یہی ہے کیوں کہ فقہ کی اکثر کتابوں میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق مذکور ہے کہ وہ استنباط مسائل میں مصالح مرسلہ سے کام لیا کرتے تھے۔ چنانچہ مصالح مرسلہ کے بارے میں علماء کا اختلاف نقل کرتے ہیں۔

استصلاح کے بارے میں تین گروہ:

مصالح مرسلہ کے بارے میں فقہا کے تین گروہ ہیں:

(۱) ایک گروہ مصالح مرسلہ کو مطلقاً غیر خیال کرتا ہے۔ ابن الحاجب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہی مذہب مختار ہے اور آمدی رحمۃ اللہ علیہ اس مسلک کے فقہاء کا متفقہ مسلک قرار دیتے ہیں۔

(۲) دوسرا گروہ اسے مطلقاً حجت تسلیم کرتا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی مشہور ہے اور امام الحرمین نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ ابن الحاجب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی منقول ہے۔ یہ بات امام الحرمین نے بھی کی ہے۔ وہ مصالح، مصالح معتبرہ کے مطابق ہوں۔

(۳) تیسرا مسلک امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور اسی کو بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے کہ اگر وہ مصلحت ضروری قطعی اور کلی ہو تو اس کا اعتبار کیا جائے گا ورنہ غیر معتبر سمجھی جائے گی۔

(اصول الاسنوی بر حاشیہ تحریر ۲:۱۱۳) بقول اسلوی ابن الحاجب اور امام الحرمین دونوں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق نقل کرتے ہیں کہ مصالح مرسلہ کو تسلیم کرتے تھے۔ مگر امام الحرمین یہ کہتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ مصالح شارع کی بیان کردہ مصالح کے ساتھ مشابہت رکھتی ہوں۔

التحریر لابن الھمام اور اس کی شرح میں مصالح مرسلہ کے متعلق لکھا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مصالح کا اعتبار کرتے تھے۔ علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مصالح کو اصولی طور پر مانتے تھے۔ مگر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس کے بارے میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہم نوا نہیں ہیں۔ وہ مصالح کے بارے میں افراط وغلو سے کام نہیں لیتے تھے۔ ان کا مسلک یہ تھا کہ جو مصالح شارع کی اعتبار کردہ مصالح کے مشابہ ہوں اور احکام ثابتہ کی طرف مستند ہوں وہ شرعاً معتبر ہیں۔ امام الحرمین نے بھی یہی مسلک اختیار کیا ہے۔

(التحریر وشرحہ ۳:۱۵۰)

علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ بھی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے یہی مسلک نقل کرتے ہیں اور اسے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

باب ۸

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اوصاف علم وفن

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، بلاشبہ اللہ اس امت کے فائدے کے لیے ہر سو سال کے سر پر ایک شخص کو بھیجا کرے گا جو اس کے دین کے معاملے کی اس کے لیے تجدید کیا کرے گا۔(۱) بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ پہلی صدی کے سر پر آئے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ دوسری صدی کے سر پر آئے اور ابو داؤد طیالسی فرماتے ہیں کہ ہم سے جعفر بن سلیمان نے عن نضر بن حمید الکندی ...... أو العبدی ...... عن الجارود ...... عن ابی الاحوص ...... عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قریش کو سب وشتم نہ کرو بلاشبہ ان کا عالم زمین کو علم سے بھر دے گا۔ اے اللہ! جب تو ان کے اولین کو عذاب اور وبال کا مزہ چکھائے۔ تو ان کے آخرین کو بخشش کا مزا چکھا۔(۲)

اور ابو نعیم عبدالملک بن محمد اسفرائینی نے بیان کیا ہے کہ یہ حدیث صرف محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ پر منطبق ہوتی ہے۔ (تاریخ ابن اکثیر ۱۰:۶۔۲۶۵)

علی بن محمد الجرجانی نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی وسعت کے بارے شعر کہا:

مثل الشافعی فی العلماء
مثل البدر فی نجوم السماء

ترجمہ: ''امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی مثال علماء میں اس طرح ہے جس طرح چودھویں کے چاند کی مثال ستاروں میں ہے۔''

۱۔ (سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، رقم الحدیث: 4291، المستدرك للحاکم، 522/4، رقم الحدیث: 8592، مشکوٰۃ المصابیح، کتاب العلم، رقم الحدیث: 247)

۲۔ مسند ابی داؤد للطیالیسی، 159/1، رقم الحدیث: 307، حلیة الاولیاء لابی نعیم 295/6، 65/9، تاریخ بغداد، 60/2، تاریخ دمشق لابن عساکر 817/14، من طرق عن جعفربه: السنة لابن ابی عاصم، رقم الحدیث: 1540,1522، کتاب الضعفاء للعقیلی 289/4)

علم اللغت:

ماہر علم اللغت امام ابو منصور الازہری نے اعتراف کیا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس علم میں مہارت تامہ رکھتے ہیں۔ مشکلات الفاظ کے حل اور شرح میں یکتا ہیں اور کتاب اللہ کے مطالب کو کھولنے میں یگانہ روزگار ہیں۔ ابوبکر محمد بن الحسین بن درید الازدی نے ایک قصیدہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف یوں کی:

الم تر آثار ابن ادریس بعده
دلائلها في المشكلات لوامع
لرائي ابن ادريس ابن عم محمد
ضياء. اذا ماالظلم الخطب صادع
فمن بك علم الشافعي امامه
فمرتفعة في ساحة العلم واسع

اور صاحب کشاف نے یوں کہا:

اس میں جھول نہیں کہ وہ علم لغت میں درجہ عالیہ پر تھے اور ان کا رتبہ علم العربیہ میں بلند ہے۔

علم نجوم:

نجوم کی طرف دھیان رکھتے تھے۔ پس ایک دن بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک عورت جو آپ کے پاس آئی اور اپنا حال دریافت کیا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بلند ہونے والے ستارے کو دیکھا اور کہا کہ عورت نے جو بچہ جنم دیا مر جائے گا۔ پس اسی طرح ہوا۔ بعد ازاں علم نجوم سے اعتراض کی قسم کھالی کہ کبھی نہ ستارے کی طرف دیکھیں گے اور بعد ازاں کتب علم نجوم کو دفن کر دیا۔

(مناقب الشافعی للرازی: ۲۴۱)

علم الکلام:

یونس بن عبد الاعلیٰ کہتے ہیں کہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا کہ علم الکلام کے بارے میں استفسار کروں۔ تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اللہ ہر بندے کو آزماتا ہے اور بہتر ہے علم کلام

کی بجائے آدمی ان تمام چیزوں میں آزمایا جائے جو منع ہیں ماسوا شرک کے۔ (مناقب الشافعی للرازی: ۲۴۱) ابوثور کہتے ہیں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے۔ علم الکلام کی چادر اوڑھنے والے نے کبھی فلاح نہیں پائی۔ ربیع مرادی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اہل کلام ایک دوسرے کے ساتھ کفر اور غلطیاں کرتے ہیں اور ایسی غلطیاں جو کفر سے کم نہیں۔ حسن بن محمد زعفرانی اور یونس بن عبدالاعلیٰ مصری کی روایتیں ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے۔ علم کلام میں شغف رکھنے والوں کو لکڑیوں سے پیٹا جانا چاہیے کہ اس بنا پر اہل بدعت ایک دوسرے کو جواز فراہم کرتے ہیں۔ (مناقب الشافعی للرازی ص ۱۰۳)

ایک جگہ فرمایا:

''امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ جو شخص علم الکلام سے محبت رکھے گویا اس نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے علم پر طعن کیا۔ (مناقب شافعی للرازی ص ۱۰۳) حسن بن محمد زعفرانی سے روایت ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اہل کلام کے بارے میں کہ ان کو کوڑے سے مارو پھر انہیں اونٹوں پر باندھا جائے اور گھمایا جائے یہی بدلہ ہے کتاب اللہ کو چھوڑنے کا۔ (مناقب شافعی للرازی ص ۹۹) ربیع سے روایت ہے کہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اگر آدمی حکماً وصیت کرے کہ کوئی علم لکھو تو وہ علم الکلام لکھنے کا بھی کہے تو اس کو وصیت میں درج نہ کروں کیوں کہ یہ علم سے نہیں ہے۔ اگر اہل علم کی بات بھی علم الکلام سے متعلقہ ہو تو بھی نہ لکھا جائے...... اگر لوگ جان لیں کہ علم الکلام میں کیا سزا ہے تو وہ اس کو چھوڑ کر ایسے بھاگ جائیں جیسے لوگ شیر کو دیکھ کر بھاگتے ہیں۔'' (ایضاً ۱۰۰)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ علم الکلام میں شوق نہیں رکھتے تھے۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے علم کلام سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بغض وکدورت کی جو توجیہ کی ہے۔ وہ یہ ہے کہ چونکہ علماء کی اذیت رسانی پر خلفاء کو آمادہ کرنے والے معتزلہ تھے اور یہی متکلم بھی تھے۔ اس وجہ سے وہ دونوں سے بہتر ہو گئے تھے۔

اسماعیل بن یحییٰ مزنی روایت کرتے ہیں:

''ہم لوگ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے گھر پر موجود تھے اور علم الکلام کے بارے میں ایک دوسرے سے مناظرہ کر رہے تھے کہ اتنے میں شافعی رحمۃ اللہ علیہ نکلے

اور ہماری بعض باتیں سُن لیں۔ پھر وہ واپس چلے گئے لیکن فوراً ہی واپس آئے اور کہا میں اس لیے واپس چلا گیا تھا کہ میں نے سنا کہ تم لوگ علم الکلام کے بارے میں مناظرہ کر رہے ہو۔ کیا تم لوگ یہ گمان نہیں کرتے کہ میں اسے ناپسند کرتا ہوں لیکن میں اس سے ناواقف نہیں ہوں میں اسے بہت اچھی طرح حاصل کر چکا ہوں اور اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اس علم کا کوئی مقصد نہیں ہے۔ جس چیز میں مناظرہ کرو اس میں دوسرے کے بارے میں یہ تو کہہ سکتے ہو کہ تم نے غلطی کی نہ یہ کہ تم نے کفر کیا''

بلا شبہ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس علم سے اور مسائل کلام سے بہت اچھی طرح واقف تھے لیکن اسے ناپسند اس لیے کرتے تھے کہ مرد مومن اس میں الجھنے کے بعد ایک دوسرے کی غلطی کا نہیں بلکہ کفر کا اعلان کرنے لگتا تھا۔

یہ بات بالکل قرین قیاس ہے کہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ علم الکلام سے واقف تھے۔ اس لیے کہ طلب معرفت کے لیے ہر دروازہ کھٹکھٹانا ان کی عادت میں داخل تھا اور شہر شہر گھومے اور جو شخص اہل فرق و مذاہب سے مناظرہ و مناقشہ کرتا ہو۔ اس کے لیے لازمی ہے کہ علم کا کوئی دروازہ نہ چھوڑے اور شافعی رحمۃ اللہ علیہ جیسے مرد دانشمند سے یہ بات بعید تھی کہ وہ کسی ایسے امر سے منع کریں جس کے موضوع اور حقیقت سے واقف نہ ہوں۔ کیوں کہ کسی شے پر جب حکم لگایا جاتا ہے۔ تو اسی وقت جب اس کا تصور حاصل ہو اور یہ بات کس طرح مانی جا سکتی ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ایک علم سے لوگوں کو منع کریں حالانکہ اس کا تصور اور معرفت سے انہیں کوئی سروکار نہ ہو۔

علم طب:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ علم دو ہیں۔ علم الابدان، علم الادیان

۱۔ علم الابدان — وہ ہے جو علم طب سے متصل ہے۔

۲۔ علم الادیان — وہ جو فقہ سے منسوب ہے۔

علم الابدان وہ ہے جو اعضاء و جوارح کی تکلیف پر بحث کرتا ہے اور اس پر سیر حاصل عملی کام کیا۔ فرمایا کرتے تھے۔ مسلمانوں نے علم طب کو ضائع کر دیا اور نصف علم کا وارث یہود و نصاریٰ کو بنا دیا۔ فرماتے تھے افسوس مسلمانوں نے علم طب کی تلاش و جستجو، اس کی تحقیقات اور اس کے اکتشافات سے اعراض کر لیا۔ اپنے زمانے کے اطباء میں امام شافعی فن طب میں ممتاز مانے

جاتے تھے۔

بعض اطبا سے روایت ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک طبیب آیا جس کو سمن (موٹاپے) کا مرض تھا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے علاج شروع کیا اور کہا کہ میں بندہ ہوں اور اصلاح کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی۔ بعد ازاں عرصہ گزر گیا مگر اس کو موٹاپے سے شفا نہ ملی۔ دوبارہ آیا بحث وتمحیص ہوئی اور دوا دی۔ کہا کہ اللہ شفا دے گا۔ پھر عرصہ تک فرق نہ پڑا دوبارہ آیا۔ تو کہا کہ یہ جھوٹا ہے پس کہا طبیب صرف دوا دیتا ہے اللہ اصلاح کرنے پر قادر ہے۔ میں اللہ سے زیادہ علم نہیں رکھتا اور لیکن میں قلیل علم رکھتا ہوں۔ (مناقب شافعی للرازی:۳۲۶) (بالآخر وہ صحت مند ہو گیا اور موٹاپا کی مرض سے اکتفا ہوا)

جب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ عباسی خلیفہ ہارون الرشید کے سامنے پیش کیے گئے تو انہوں نے پوچھا۔

''طب کا علم بھی جانتے ہو؟''

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا...... ہاں میں جانتا ہوں...... ارسطو بقراط جالینوس، قرقوریوس اور ابوقلیس نے اپنی زبان میں کیا کچھ کہا ہے؟ **کلوا واشربوا ولا تسرفوا**...... کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس میں آدھی طب کا راز مضمر ہے۔

علم شعر:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ پس اگر شعری کلام اعلیٰ ہو تو اعلیٰ ہے اور اگر قبیح ہو تو یہ علم بھی قبیح ہے۔ اس حدیث نبوی کے بیان میں کہ ان من الشعر حکمۃ اگر شعر علم وحکمت پر مشتمل ہو تو اشرف الکلمات میں سے ہیں۔ (مناقب شافعی للرازی:۳۰۰)

علم فراست:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی فراست کے متعدد واقعات ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ''توالی التاسیس'' میں اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے مناقب امام شافعی میں بیان فرمائے ہیں۔ از اں جملہ یہ ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استاد امام حمیدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ''میں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ مکہ سے باہر چلے۔ ابطح میں ہم کو ایک شخص ملا۔ میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا، فراست سے بتائیے کہ اس شخص کا ذریعہ معاش کیا ہے۔ فرمایا یہ شخص بڑھئی یا درزی معلوم ہوتا ہے میں نے اس

شخص سے جا کر پوچھا کہ تم کیا کرتے ہو۔ اس نے کہا پہلے بڑھئی کا کام کرتا تھا لیکن آج کل درزی کا کام کر رہا ہوں۔"

آپ خود فرماتے ہیں کہ میں یمن سے جب علم فراست کی تکمیل کر کے واپس ہو رہا تھا مجھے ایک قصبہ میں رات ہو گئی۔ میں متفکر تھا کہ کہاں ٹھہروں مجھے اُبھری پیشانی اور نیلی آنکھوں والا شخص ملا جو اپنے گھر کے سامنے ٹہل رہا تھا۔ تجربہ کے لحاظ سے ایسے شخص کو ادنیٰ الطبع وخفیف الحرکات ہونا چاہیے تھا۔ تاہم میں نے اس سے رات کے ٹھہرنے کے متعلق کہا۔ اس نے بڑے اخلاق سے گفتگو کی اور ایک اچھے مکان میں مجھے ٹھہرایا۔ کمرے میں خوشبو سلگائی اور میرے لیے پرتکلف کھانے کا انتظام کیا۔

سونے کے لیے لحاف و بستر بھی عمدہ موجود تھا۔ میرے گھوڑے کے لیے گھاس اور دانے کا انتظام کیا۔ میں اس کی مہمان نوازی اور شریفانہ اخلاق سے بے حد متاثر ہوا اور سوچنے لگا کہ فراست کے اعتبار سے یہ شخص بالکل برعکس ہے۔ یا تو یہ علم ہی غلط ہے اور یا یہ شخص مستقبل قریب میں کوئی حرکت ضرور کرے گا۔ صبح کو جب میں نے روانگی کا ارادہ کیا اور اپنے خادم سے کہا کہ سواری تیار کر لو۔ سواری تیار ہو گئی تو میں اس شخص کا بے حد شکر گزار ہوا اور میں نے کہا کہ اگر آپ کبھی مکہ مکرمہ تشریف لائیں تو ذی طویٰ میں محمد ابن ادریس کا مکان دریافت کر لیجئے گا اور وہیں تشریف لایئے گا۔ اس نے جواب دیا یوں تو اخلاق میں آپ کا نیاز مند ہوں مگر یہ تو فرمایئے کہ کیا آپ کی کوئی امانت میرے پاس نہ تھی۔ یا آپ نے مجھ پر احسان تو نہیں فرمایا تھا۔ میں نے کہا نہ میں نے آپ پر کوئی احسان کیا ہے اور نہ میری کوئی امانت آپ کے پاس تھی۔ اس نے کہا یہ تو فرمایئے کہ میں نے رات کو جو راحت و آرام پہنچایا آپ کے خادم کا کیا خیال کیا۔ سواری کے گھاس دانے کا انتظام کیا۔ آخر اس کا معاوضہ کہاں ہے۔ میں نے اس معاوضہ کی تفصیل دریافت کی اس نے ہر چیز کا معاوضہ بتایا۔ میں نے خادم سے اس کی بتائی ہوئی رقم دلوا دی پھر میں نے پوچھا۔ اب تو کچھ باقی نہیں ہے اس نے کہا صرف مکان کا کرایہ باقی ہے۔ میں نے وہ بھی دلوایا اور مطمئن ہوا کہ واقعی علم فراست "علم" ہے۔

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن منذر بن سعید رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے ربیع مرادی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ کہتے تھے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ایک شخص میرے پاس آیا۔ میں نے کہا کیا تم صنعا کے رہنے والے ہو۔ اس نے کہا ہاں۔ پھر میں نے کہا لوہاری کا کام کرتے ہو اس نے کہا ہاں۔ ربیع مرادی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، مسجد جامع میں میرا بھائی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے

سے گزرا فرمایا ربیع یہ تمہارا بھائی ہے۔ میں نے کہا جی ہاں۔ اس سے قبل آپ نے کبھی میرے بھائی کو نہیں دیکھا تھا۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اسماعیل بن یحییٰ مزنی رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ سے روایت کیا ہے کہ میں مسجد جامع میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تھا۔ اتفاقاً ایک آدمی آیا اور سوتے ہوئے آدمیوں میں سے کسی کو تلاش کر رہا تھا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ربیع مرادی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا۔ ربیع! جاؤ تو اور اس تلاش کرنے والے سے کہو کہ تمہارا حبشی غلام جس کی آنکھ میں نقص ہے۔ کیا گم ہو گیا ہے۔ ربیع مرادی رحمۃ اللہ علیہ نے اس شخص سے کہا۔ وہ ربیع مرادی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ میرا غلام بتائیے کہاں ہے۔ فرمایا وہ تو قید خانے میں ملے گا۔ وہ قید خانے پہنچا وہاں وہ واقعی مل گیا۔ مزنی رحمۃ اللہ علیہ نے امام صاحب سے عرض کیا آپ نے ہم کو حیرت میں ڈال دیا۔ فرمائیے تو سہی یہ ماجرا کیا تھا۔ فرمایا۔ یہ ڈھونڈنے والا جب مسجد میں آیا تو میں سمجھ گیا کہ کسی بھاگے ہوئے کو ڈھونڈ رہا ہے۔ پھر یہ اس حصہ میں گیا جہاں سیاہ فام سو رہے تھے اور میں نے بغور دیکھا کہ یہ بائیں آنکھ والوں پر گہری نظر ڈال رہا ہے۔ اس لیے میں نے سمجھ لیا کہ اس کا کوئی آنکھ کا عیب والا سیاہ فام غلام بھاگا ہے۔ میں نے ان باتوں کو سن کر آپ سے پوچھا کہ یہ آپ نے کیسے سمجھ لیا کہ وہ قید خانہ میں ہے۔ فرمایا یہ میرا تجربہ ہے کہ غلام جب بھوکا ہوتا ہے تو وہ چوری کرتا ہے اور اگر پیٹ بھرا ہوتا ہے تو زنا کرتا ہے اس لیے میں نے سمجھ لیا کہ ان دونوں باتوں میں شے ایک ضرور ہے۔ چنانچہ یہی واقعہ نکلا۔ (سیرت امام شافعی ۶۔ ص ۵۔۴۔۴۔۲۳)

فراست کی بنیاد پر مسلم بن خالد زنجی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو فتویٰ دینے کی اجازت دی جبکہ ابھی بیس سال سے بھی کم عمر تھے۔ آپ نے محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ سے ایک اونٹ کے بوجھ کے قدر علم رکھا۔ ابن ابی حاتم نے ربیع مرادی رحمۃ اللہ علیہ کے واسطہ سے آپ کی اپنی روایت بیان کی ہے۔ فرط ذکاء اور سیلان ذہن کے باوجود آپ حافظہ کی تقویت کے لیے لوبان استعمال کیا کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے آپ آخر میں ایک سال نفث الدم کی مرض میں مبتلا رہے۔ (تذکرۃ الحفاظ ۱:۷۷)

علم تاریخ:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ میں یہ بھی خاصیت تھی کہ وہ تاریخ کے علم سے بھی مالا مال تھے۔ عموماً کوئی بھی محدث علم تاریخ سے ضرور آشنا ہوتا ہے کیوں کہ اس کی ہر سند کے پیچھے ایک سلسلہ تاریخ بھی پنہاں ہوتا ہے۔ تاریخ مرأت الجنان میں مذکور ہے۔ ’’امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ علم تاریخ کو سب سے

زیادہ جاننے والے تھے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ و امام محمد بن الحسن رحمۃ اللہ علیہ کے مناظرات کا تذکرہ ہارون الرشید تک پہنچا۔ ہارون الرشید نے آپ کو بلایا اور آپ سے قرآن، حدیث، لغت شعر و ادب اور طب کے متعلق (تاریخی) سوالات کیے آپ نے ہر بات کا مکمل جواب دیا۔ جب ہارون الرشید نے عربی ادب ولغت کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے یہ جامع جواب دیا۔ ''عرب ہی کی خاک سے ہم پیدا ہوئے اور یہی زبان ہماری رگ و پے میں سرایت کیے ہوئے ہے اور یہی ہمارے باپ دادا کی زبان ہے۔''

علم المغازی:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے **واعدوا لهم ما استطعتم من قوة** کے بارے فرمایا۔ بعض علماء وقت سے مراد تیراندازی لیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے شروع عمر میں دو چیزوں کا قصد کیا تھا۔ علم رمی اور طلب علم فقہ کا تیز اندازی کے بارے کہا گیا بعد میں علماء سے پتہ چلا کہ قوۃ سے مراد تیراندازی ہے جب میں ۲۰ سال کا ہوا تو میں نے رمی کو چھوڑ دیا اور کہا کہ تیراندازی علم رمی سے زیادہ درجہ پر ہے۔ (مناقب الشافعی للرازی ص ۳۲۹) آپ قبیلہ قریش میں سب سے زیادہ ماہر تیر انداز تھے۔ اگر دس تیر پھینکتے تو دس کے دس ہی نشانے پر لگتے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ۱: ۷۷)

علم اصول فقہ:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی فقہی خدمات کا تذکرہ ہو چکا مگر اس علم اصول فقہ میں ان کی خدمات ایک الگ باب ہے جس کا یہاں تذکرہ کیا جاتا ہے۔ شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہی وہ شخص ہیں جنہوں نے علم اصول فقہ کی بنیاد ڈالی۔ ان سے پہلے کے فقہا اپنے سامنے استنباط کے حدود مرسومہ نہیں رکھتے تھے اور معانی شریعت، مرامئی احکام، غایات نصوص اور مقاصد تشریح اور ان کے مواد و مصادر کے سلسلہ میں وہ صرف اپنے فہم پر بھروسہ رکھتے تھے۔ کوئی لگا بندھا اصول ان کے سامنے نہ آتا تھا۔ ان کی مثال ایسی ہی تھی جیسے کوئی شخص منطق سے ناواقف ہونے کے باوجود دلائل و براہین کو درستی کے ساتھ پرکھنے کا دعویٰ کرے یہی حال ان فقہا کا تھا۔ یہ لوگ راست شریعت اور اس کے فہم اغراض و مقاصد کے بارے میں کوئی مدون اصول نہ رکھتے تھے۔ صرف اپنے ملکات اور دلائل پر اعتماد کرتے تھے۔ علماء سے میل جول اور فقہا سے مناظرہ کرنے کے بعد شافعی رحمۃ اللہ علیہ منظر عام پر آئے اور انہوں نے حدود و رسوم کے اصول وضع کیے قواعد و موازین منضبط کیے فخر الدین

رازی رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے فضائل بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

علم اصول فقہ کی نسبت شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ایسی ہی ہے جیسی منطق کی ارسطو کی طرف اور خلیل کی عروض کی طرف کیوں کہ ارسطو سے قبل استدلال واعتراض کا مدار صرف طبع سلیم پر تھا۔ کوئی ایسا قانون موجود نہ تھا جو حدود وبراہین کی کیفیت ترتیب کو واضح کرتا یہی وجہ ہے کہ ان کے خیالات وکلمات مضطرب نظر آتے ہیں۔ کیوں کہ اگر کوئی قانون کلی مددگار نہ ہو تو مجرد طباعی فلاح یاب نہیں کرسکتی۔ ارسطو نے یہ کیفیت دیکھی تو ایک عرصہ دراز تک لوگوں سے الگ گوشہ سکون میں جا بیٹھا اور پھر علم منطق کا تحفہ لے کر نمودار ہوا اور دنیا کے لیے ایک قانون کلی بنا دیا جس کے بعد ترتیب حدود وبراہین کی معرفت آسان ہوگئی۔ اسی طرح خلیل سے پہلے شعراء شعر تو کہتے تھے لیکن صرف اپنی طباعی پر بھروسہ کرتے تھے۔ خلیل نے یہ دیکھ کر علم عروض کی بنیاد ڈالی۔ اس طرح شعر کے مصالح اور مفاسد کے لیے ایک قانون کل عالم وجود میں آ گیا۔ اسی طرح شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے اصول فقہ پر علماء فقہا گفتگو تو کرتے تھے۔ استدلال واعتراض بھی کرتے تھے لیکن دلائل شرعی کی معرفت کے لیے ان کے پاس کوئی ایسا قانون کلی نہیں تھا۔ جس سے بروقت ضرورت رجوع کیا جاسکے اور معارضات وترجیحات کی کیفیت کا اندازہ کیا جاسکے۔ چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے علم اصول فقہ وضع کیا اور دنیا کے سامنے قانون کلی رکھ دیا کہ ادلہ شرعیہ کے مراتب کی معرفت آسان تر ہوگئی۔ پس جس طرح دنیا یہ مانتی ہے کہ استخراج منطق اتنا بڑا کارنامہ ہے۔ جس میں ارسطو کا کوئی حریف نہیں۔ اس طرح دنیا کو یہ بھی ماننا چاہیے کہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے علم اصول فقہ وضع کر کے اسے رفعت وجلالت کی انتہا پر پہنچا دیا اور اس لیے وہ جملہ مجتہد سے ممتاز ہو گئے۔ علم اصول فقہ میں شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلے ''الرسالۃ'' لکھا جو مصر میں آنے سے پہلے عبدالرحمٰن بن مہدی کے لیے انہوں نے تحریر فرمایا تھا۔ پھر مصر آ کر اسے از سر نو لکھا اور اب اس میں شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے اصول آ گئے لیکن سب نہیں البتہ متعدد مباحث متعلقہ کو انہوں نے اصول کے قالب میں ڈھال دیا۔ مثلاً کتاب ابطال الاستحسان اور کتاب العلم وغیرہ۔ جو شخص کتاب الام کا مطالعہ کرے گا وہ اسے ضرور محسوس کرے گا کہ اس میں مسائل کلیہ کے لیے احکام فروعیہ بھی موجود ہیں اور یہ اکثر قواعد وہ ہیں جو مناظروں کے دوران میں گفتگو کرتے ہیں ان کی زبان پر جاری ہوئے ہیں۔

علم شریعت:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے علم شریعت کی دو قسمیں کی ہیں اور وہ دونوں قسمیں یہ ہیں:

(۱) علم عامہ: یہ وہ علم شریعت ہے جس سے ہر مسلمان کا واقف ہونا ضروری اور لابدی ہے۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے کوئی بھی اس سے ناواقف نہیں ہوسکتا اور جب تک ایک مسلمان کے ہوش وحواس جواب نہ دے جائیں اس علم سے ناواقفیت جرم ہے۔ کیوں کہ شریعت نے اسے فرض اور ضروری قرار دیا ہے۔ مثلاً نماز پنجگانہ، صوم رمضان، حج بیت اللہ بشرطیکہ استطاعت ہو، وجوب زکوۃ، بشرطیکہ وہ شخص صاحب نصاب ہو، زنا چوری قتل اور شراب خوری کا حرام ہونا، علم کی یہ صنف قرآن میں بطور نص کے اور سنت متواترہ میں منجانب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود ہے جس میں تاویل کی گنجائش نہیں۔

(۲) علم خاصہ: دوسرا علم شریعت ان فروع شرعیہ پر مشتمل ہے۔ جس کے بارے میں کتاب اللہ کی کوئی نص موجود نہیں ہے۔ کوئی ایسی نص بھی موجود نہیں ہے۔ جو محتمل التاویل ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی کوئی نص متواتر موجود نہیں ہے۔ نہ کوئی خبر آحاد، نہ خبر متواتر۔ یا اگر اس بارے میں کچھ نصوص ہیں تو وہ قابل تحویل ہیں ...... یہ علم، علم خاصہ کے نام سے موسوم ہے۔

علم عامہ اور علم خاصہ کے مابین فرق: پھر شافعی رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں علموں، علم عامہ اور علم خاصہ ...... میں ایک تفریق اور کرتے ہیں۔ وہ ہے تحصیل وتکلیف کا فرق۔ علم عامہ وہ ہے جس کے حصول پر ہر مسلمان مکلف ہے۔

کسی مسلمان کے لیے بھی اس علم سے جہل قابل معافی نہیں اس لیے کہ یہ سب سے ضروری اور اہم دین ہے۔

باقی رہا علم خاصہ تو اس کی طلب وتحصیل ہر شخص کے لیے ضروری اور لابدی نہیں ہے۔ بلکہ یہ بھی خواص کے لیے یہ فرض کفایہ کی طرح ہے۔ فرض کفایہ کی صورت یہ ہے کہ اگر کوئی بھی اسے ادا نہ کرے تو سب گنہگار ہوں گے لیکن اگر کوئی ادا کرے تو باقی ادا نہ کرنے والے گنہگار نہیں ہوں گے۔ البتہ اسے درجہ فضیلت حاصل ہوگا جو اسے ادا کرے گا۔ پہلا علم ہر عاقل وبالغ کے لیے ضروری ہے۔ اس کا ادراک ومعرفت کے لیے کوئی شرط نہیں ہے لیکن دوسرے علم کی طرف صرف وہی لوگ بڑھ سکتے ہیں۔ جو کتاب وسنت سے اچھی طرح واقف ہوں۔ اخبار صحابہ اور اختلاف الناس کے رمز سے آشنا ہوں۔ صرف یہی استنباط کا حق رکھتے ہیں اور ایسے ہی لوگوں پر یہ علم کا جواب ہے۔

علم عامہ اور علم خاصہ کے مابین حد فاصل:

علم عامہ اور علم خاصہ کے مابین شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حد بھی کھینچی ہے۔ وہ ارشاد فرماتے ہیں۔ علم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک علم عامہ اور ایک خاصہ۔ علم عامہ سے ہر مسلمان کا واقف ہونا ضروری ہے۔ بشرطیکہ وہ اپنے ہوش وحواس نہ کھو چکا ہو۔ مثلاً نماز، حج، روزہ، زکوٰۃ، نیز زنا، قتل، سرقہ اور خمر کا حرام ہونا۔ علم کی یہ صنف پوری کی پوری کتاب اللہ میں بطور نص کے موجود ہے۔ اس کے وجوب وحکایت میں کوئی تنازعہ نہیں ہے نہ اختلاف نہ اس میں خبر کی کوئی غلطی ہے، نہ تاویل کی۔ لہٰذا اس میں تنازعہ کرنا جائز نہیں ہے...... اس کے برعکس علم خاصہ بطور نص کتاب وسنت ثابت نہیں ہے۔ گنجائش اور قیاس کا امکان ہے۔ اس علم میں اگر اخبار ہیں تو اخبار خاصہ نہ کہ اخبار عامہ اور وہ تاویل کے بھی متحمل ہیں اور ان کا استدراک قیاس ہی سے ہو سکتا ہے۔ پھر علم خاصہ کا ذکر کرتے ہوئے شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔

علم کا یہ وہ درجہ ہے۔ جس کا حصول عامہ کے لیے ضروری نہیں ہے۔ نہ سب خواص کے لیے اس کا حاصل کرنا لازمی اور لابدی ہے۔ اس کے حصول کی مثال جہاد، اور نماز جنازہ کی طرح ہے کہ اگر کوئی اس فرض کو نہ ادا کرے تو سب گنہگار ہوں گے اور اگر کوئی ایک ادا کرے تو سب کے سر سے گناہ ٹل جائے گا۔

(امام شافعی ص ۷-۱۲۵-۳۲۵)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا فن شعر وسخن:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ شاعری میں فصاحت وبلاغت اور فکر وسخن کے استاد تھے۔ دیوان شافعی رحمۃ اللہ علیہ جس کا تذکرہ تصانیف کے ضمن میں کر چکے ہیں۔ ۱۶۳ عنوانات کے تحت مختلف نظمیں تحریر کیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری میں بلا کی تاثیر تھی۔ اس فن میں ان کے اپنے عہد میں کوئی ثانی نہ تھا۔ اگرچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ شعر کہنے میں احتیاط فرماتے تھے۔ مگر چونکہ شاعری عرب کی قومی زندگی کی جان ہے۔ وہ ان کے لیے کوئی چیز نہیں ہے۔ بلکہ عرب کا ایک فطری وصف ہے۔ پھر اس سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کیسے مستثنیٰ رہ سکتے تھے۔ آپ بے تکلف نظم فرماتے تھے۔ کلام میں ابہام یا تعقید کا وجود نہیں ہے۔ جو سحر بیانی وشعلہ مقالی اللہ نے آپ کو عطا فرمائی تھی۔ اس لحاظ سے آپ کا کلام بھی قابل توجہ ہے۔ بقول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ:

دلولا الشعر بالعلماء یدری
لکنت الیوم اشعر من لبید

ترجمہ: (اگر علماء کے نزدیک شعر گوئی مستحسن ہوتی تو آج میں بھی لبید سے زیادہ شعر کہہ دیتا)

فی البدیہہ اشعار کی مہارت:

عباس ارزق جو مشہور شاعر ہے۔ ایک بار آپ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا۔ اے ابو عبداللہ میں نے چند اشعار کہے ہیں۔ اگر تم ان کے مثل شعر کہہ دو تو میں شعر کہنا چھوڑ دوں گا۔

ما همتي الا مطالبة العلي
خلق الزمان وهمتي لم تخلق
والناس أعينهم الى سلب الغنى
لا ينظرون إلى الحجا والأولق
لوكان بالحيل الغنى لوجدتني
بنجوم اقطار السماء تعلقي

ترجمہ: ''دشمنوں سے لڑنے کے سوا اور کسی کام کی مجھ میں ہمت نہیں رہی زمانہ پرانا ہو گیا مگر یہی ہمت پرانی نہیں ہوئی۔ لوگوں کی آنکھیں دولتمندی کی جانب لگی ہوئی ہیں۔ وہ عقلمندی اور بے وقوفی میں تمیز نہیں کرتے اگر دولتمندی کا ذریعہ حیلوں پر ہوتا تو وہ مجھ کو آسمان کے کناروں پر پہنچا دیتے۔''

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے جواب میں فی البدیہہ اشعار کہے:

ان الذى رزق اليسار ولم ينل
أجرا ولا حمدا لغير موفق
الجد يدنيٰ كل امر شاسع
والجد يفتح كل باب مغلق
فإذا سمعت بان مجدودًا حوى
عودًا فاثمر في يديه فصدق
وإذا سمعت بان محروما أتى
ماءً ليشربه فغاض فحقق

ومن الدليل على القضاء وحكمه
بؤس اللبيب وطيب عيش الاحمق
لو كان بالحيل الغنى لوجدتني
بنجوم أقطار السماء تعلقي
لكن من رزق الحجا حرم الغنى
ضدان مفترقان أي تفرق
ولربما عرضت لنفسي فكرة
فأود منها أنني لم اخلق
واحق خلق الله بالهم امرؤ
ذوهمة يبلى برزق ضيق

ترجمہ: ''جس شخص کو خدا نے خوش حال بنایا اس پر بھی اس نے شکر ادا نہ کیا نہ اس کی تعریف کی وہ بدنصیب ہے۔ نصیب ہی ہر بند دروازے کو کھول دیتا ہے اور نصیب ہی ہر دروازہ کو قریب کر دیتا ہے۔ اس لیے اگر تم سنو کہ کسی خوش نصیب نے ایک خشک لکڑی اٹھائی اور وہ اس کے ہاتھ میں آتی ہی بار آور ہو گئی۔ تو یقین کر لینا اور جب یہ سنو کہ کوئی بدنصیب پانی پینے گیا اور وہ احمق پانی میں ڈوب گیا تو اس کا بھی یقین کر لینا۔ خدا کے احکام کے نافذ ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ سمجھدار تکلیف میں مبتلا ہے اور احمق عیش و راحت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اگر بڑائی حیلوں کی وجہ سے ہوتی ہے تو میرا تعلق بڑے بڑے آسمانی اسباب سے ہوتا لیکن جس کو عقل دی گئی ہے۔ وہ رزق سے محروم ہے۔ یہ دونوں ضدیں ایسی ہیں جن کا جمع ہونا مشکل ہے بارہا میرے دل میں یہ خیال آتا رہتا ہے کہ کاش میں پیدا ہی نہ کیا جاتا۔ خدا کی مخلوق میں وہ سب سے زیادہ قابل ہمدردی ہے جو باوجود تنگ حالی کے ہمت سے زندگی بسر کرتا ہو۔''

اشعار میں حکمت کے جواہر:

عباس ارزق نے کہا سبحان اللہ۔ اشعار ہیں یا گنجینہ حکمت ہیں۔ اعتراف کرتا ہوا چلا گیا۔ آپ جب مصر تشریف لائے تو وہاں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پیرو زیادہ تھے۔ ان افراد نے آپ کا بڑا احترام کیا۔ جب بعض مسائل میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے آپ نے اختلاف کیا تو پھر ان لوگوں نے آپ سے احتراز شروع کیا۔ اس پر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

أأنثر درا بين سارحة البهم
وانظم منثورا لراعية الغنم؟
لعمرى لئن ضيعت فى شر بلدة
فلست مضيعا فيهم غرر الكلم
لئن سهل اللّٰه العزيز بلطفه
وصادفت اهلا للعلوم وللحكم
بثثت مفيداً و استفدت ودادهم
وإلا فمخزون لدى ومكتتم
ومن منح الجهال علماء اضاعه
ومن منع المستوجبين فقد ظلم

ترجمہ: ''کیا میں نثر کے موتی چوپائے چرانے والوں کے سامنے پیش کروں، یا بکریاں چرانے والوں کے سامنے، یا بکریاں چرانے والوں کے لیے بکھرے موتی نظم کروں، اگر خدا کے فضل وکرم سے کسی صاحب علم وحکمت سے ملاقات ہوئی تو اس وقت ان کا بکھرنا مناسب ہوگا اور اس کو میں دوست بناؤں گا ورنہ وہ موتی چھپے رہیں گے۔ جس نے جاہلوں کو علم سکھایا۔ اس نے علم کو ضائع کیا اور جس نے مستحق افراد کے سکھانے سے اعراض کیا اس نے ظلم کیا۔''

اہل بیت کی مدح:

اہل بیت رسول اللہ ﷺ کی تعریف میں فرماتے ہیں:

يا آل بيت رسول الله حبكم
فرض من الله فى القرآن انزله
يكفيكم من عظيم الفخر انكم
من لم يصل عليكم لاصلاة له

ترجمہ: ''اے اہل بیت رسول اللہ ﷺ تمہاری محبت قرآن کی وجہ سے فرض ہے۔ تمہاری جلالت شان کے لیے یہی کافی ہے کہ جس نے تم پر درود نہ پڑھا اس کی نماز قبول نہیں ہوئی۔''

ایک اور جگہ پر اہل بیت کی مدح سرائی یوں کی گئی ہے۔

يا راكبا قف بالمحصب من منى
واهتف بقاعد خيفها والناهض

سحرا اذا فاض الحجيج الى منى
فيضا كملتطم الفرات الفائض
ان كان رفضا حب آل محمد
فليشهد الثقلان انى رافضى

ترجمہ: ''اے اونٹ سوار منیٰ میں محصب پر ٹھہر جا اور جب صبح کے وقت حجاج فرات کے بہاؤ کی طرح منیٰ کی طرف بڑھیں تو خیف و ناہض والوں سے چل کر کہہ دینا کہ اگر آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہی سے انسان رافضی ہو جاتا ہے تو اس میں شک نہیں ہے کہ میں سب سے بڑا رافضی ہوں۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے عقیدت:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس قدر محبت اور چاہت تھی کی وہ اس مد میں کوئی بھی غلط لفظ سننا گوارا نہ کرتے تھے۔ چنانچہ وہ اپنے اشعار میں علی وابوبکر رضی اللہ عنہما کی طرف داری اس طرح کرتے ہیں:

اذا نحن فضلنا علياً فاننا
روافض بالتفضيل عند ذوى الجهل
وفضل ابى بكر اذا ما ذكرته
رميت بنصب عند ذكرى للفضل
فلا زلت ذا رفض ونصب كلاهما
بحبيهما حتى أوسد في الرمل

ترجمہ: ''جب ہم نے علی کرم اللہ وجہہ کی فضیلت بیان کی تو بیشک اس وجہ سے ہم جاہلوں کے نزدیک رافضی ہے اور جب میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فضائل بیان کرتا ہوں تو اس اظہار وعظمت کی وجہ سے یہی لوگ مجھے ناصبی کہنے لگتے ہیں۔ پس اس محبت وعظمت کی وجہ سے میں رافضی و ناصبی ہوں اور اسی طرح ایک دن قبر چلا جاؤں گا۔''

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کہا:

قالوا: يزورك احمد وتزوره
قلت: الفضائل لاتفارق منزله

إن زارني فبفضله أوزرته
فلفضله، فالفضل في الحالين له

ترجمہ: ''لوگوں نے کہا کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ آپ سے ملنے کے لئے آتے ہیں، اور آپ بھی اُن سے ملنے کیلئے جاتے ہیں۔ میں نے کہا کہ مکارمِ اخلاق اُن سے کہیں بھی الگ نہیں ہوتے۔ اگر وہ مجھ سے ملنے کیلئے تشریف لائیں تو یہ اُن کی کرم فرمائی ہے، اور میں اُن کی زیارت کیلئے حاضر ہوں تب اُن کے علم و فضل کی وجہ سے۔ دونوں صورتوں میں مقام و رفعت اُنہیں کو حاصل ہے۔''

نیکی کے بیان میں:

المرء ان كان عاقلا ورعا
يشغله عن عيوبهم ورعه
كما العليل السقيم اشغله
عن وجع الناس كلهم وجعه

ترجمہ: ''جو شخص عقلمند اور پرہیز گار رہتا ہے اس کی نیکی لوگوں کی عیب جوئی سے اس کو روکے رکھتی ہے۔ جس طرح سخت بیمار کو اس کی بیماری تمام لوگوں کی بیماریوں سے غافل کر دیتی ہے۔''

حسد کے بیان میں:

وذی حسد يغتابني حيث لا يرى
مكاني ويثني صالحا حيث اسمع
اذالم تصن عرضا نفسا ولم تخش خالقا
وتستحي مخلوقا فما شئت فاصنع

ترجمہ: ''حاسد میرے پیٹھ پیچھے تو میری برائیاں کرتے ہیں اور جب میرے سامنے آتے ہیں تو میری بڑی تعریف کرتے ہیں جب تمہیں اپنی عزت کا خیال نہیں نہ خدا کا خوف ہے اور نہ مخلوق کی شرم ہے تو پھر جو چاہے کرو۔''

توکل کے بیان میں:

اذا اصبحت عندی قوت يومي
فخل الهم عني يا سعيد

ولا تخطر هموم غد ببالي
فإن غدا له رزق جديد

ترجمہ: ''اے نیک بخت جب میرے پاس ایک دن کی روزی ہو تو پھر میری روزی کی فکر نہ کر اور آئندہ کل کی روزی کی فکر مجھے کبھی نہیں ہوتی۔ چونکہ کل کے لیے نئی روزی ہے۔ خدا جو کچھ چاہتا ہے۔ مجھے بھی وہ منظور ہے۔ اپنا ارادہ اس پر چھوڑ دیتا ہوں۔''

مصائب پر صبر کے بیان میں:

عواقب مكروه الامور خيار
وايام شر لا تدوم قصار
وليس بباق بوسها ونعيمها
اذا كر ليل ثم كر نهار

ترجمہ: ''سخت حوادث کا انجام اچھا ہوتا ہے اور مصیبت کے دن چھوٹے ہوتے ہیں۔ جو ہمیشہ نہیں رہتے دنیا میں رنج وراحت کے دن ایک ہی طرح پر نہیں رہتے۔ رات کے بعد ہی دن آتا ہے۔''

محنت کے بیان میں:

ما حك جلدك مثل ظفرك
فتول انت جميع امرك
وإذا قصدت لحاجة
فاقصد لمعترف بفضلك

ترجمہ: ''جب ترے جسم میں کھجلی ہوتی ہے تو اس کے کھجانے کے لیے تیز ناخن ہی تو ہوتے ہیں اسی طرح کاموں کو خود ہی کرتا رہ اگر کوئی ضرورت پیش ہی آجائے تو پھر ایسے شخص سے امداد کا خواہاں ہو جو تیری عظمت کا خیال کرتا ہو۔''

اخوت کے بیان میں:

احب من الاخوان كل مواتي
وكل غضيض الطرف عن عثراتي

يوافقني في كل امر اريده
ويحفظني حيا وبعد مماتي
فمن لي بهذا؟ ليت اني اصبته
لقاسمته مالي من الحسنات
تصفحت إخواني فكان اقلهم
على كثرة الاخوان اهل ثقاتي

ترجمہ: ''میں اپنے ہر ہم خیال بھائی سے انسیت رکھتا ہوں اور ایسے شخص سے جو میری لغزشوں سے اغماض کرے میرے پسندیدہ کاموں میں وہ میرا معاون ہو میری زندگی میں میرا محافظ اور مرنے کے بعد میرا خیال رکھے میں نے اپنے لیے بھائیوں کو تلاش کیا بہت سے ملے لیکن بھروسہ کے قابل بہت کم نکلے میری اس مشکل کو کون آسان کر دے گا۔ کاش وہ مجھے مل جاتا تو میں اپنا مال اس کو بانٹ دیتا۔''

شرافت کے بیان میں:

لعمرك ما الرزية فقد دار
ولا شاة تموت ولا بعير
ولكن الرزية فقد حر
يموت بموته خلق كثير

ترجمہ: ''تمہاری عمر کی قسم گھر کا گر جانا کوئی بڑی مصیبت نہیں ہے۔ نہ یہ کہ اونٹ اور بکری مر جائے بلکہ سب سے بڑی مصیبت ایک شریف کی موت ہے جس سے ایک جہاں مردہ ہو جاتا ہے۔''

دُنیا کے بیان میں:

يا من تعزز بالدنيا وزينتها
لدهر ياتي على المبنى والباني
ومن يكن عزه الدنيا وزينتها

فعزه عن قليل زائل فاني
واعلم بان كنوز الارض من ذهب
فاجعل كنوزك من بر وإيمان

ترجمہ: ''اے دنیا اور دنیا کی زینت پر دھوکہ کھانے والے! یاد رکھو کہ زمانہ مکان اور مکان بنانے والے دونوں کو برباد کرے گا۔ جس کو دنیا کی عزت و وجاہت پسند ہو اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ عزت جلد مٹ جانے والی ہے۔ یاد رکھو کہ دنیا کے خزانے تو سونے سے بھرے جاتے ہیں۔ مگر تم اپنا خزانہ ایمان اور نیکی سے بھرو۔''

لالچ کے بیان میں:

امت مطامعي فأرحت نفسي
فان النفس ماطمعت تهون
واحييت القنوع وكان ميتا
ففي إحيائه عرض مصون
إذا طمع يحل بقلب عبد
علته مهانة وعلاه هون

ترجمہ: میں نے طمع چھوڑ کر خود کو آرام پہنچایا۔ نفس میں جس قدر لالچ بڑھتا ہے۔ وہ ذلیل ہو جاتا ہے۔ قناعت جو مردہ تھی اس کو میں نے جگایا۔ قناعت کی زندگی ہی میں میری عزت کی حفاظت ہے۔ جب انسان کے دل میں لالچ کا جذبہ مستقل گھر کر لیتا ہے۔ تو پھر وہ انسان روز بروز ذلیل ہی ہو جاتا ہے۔

نصیب کے بیان میں:

المرء يحظى ثم يعلو ذكره
حتى يزين بالذی لم يفعل
وترى الشقي إذا تكامل غيه
يشقى وينحل بالذی لم يعمل

ترجمہ: ''خوش نصیب کی بڑی بڑی تعریفیں کی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ اس کے متعلق وہ وہ

باتیں منسوب کر دی جاتی ہیں جو اس نے کبھی نہ کی ہوں اور بدنصیب جب اس کا کوئی بڑا عیب نمایاں ہوتا ہے تو ہر نا کردہ عیب بھی اس کی جانب منسوب ہو جاتا ہے۔''

(دیوان الامام الشافعی، مطبوعہ: دالکتاب العربی)

متفرق کلام: ابن خزیمہ نے بیان کیا ہے کہ مزنی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے سنایا کہ خود امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیں یہ اشعار سنائے جن کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

ترجمہ: جو تو چاہے گا وہ ہو جائے گا خواہ میں نہ چاہوں اور جو میں چاہوں اور تو نہ چاہے وہ نہیں ہو گا۔ تو نے بندوں کو اپنے علم کے مطابق پیدا کیا ہے اور علم میں جوان اور عمر رسیدہ بھی چلتا ہے اور ان میں خوش بخت، بد بخت، قبیح اور حسین بھی ہوتے ہیں۔ اس پر تو نے احسان کیا ہے اور اس کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا اور اس کی تو نے مدد کی اور اس کی تو نے مدد نہیں کی اور ربیع مرادی سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے یہ شعر سنائے۔

ترجمہ: لوگ ٹیڑھے ہو گئے ہیں۔ حتیٰ کہ انہوں نے رائے سے دین میں وہ بدعات ایجاد کر لیں جن کے ساتھ رسولوں کو مبعوث نہیں کیا گیا حتیٰ کہ اکثر لوگوں نے اللہ کے حق کو حقیر سمجھ لیا ہے اور جس چیز کو انہوں نے اٹھایا ہے اسی میں مشغول ہیں۔

(تاریخ ابن کثیر ۱۰: ۲۶۸)

امام بویطی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار میں سے ایک شعر یہ بھی ہے:

ترجمہ: قرآن وحدیث اور فقہ فی الدین کے سوا تمام علوم مشغلہ ہیں۔ علم وہ ہے جس میں کہنے والا کہے کہ اس نے ہم سے بیان کیا ہے اور اس کے سوا جو کچھ ہے وہ شیاطین کے وساوس ہیں۔

(تاریخ ابن کثیر ۱۰: ۲۶۸)

باب ۹

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مناظرات

آپ کی ذات چونکہ حجازیوں اور عراقیوں کی فقہ، حدیث اور بدوؤں کی فصاحت کا مجموعہ تھی۔ اس لیے آپ مناظرہ وخوبی تحریر میں یکتا تھے اور آپ کی تحریر جاحظ وغیرہ سے بھی بلند پایہ سمجھی جاتی ہے۔ تمام ائمہ میں تنہا آپ کی ذات ہے کہ جس نے مکہ، مدینہ، یمن، نواح یمن، عراق، شام، مصر، الجزائر تک سفر کیے اور ہر جگہ علماء وفضلاء سے مذاکرات فرماتے رہے۔ صرف آپ کی مساعی جمیلہ تھیں جن کی وجہ سے ان شہروں میں لوگوں نے آپ کے اجتہادی مسائل کو تسلیم کرتے ہوئے آپ کو ناصر الحدیث مجدد، امام الائمہ مان لیا۔ آپ کے چند مذاکرات ومناظرات کو بیان کیا جاتا ہے۔

یتیم کے مال پر زکوٰۃ کے متعلق مناظرہ:

چند لوگ آئے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس فتویٰ پر اعتراض کیا'' کہ یتیم کے مال پر زکوٰۃ لازم ہے'' آپ یہ فتویٰ دیتے ہیں حالانکہ قرآن میں خدا نے فرمایا ہے۔ واقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ یعنی نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو۔ پس یتیم اور نابالغ پر نماز تو لازمی نہیں ہے۔ پھر زکوٰۃ کس طرح فرض ہو جائے گی۔ نابالغ پر تعزیری جرائم کے پاداش میں حد بھی دی جاتی اور کاش وہ کافر ہو جائے تو حکم ارتداد بھی نہیں دیا جا سکتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔ تین شخص مرفوع القلم ہیں۔ نابالغ، دیوانہ اور سونے والا۔(۱) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تمہارا استدلال ہی سرے سے غلط ہے۔ دوسرے تم اپنے استدلال پر عمل کرنے میں خود بھی اس کے خلاف عمل کرتے ہو۔ اب سنو اصل حقیقت شرعی یہ ہے کہ زکوٰۃ مال پر فرض ہے نہ کہ عمر پر۔ جو نصاب شرعی ہے اگر اس کو

۱۔ (سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، رقم الحدیث: 4398، سنن النسائی، رقم الحدیث: 3432، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: 2041، سنن الدارمی، 171/2، مسند احمد، 100/6)

ایک سال گزر جائے تو پھر اس مال پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے اور نماز بالغ پر فرض ہے تا کہ اس کو اچھی طرح طہارت وحقیقت نماز سے آگہی ہو جائے۔ تم اپنے اصول سے ہٹ کر جو عمل کرتے ہو وہ بھی سنو۔

اگر کمسنی میں کسی لڑکی کا شوہر مر جائے تو تم مثل بالغہ عورت کے اس کی عدت لازم قرار دیتے ہو۔ تاوان جنایات میں نابالغ کو مثل بالغ قرار دیتے ہو علاوہ ازیں تم بالغ سے عشر وصول کرتے ہو اور کہتے ہو کہ یہاں احکام مثل بالغ کے ہیں۔ یہ تمہاری فقہی ناسمجھی ہے میں تم سے پوچھتا ہوں۔ بھلا یہ تو بتاؤ کہ جب تم کہتے ہو کہ نماز وزکوٰۃ ساتھ ساتھ فرض ہوئی ہیں۔ تو اس مسئلہ میں کیا کہتے ہو۔ جس شخص کے پاس مال نہیں ہے۔ اس لیے اس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ کیا نماز بھی اس سے ساقط ہو سکتی ہے؟ اگر کوئی شخص سال بھر تک مجنون رہے تو نماز اُس سے ساقط ہو جائیگی۔ اگر مالدار ہے تو کیا زکوٰۃ بھی اس پر سے ساقط ہو جائے گی؟ اگر ایک مالدار سفر کر رہا ہو اور دوران سفر میں اس پر زکوٰۃ ادا کرنے کا وقت شروع ہو گیا تو سفر میں وہ قصر نماز تو کر سکتا ہے۔ کیا دوران سفر زکوٰۃ بھی قصر ادا کر سکتا ہے۔ حائضہ سے نماز ساقط ہے۔ کیا زکوٰۃ بھی ساقط ہے۔

یہ استدلال سن کر وہ متحیر ہوئے اور کہنے لگے کہ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے کوفہ کے فقہاء تو یتیم ونابالغ کے مال میں زکوٰۃ کو فرض نہیں سمجھتے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا سبحان اللہ ایک طرف تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ہے کہ تابعی بھی آدمی تھے اور ہم بھی آدمی ہیں۔ ہم ان کی مخالفت کرنے کے مجاز ہیں۔ پھر تم لوگ مجھے اپنے فقہائے کوفہ یا تابعین کے اختلاف سے کیوں روکتے ہو۔ حالانکہ حدیث صحیح سے یہی ثابت ہے کہ نابالغ کے مال میں زکوٰۃ ہے۔(۱) کوفہ کے فقہاء نے جواب دیا۔ مگر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فتویٰ بھی آپ کے خلاف ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لازمی ہے علاوہ ازیں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جو کچھ فرمایا ہے۔ اسے بھی غلط سمجھے وہ فرماتے ہیں۔ ولی مال یتیم سے نہ ادا کرے بلکہ یتیم جب بالغ ہو جائے تو وہ حساب کر کے خود ادا کرے۔ علاوہ ازیں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت جو تم لوگ بیان کرتے ہو۔ اس کا راوی غیر معتبر ہے۔ میں جو کہتا ہوں اس کی دلیل صحیح حدیث ہے اور چار اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا فیصلہ ہے جو یہ ہیں۔ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن عمر وحضرت عائشہ رضی اللہ عنہم۔

۱۔ (سنن الترمذی، کتاب الزکوٰۃ، رقم الحدیث، 641، سنن الدارقطنی، 109/2، سنن الکبریٰ للبیهقی، 107/4، أرواء الغلیل للالبانی، رقم الحدیث: 788، ترتیب المسند للشافعی: 224/1، یہ حدیث مرسل ہے)

روزہ کی قضا پر مناظرہ:

ایک دن فقیہہ ربیعہ نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ اگر کوئی شخص رمضان کا ایک روزہ قضا کرے تو اس کو بارہ روزے رکھنے چاہیں۔ چونکہ اس مہینہ کا ایک دن اور مہینوں کے بارہ دن کے برابر ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ یہ فقہ ہے، یا مذاق۔ اگر تمہارا یہی نظریہ ہے تو پھر شب قدر کی نماز اگر فوت ہو جائے تو ہزار مہینہ تک قضا کیا کرے۔ چونکہ **ليلة القدر خير من الف شهر**۔ قرآن میں ہے۔ ربیعہ خاموش ہو کر چلے گئے۔

ترک نماز پر کفر کے متعلق مناظرہ:

امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے طبقات شافعیہ میں ذکر کیا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ترکِ نماز کے متعلق مناظر ہوا۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اے احمد! کیا تم کہتے ہو کہ تارِک نماز کافر ہو گا؟ کہا، ہاں! کہا: جب وہ کافر ہو گا تو کس چیز کے ساتھ مسلمان ہو گا؟ کہا: وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہے گا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ آدمی تو یہ بات ہمیشہ سے کہتا ہے اس نے اس کو چھوڑا نہیں۔ کہا نماز پڑھنے سے وہ مسلمان ہو جائے گا۔ کہا: کافر کی تو نماز ہی صحیح نہیں ہوتی اس کی وجہ سے تو اس کے اسلام کا حکم نہیں دیا جا سکتا۔ تو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ خاموش ہو گئے۔

(فقہ السنہ، کتاب الصلوٰۃ، السید سابق)

پاک دامن عورت پر تہمت اور نماز پر مناظرہ:

فضل بن ربیع رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ میں حسن بن زیاد لؤلؤی شاگرد امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کا مباحثہ سننا چاہتا ہوں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا حسن بن زیاد مباحثہ کے قابل ہے کب۔ اگر تم اصرار کرتے ہو تو اپنے کسی شاگرد سے کہہ دوں گا۔ وہ تمہارے سامنے اس سے مباحثہ کرلے گا حسن بن زیاد بلوائے گئے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد نے (جو پہلے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہم خیال تھا مگر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے فقہ پڑھ کر آپ کا پیرو ہو گیا تھا) حسن سے کہا۔ اہل مدینہ ہمارے اصحاب کوفہ پر چند اعتراض کرتے ہیں اس لیے میں آپ سے اطمینان حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ حسن نے کہا بے تکلف کہو۔ اس شخص نے کہا مسئلہ یہ ہے کہ اگر

کوئی شخص بحالت نماز پاکدامن عورت پر تہمت لگائے تو کیا حکم ہے۔ حسن نے کہا نماز باطل ہو جائے گی۔ اس شخص نے کہا اور وضو۔ حسن نے کہا وضو قائم رہے گا۔ اس شخص نے کہا اگر کسی شخص نے نماز میں قہقہہ لگایا تو کیا حکم ہے۔ حسن نے کہا نماز اور وضو باطل ہو گئے۔ اس شخص نے کہا پاکدامن عورت پر تہمت لگانا قہقہہ سے کیا کم تر ہے۔ فضل بن ربیع بے اختیار ہنس پڑا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے جب تذکرہ ہوا تو فرمانے لگے، پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ حسن بن زیاد گفتگو کے قابل نہیں ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ حسن بن زیاد لولوی کو تمام محدثین ساقط الاعتبار سمجھتے ہیں اور فن حدیث میں ان سے روایت نہیں کی جاتی۔ بدیں وجہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بذات خود ان سے مخاطبت پسند نہیں فرمائی۔

مقام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر مناظرہ:

ایک مرتبہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے کہنے لگے؛ یہ تو بتایئے کہ ہمارے استاد یعنی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تمہارے استاد امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ عالم تھے یا نہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ اگر منصفانہ گفتگو ہو تو پھر میں جواب دوں گا۔ کہنے لگے منصفانہ ہی گفتگو ہو گی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اب آپ قسم کھا کر فرمایئے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مرتبہ فہم قرآن میں زیادہ تھا۔ یا آپ کے استاد کا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا بخدا ...... امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا درجہ بلند تھا۔ پھر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ اب آپ قسم کھا کر فرمایئے کہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اقوال وافعال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بہت زیادہ واقف میرے استاد تھے یا آپ کے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا خدا کی قسم احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واقوال صحابہ رضی اللہ عنہم سے تمہارے استاد بہت زیادہ واقف تھے۔ تب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ بجز قیاس کے اور کیا باقی رہا اور قیاس کا دارومدار بھی انہی تینوں اصولوں پر ہے جو شخص ان تینوں اصولوں سے زیادہ باخبر ہو گا۔ اس کا قیاس بھی بلند ہو گا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ خاموش ہو گئے۔

مکہ مکرمہ کے مکانوں کے کرایہ وصول کرنے پر مناظرہ:

امام اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں یحیٰی بن معین رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ مکہ میں ساتھ ہی گئے اور ساتھ ہی ایک جگہ رہتے تھے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا تو یہ معمول تھا کہ وہ اپنا اکثر وقت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں صرف کرتے رہتے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت

و یکجائی کو غنیمت سمجھتا تھا۔ ایک دن امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا: اے ابو یعقوب تم امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں میرے ساتھ کیوں نہیں چلا کرتے۔ میں نے کہا جب یہاں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے شیوخ موجود ہیں۔ جیسے سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ تو پھر ان کو چھوڑ کر ایسے شخص کے پاس جو عمر میں بھی ہم سے کچھ ہی زیادہ ہے۔ آپ کیوں لے چلتے ہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا خدا نے تمہیں نیک توفیق عطا فرمائے بھائی۔ شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا علم پھر کہاں حاصل ہوگا۔ بالآخر ان کے فرمانے سے میں ان کی مجلس میں حاضر ہوا اور دوسرے لوگوں سے مخاطب ہو کر میں نے کہا مکہ مکرمہ کے مکانوں کا کرایہ وصول کرنا جائز نہیں ہے۔ یہاں تک کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا کیا تم مجھ سے مناظرہ کرنا چاہتے ہو۔ میں نے کہا جی ہاں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ سنو خدا فرماتا ہے للفقراء الذین اخرجو امن دیار هم یعنی ان بے کسوں کے لیے جو اپنے گھروں سے نکالے گئے اس آیت میں خدا نے مکہ مکرمہ کے مہاجرین کو ان کے مالک بیان فرمایا ہے۔ پس اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ مکہ والے اپنے گھروں کے مالک ہیں اور بغیر کرایہ کے کسی کو تصرف کا حق نہیں ہے۔ مالک کو حق بیع حاصل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا تھا۔ من اغلق بابه فهو امن ومن دخل دار ابوسفیان فهو امن .(۱) جو اپنا دروازہ بند کر لے اس کو امن حاصل ہے اور جو ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے گھر میں پناہ لے اس کو امن حاصل ہے۔ اب غور کرو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ والوں کو ان کے گھروں کا مالک ظاہر فرمایا ہے اور سنو۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ سے مکہ تشریف لائے تو کسی شخص نے آپ سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ مکہ مکرمہ میں کہاں ٹھہریں گے آپ نے فرمایا۔ هل ترك لنا عقيل دارا. عقیل نے ہمارے گھر کہاں چھوڑے۔ (سب بیچ دیئے) اب بتاؤ۔ امام اسحاق نے جواب دیا۔ مگر عطاء حسن ابراہیم اور مجاہد وغیرہم تابعین نے تو مکہ کے مکانوں کا بلا معاوضہ استعمال مباح قرار دیا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے مہاجرین سے پوچھا۔ یہ کون شخص ہے۔ لوگوں نے کہا اسحق بن راہو یہ۔ فرمایا تم وہی اسحاق ہو جنہیں خراسان والے فقیہ کہتے ہیں۔ میں نے کہا جی ہاں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ کاش تمہارے سوا اور کوئی ہوتا تو میں اس کے کان کھنچواتا۔ میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا اور تم کہتے ہو کہ عطاء طاؤس وغیرہم نے یہ کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

۱۔ (صحيح مسلم، كتاب الجهاد و السير، رقم الحديث: 1780، سنن ابی داؤد، كتاب المناسك، باب الخراج والا ماره والفئ، رقم الحديث: 1871، مسند احمد، 954/4، رقم الحديث: 11241، مسند ابی هريره رضی اللہ عنہ)

ارشادگرامی کے سامنے ان کے اقوال کی کیا حقیقت ہے۔امام اسحاق نے پھر سوچ کر جواب دیا کہ اچھا ان کے اقوال جانے دیجئے۔قرآن کی اس آیت کا مطلب کیا ہے۔ **سواء العاکف فیه والباد** یعنی اس میں مقیم اور مسافر دونوں برابر ہیں۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا بھائی یہ حکم خاص مسجد الحرام کے متعلق ہے۔امام اسحاق یہ سن کر خاموش ہوئے اور پھر آپ کے فضل وکمال وتبحر کے معترف اور آپ کی مجلس میں حاضر باش رہے۔

نماز کا آغاز فرض سے ہوتا ہے یا سنت سے، اس پر مناظرہ:

ابوثور کہتے ہیں کہ میں اور حسین کرابیسی دونوں فقہ حنفی پر عمل کرتے تھے۔ جب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ عراق تشریف لائے تو ہم لوگوں نے متحد ہو کر یہ طے کیا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پیچیدہ اور مشکل مسئلے ان سے دریافت کرنے چاہئیں۔ چنانچہ ہم سب پہنچے اور گفتگو شروع کی۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تمام مسائل کا مدلل جواب دیا۔ پھر مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ یہ تو بتائیے کہ نماز کس سے شروع ہوتی ہے۔فرض سے یا سنت سے۔میں نے کہا۔فرض سے فرمایا۔غلط ہے پھر میں نے کہا کہ سنت سے فرمایا یہ بھی غلط ہے۔ پھر میں نے اعتراض کیا کہ اب آپ رہبری فرمائیے، فرمایا دونوں سے بیک وقت۔تکبیر فرض ہے اور رفع یدین سنت ہے۔ابوثور کہتے ہیں کہ پھر ہم لوگ آپ کے تلامذہ میں داخل ہو گئے اور عراقی فقہ کو چھوڑ دیا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاقی محاسن

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاق وعادات بھی سراپا علم وفن کی طرح ہمہ گیر وجاذبیت کے حامل تھے۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے معاشرتی اقدار کے فروغ کو خاص ترجیحات پر رکھا اور علم کے ساتھ عمل کو بھی فائق جانا۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ عالم باعمل حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کے پابند اور پیکر اخلاق تھے۔ان کی فقہ کا اگر عمیق نظر سے مطالعہ کیا جائے تو اخلاقی غرض وغایت کی نمایاں چھاپ دکھائی دیتی ہے۔تقویٰ، خلوص، توکل اور صبر وشکر ان کی زندگی میں مرکزی حیثیت رکھتے تھے۔انہوں نے اسالیب روز وشبانہ کو اخلاقی اقدار سے ہمکنار کر کے گزارا اور کسی بھی شخص کو ان کی عادات واخلاق سے شکایت نہ تھی۔انہوں نے پیغام امن یعنی اسلام امن کو بطرز امن بنا کر پیش کیا ذیلی معاشرت کو جدید وجامع فقہ سے روشناس کرایا۔ابھی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی خصلتوں کو الگ الگ بیان کیا جاتا ہے۔

قناعت:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے تھے کہ میں نے بیس سال سے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا میں نے طمع ولالچ کو کبھی پاس نہ آنے دیا۔ اس کی بدولت مجھے ہمیشہ آرام پہنچا اور اسی وجہ سے ہمیشہ میری عزت ذلت سے محفوظ رہی۔ فرمایا کرتے تھے کہ حرص وطمع وہ برائی ہے جس سے نفس کی دنایت (کمینہ پن) پوری طرح ظاہر ہوتی ہے۔ خصوصاً ایسی حرص جس میں بخل کی آمیزش بھی ہو۔ اسی کو عرب ''شح'' کہتے ہیں قرآن میں اس کی برائی متعدد جگہوں پر آئی ہے۔ فرماتے تھے خانگی زندگی کی ناگواری زیادہ تر اسی وجہ سے ہوتی ہے۔ گھر کا مالک زیادہ دینا نہیں چاہتا اور گھر کے لوگ زیادہ مانگتے ہیں۔ شوہروں کو مال سے محبت ہوتی ہے اور بیویاں لالچ سے زیادہ مانگتی ہیں۔ اس سے خانگی معاملات میں کشاکش ہو جاتی ہے اور گھر روحانی تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ فرمایا کرتے تھے۔ قرآن کی اس آیت کو اچھی طرح سمجھ۔ جس میں مسلمانوں کا وصف یہ ہے کہ دوسروں کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر مقدم رکھتے ہیں۔

☆ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ.

ترجمہ: اور اپنے اوپر (اوروں کو) مقدم رکھتے ہیں۔ اگر چہ خود ان کو ضرورت ہو اور جو اپنے جی کی لالچ سے بچایا گیا وہی کامیاب ہیں۔ (حشر ۵۹، آیت ۹)

ہارون الرشید نے ایک مرتبہ بے حد اصرار کیا کہ آپ جس شہر کو پسند کریں۔ میں وہاں کا قاضی مقرر کر دوں جواب دیا۔ مجھے تو اس عہدہ سے معاف ہی رکھیے۔ (توالی التاسیس)

سخاوت:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ سخاوت کے معنی یہ ہیں کہ اپنے کسی حق دار کو یا کسی شے کو خوشی کے ساتھ بغیر کسی اکراہ کے دوسرے حوالہ کر دیا جائے اور اس کی یہ چند صورتیں ہیں۔

اپنا حق کسی کو معاف کر دینا۔ اپنی ضرورت کو روک کر کسی کی ضرورت پوری کرنا دوسرے کے لیے اپنے دماغ کو خرچ کرنا۔ دوسرے کی اعانت کے لیے اپنی عزت کو خطرہ میں ڈال دینا یا اپنی جان کو خطرہ میں ڈال دینا۔ دوسروں کو بچانے کے لیے خود کو پیش کر دینا...... فرماتے ہیں کسی شخص کو کبھی نکمی و ناکارہ چیز نہ دیا کرو۔ اس کے دینے سے نفس کی بلندی زائل ہو کر دنایت پیدا

ہونے لگتی ہے۔ اللہ ربّ العزت نے فرمایا ہے:

☆ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنفِقُونَ وَلَسْتُم بِآخِذِيهِ إِلَّا أَن تُغْمِضُوا فِيهِ.

ترجمہ: اے ایمان والو! اس میں سے جو تم نے کمایا ہے اور اس میں سے جو تمہارے لیے زمین سے نکالا ہے۔ اچھی چیزیں خرچ کرو۔ اس میں سے بری چیز کے دینے کا ارادہ بھی نہ کرو۔ حالانکہ تم اب اُس کو لینے والے بھی نہیں ہو مگر یہ آنکھ اس کے لینے میں میچ لو (بند کر لو)۔

(البقرۃ ۲:۲۶۷)

ابتدا میں آپ تنگدستی سے بسر کرتے تھے۔ مگر تعلیم حاصل کرنے کے بعد خدائے کریم و رحیم نے ہر قسم کی نعمتوں سے آپ کو سرفراز فرما دیا تھا۔ اکثر خلفائے وقت امراء، وزراء اور اہل ثروت آپ کو نذرانے پیش کرتے رہتے تھے اور ہر شخص اس نذرانے کے قبول کرنے میں اصرار کرتا رہتا تھا، ایک بار ہارون الرشید نے آپ کو پچاس ہزار درہم نذرانہ کیے...... ان میں سے آپ نے چالیس ہزار غرباء یتامیٰ، بیوگان اور نادر علماء پر صرف کر دیئے ابو حسان زیادی نے ایک مرتبہ چھ ہزار دینار جعفر بن یحییٰ برمکی نے ایک ہزار دینار اور پھر ہارون الرشید نے کئی ہزار دینار بھیجے۔ مگر آپ کا معمول یہ تھا کہ بسا اوقات صرف ایک چوتھائی اپنے لیے رکھ کر باقی رقم رات کی تاریکی میں غریب و معذور علماء و نادار طلبا، بیوگان و یتامیٰ کو تقسیم فرما دیتے اور پھر خدا سے دعا کرتے کہ الٰہی مجھے حرص دنیا سے ہمیشہ محفوظ رکھنا۔

امام مزنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھ کر نہ کوئی کریم دیکھا نہ کوئی سخی دیکھا۔ ایک بار عید کی رات تھی میں ان کے ساتھ مسجد سے گھر کی طرف چلا۔ راستہ میں ایک مسئلہ پر گفتگو جاری رہی۔ ان کے مکان پر ایک غلام کھڑا تھا۔ اس نے سلام کیا اور عرض کیا میرے آقا نے یہ روپیوں کی تھیلی بطور نذر پیش کی ہے اور سلام عرض کیا ہے، فرمایا میرا سلام کہہ دینا اور شکریہ ادا کرنا۔ عین اس وقت ایک شخص آیا اور کہنے لگا۔ ابو عبداللہ میرے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے اور گھر میں ایک پیسہ بھی نہیں! آپ نے وہ تھیلی فوراً اس کو دے دی اور ہنستے ہوئے گھر میں چلے گئے!

ایک مرتبہ عید کے دن گھر میں کھانے کا سامان نہ تھا۔ آپ کی بیوی نے کہا آپ تو اپنی قوم کے ساتھ بڑی صلہ رحمی کرتے رہتے ہیں۔ آج عید ہے اور گھر میں سامان نہیں ہے۔ اس لیے

کسی سے کچھ قرض ہی منگا لیجئے، فقرا اور مساکین نے گھیر لیا۔ ۵۰ دینار ان کو تقسیم کر دیے۔ ۲۰ دینار لے کر گھر میں گئے۔ ابھی وہ بیوی کو دینے بھی نہ پائے تھے کہ ایک قریشی نے گھبرا کر پکارا۔ آپ فوراً آئے۔ پوچھا خیر تو ہے۔ اس نے رو کر اپنا حال سنایا۔ آپ نے وہ بیس دینار سامنے رکھ دیے کہ بھائی اس میں جس قدر چاہو لے لو اس نے سب اٹھا لیے اور بولا کہ ابھی تو مجھے ضرورت ہے آپ بیوی کے پاس پہنچے اور سارا قصہ سنایا۔ بیوی نے کہا آپ یہی کرتے رہتے ہیں۔ رات ہوئی خاموشی سے سب سو گئے۔ صبح کو جعفر بن یحییٰ برمکی (وزیر ہارون الرشید) کا ایک قاصد آیا اور آپ کو بلا کر ساتھ لے گیا۔ جعفر نے آپ کی بے حد تعظیم کی اور آپ سے کہا آج رات خواب میں ہاتف غیبی نے مجھے آپ کا واقعہ بتایا ہے۔ اس لیے آپ بھی سنا دیجیے۔ فرماتے ہیں میں نے اپنا واقعہ سنا دیا۔ جعفر نے ایک ہزار دینار نذر کیے اور اصرار کیا کہ اس کو قبول کر ہی لیجیے چنانچہ آپ نے وہ دینار قبول فرما لیے۔

(مناقب شافعی للرازی)

تواضع:

فرماتے تھے کہ تواضع کا حکم اس لیے دیا گیا ہے تاکہ کوئی شخص اپنی قوت و دولت کا بے جا استعمال نہ کرنے پائے جس سے غریبوں اور غیر مستطیع کا دل دکھے۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔ خدا نے مجھ پر وحی نازل فرمائی کہ خاکساری اختیار کرو تاکہ کوئی کسی پر ظلم نہ کر سکے اور کسی کو کسی کے مقابلہ میں فخر کرنے کی جرأت نہ پیدا ہو۔" تواضع کا مقصد معاشرتی زندگی میں خوش گوار لطافت پیدا کرنا ہے۔

آپ نے اپنے دوستوں اور شاگردوں کی تواضع کے لیے ایک کنیز کو مقرر کر رکھا تھا۔ وہ حلوہ بنانے میں باکمال تھی۔ آپ اس سے حلوا بنا کر اکثر ملنے جلنے والوں کو کھلاتے اور انتہائی محبت آمیز لہجہ سے گفتگو فرماتے۔ احباب کو کھلا کر بہت خوش ہوتے تھے۔ اگر کوئی شخص معمولی احسان بھی کرتا تو علاوہ شکر گزاری کے اس کے ساتھ اس سے زیادہ احسان فرما دیتے تھے۔ کسی شخص سے معمولی سی خدمت بھی لیتے تو اس کو دونی تگنی اجرت عنایت فرماتے تھے۔ باکمال اشخاص کی بڑی قدر کرتے تھے۔ ایک بار کہیں جا رہے تھے۔ دیکھا کہ ایک شخص تیر اندازی کی مشق کر رہا ہے۔ آپ کے سامنے اس کا تیر صحیح نشانہ پر پہنچا۔ آپ نے جیب سے اس کو تین دینار نذر کیے اور اظہار افسوس کیا کہ کاش اور دینار ہوتے تو میں تم کو اور دیتا۔

بزرگوں کا ادب واحترام:

کسی نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ کیا تو فرمایا، سنو! لوگ فقہ میں امام حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد ہیں۔ کسی نے امام سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ وامام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق دریافت کیا۔ فرمایا یہ دونوں نہ ہوتے تو حجاز سے علم حدیث ناپید ہوجاتا۔ جب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی قول نقل کرتے تو فرماتے یہ ہمارے استاد امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ کسی نے پوچھا آپ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جیسا آدمی بھی دیکھا ہے۔ فرمایا، جو علم اور عمل میں ہم سے زیادہ ہیں وہ یہی کہتے رہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جیسا آدمی ہم نے نہیں دیکھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق فرماتے تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم ہم سے اجتہاد، تقویٰ اور علم میں بڑھے ہوئے ہیں۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے مسئلہ دریافت کیا کہ اگر کسی شخص نے کعبہ تک پیدل جانے کا نذر مانی اور پھر اس نذر کو پورا نہ کرسکا تو کیا کرے۔ فرمایا قسم کا کفارہ ادا کرے اور ہم سے بہتر شخص عطا بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی کہا ہے۔

جھوٹ سے نفرت:

جھوٹ بولنے سے سخت نفرت تھی۔ فرماتے ہیں میں نے مدت العمر میں کبھی کوئی جھوٹ نہیں کہا۔ نہ کسی معاملہ میں جھوٹی یا سچی قسم کھائی۔ اپنی تصانیف کے متعلق فرمایا کرتے تھے۔ خدا کرے کہ قوم ان کو سمجھے اور ان پر عمل کرے۔

نرم خوئی:

آپ بے انتہا حق پرست تھے۔ آپ سے اکثر مناظرات ومباحثات ہوتے رہتے تھے۔ آپ فریق کو جواب بڑی نرمی وخندہ پیشانی سے دیتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔ میں نے کبھی کسی شخص سے اپنی بڑائی یا اظہار فضیلت کی بنا پر مباحثہ نہیں کیا۔ بلکہ ہمیشہ اعلائے کلمۃ الحق کا مقصد سامنے رہا۔

(سیرت امام شافعی ص ۵۸۰)

باب ۱۰

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مقلدین (شوافع) کا عصری جائزہ

شافعی مسلک کو بعد میں پھیلانے والے ابو اسحاق فیروز آبادی رحمۃ اللہ علیہ (م ۴۷۶ھ) امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ (م ۵۰۵) ابو القاسم الرافعی رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۲۳ھ) محی الدین النووی رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۷۶ھ) تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۵۶ھ) جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے بزرگ ہیں۔

شافعی مسلک کا مرکز مصر تھا لیکن لبنان، شام، عراق، حجاز، برصغیر پاک و ہند، یمن، ایران اور جاوا وغیرہ میں بھی ان کے مسلک کے موجود ہیں۔

شوافع مصر میں:

مصر تو اس کا پہلا وطن سمجھا جاتا ہے۔ وہاں حنفی اور مالکی مذہب پر غلبہ حاصل کرنے کے بعد اسی کی سیادت رہی اور دولت فاطمی کے آنے تک اسے غلبہ رہا۔ اس کے بعد مصر میں شیعہ امامیہ کی فقہ پنپنے لگی اور اس کے مطابق فیصلے ہونے لگے۔ حتیٰ کہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے مصر پر قبضہ کیا اور اس نے مذہب معروف کو دوبارہ بحال کیا۔ مذہب شافعی پر عمل درآمد ختم ہو گیا۔ ایوبی خاندان نے ہمیشہ مذہب کو عزت کی نظر سے دیکھا چنانچہ سب یہ شافعی المسلک تھے۔ بجز عیسیٰ بن العادل ابوبکر کے جو شام کا حاکم تھا۔ اس نے حنفی مسلک اختیار کر لیا تھا۔ ورنہ عیسیٰ کے سوا اس خاندان کا کوئی فرد حنفی نہ تھا۔ پھر ان کی اولاد بھی حنفی مذہب کی پابند رہی۔ چنانچہ حنفیہ اسے اپنے فقہا میں شمار کرتے ہیں۔ پھر جب سلطنت ایوبی کے بعد دولت ممالیک کا دور آیا تو شافعی مسلک کی دعوت اور عزت میں کمی نہیں آئی کیوں کہ ان کے سلاطین بجز سیف الدین بیبرس کے، سب شافعی

المسلک تھے۔صرف سیف الدین حنفی مسلک کا تھا۔ بلکہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تو حسن المحاضرہ میں یہ دعویٰ کیا کہ اس خاندان کے تمام افراد شافعی تھے۔ چنانچہ اس سلطنت میں بھی شافعی مسلک کے مطابق فیصلے ہوتے رہے اور عہدہ قضاۃ شافعی علماء کے ہاتھ میں رہا۔ جہاں تک بیبرس نے یہ تجویز کی۔ ہر مسلک کا ایک قاضی ہونا چاہیے جو اس مسلک کے مطابق فیصلہ کرلے۔ لہٰذا اس وقت سے لے کر قاہرہ اور فساط میں ہر مسلک کا الگ قاضی ہوگیا اور اس نے نواب مقرر کیے اور شہود کا اجلاس بٹھایا مگر شافعی مسلک کا مرتبہ دوسرے مسلک اربعہ پر بلند رکھا۔ کیوں کہ بلاد میں اسی اکیلے کو نواب کے اختیارات حاصل تھے۔ اموال یتامی اور اوقاف کے محکمے بھی اس کے سپرد تھے۔ اس لیے مسلک کو سلطنت میں اونچا مقام حاصل تھا۔ پھر اس کے بعد مالکی اور پھر حنبلی کا درجہ تھا۔ مگر صبح الاعشی میں مذکور ہے کہ ابن بطوطہ، الملک الناصر کے دور میں ترتیب بیان کرتے ہوئے۔ حنفی کو مالکی پر مقدم رکھتے ہیں۔ پھر جب عہدہ قضا ''زہان الدین بن الحق الحنفی'' کے ہاتھ آیا تو وزراء نے ملک الناصر کو ارشاد کیا کہ مالکی اس سے اوپر بیٹھا کرے۔ جیسا کہ پہلے سے رواج چلا آتا تھا۔ چنانچہ بادشاہ نے اس کے مطابق عمل کیا۔

پھر ''چرکسی ممالیک'' کے دور میں یہی حالت قائم رہی۔ حتیٰ کہ مصر پر عثمانی سلطنت قائم ہوگئی انہوں نے مذاہب اربعہ کے عہد کو مسلک کے اختصاصات کو ختم کرکے عہدہ حنفی مسلک کے سپرد کردیا اور آج تک اسی پر عمل ہوتا رہا ہے۔ ہاں احوال شخصیہ وقف تواریث اور وصیت کے مسائل میں اس نے دوسرے مسالک سے بھی استفادہ کیا ہے اور یہی وہ مسائل ہیں جن کے فیصلے شریعت اسلامیہ کے مطابق ہوتے رہے۔

شوافع عراق میں:

عراق پر حنفی مذہب کا پرچم لہرا رہا تھا۔ جیسا کہ یہ سرزمین مسلک شافعی کے مولد کی حیثیت رکھتی تھے۔ چنانچہ یہاں ان کے شاگردوں کی کثیر تعداد موجود تھی اور یہ اپنے کام میں مصروف تھی۔ اثر اور تاخر نقل اور افعال کا سلسلہ جاری تھا۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ خلیفہ قادر باللہ نے منصب قضاۃ پر ایک شافعی عالم کا تقرر کردیا لیکن عراق کے عوام حنفی مسلک سے والہانہ شغف رکھتے تھے۔

بغاوت پر آمادہ بایں ہمہ عراق میں بھی مسلک شافعی ایک منزلت کا حامل تھا۔ بعض علماء شافعیہ کا خلفائے وقت غیر معمولی اعزاز واکرام کیا کرتا تھا۔

شوافع فارس میں:

شافعی مسلک فارس میں بھی پہنچا۔ بقول امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک زمانہ تو وہ تھا کہ وہاں سوا مسلک شافعی اور مسلک داؤد ظاہری کے کسی مسلک کے قدم ہی نہیں جم پائے۔ پھر امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے مقلدین یعنی شیعہ جعفری وہاں کا عوامی مسلک بن گیا۔

اسی طرح بلاد خراسان، سجستان اور ماوراء النہر وغیرہ میں بھی شافعی مسلک ایک مخصوص منزلت رکھتا تھا۔ یہاں حنفیوں اور شیعوں سے اس مسلک کے متبعین کی جنگیں بھی ہوئیں۔ مسلک شافعی کے شیوح کا ان بلاد وامصار میں سبب اس کے علماء کی نشاط فکر تھی۔ محمد بن اسماعیل القفال الکبیر الشاشی وہ بزرگ ہیں جنہوں نے ابن سبکی کے بیان کے مطابق اسے، ماوراء النہر میں پاؤں جمانے کے مواقع فراہم کیے۔ اسی طرح عبداللہ بن محمد بن عیسی المروزی کے باعث جیسا کہ امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ مرو میں اور اسفرائنی کے باعث اسفرائن میں یہ مسلک پھیلا مسلک شافعی جس طرح عوام کے لیے جذب وکشش رکھتا تھا۔ اسی طرح خواص کے لیے بھی جادو کا بول تھا۔

ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ ''الکامل'' میں ۱۹۵ھ کے واقعات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ غزنہ کا فرمانروا، غیاث الدین (شہاب الدین غوری کا بڑا بھائی) جو مذہب مسلک کرامیہ کا پیرو تھا، شافعی ہو گیا تھا۔

شوافع مغرب اقصیٰ اور اندلس میں:

مسلک شافعی مشرق کے دور دراز گوشوں میں پہنچ گیا۔ عراق شام، یمن اور حجاز پہلے پھیل چکا تھا۔ مگر مغرب اقصیٰ اور اندلس (سپین) میں شافعی مسلک کے قدم نہ جم سکے۔ بجز اس کے کہ یوسف بن یعقوب بن عبدالمومن فرمانروائے مغرب واندلس کی وساطت سے کسی حد تک اشاعت پذیر ہوا۔ کیونکہ اس نے بظاہر مسلک اختیار کرنے کے بعد اپنی زندگی کے آخری ایام میں شافعی مسلک اختیار کر لیا تھا اور اپنے ممالک محروسہ کے بعض شہروں پر شافعی مسلک کے قاضی مقرر کر دیئے تھے۔ جیسا کہ ابن اثیر نے ''الکامل'' میں بیان کیا ہے۔

بلاد مغرب واندلس میں مالکی مسلک کے غلبہ کی وجہ سے شافعی مسلک کو اثر ورسوخ حاصل نہ ہو سکا۔ چنانچہ مقدسی حسن التقاسیم میں لکھتے ہیں۔ ان کے زمانہ میں بلاد مغرب کے تمام شہروں میں حدود مصر تک امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی شخص واقف نہ تھا۔ ایک روز کسی نے ان کے

سامنے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ذکر کیا تو کہنے لگے کہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ کون شخص ہیں؟ مشرق کے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور اہل مغرب کے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ۔ علامہ مقدسی یہ بھی لکھتے ہیں۔ ''میں نے اصحاب مالک کو دیکھا کہ وہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے بغض رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا شاگرد ہو کر انہوں نے اپنے استاد کی مخالفت کی۔'' اور اہل قیروان کے متعلق لکھتے ہیں۔

وہاں کے تمام باشندے حنفی یا مالکی مسلک رکھتے ہیں اور ان میں باہم میل ملاپ ہے۔ کوئی کسی کو برا نہیں سمجھتا تعصب اور شور وشعب کا نام تک نہیں ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اہل خراسان نے شافعی مسلک آسانی اور تیزی سے اس لیے اختیار کر لیا تھا کہ وہاں بہت سے علماء نہ تھے اور حکام بھی اس مسلک کے پیرو تھے لیکن مصر کے شافعی علماء اس نشاط فکر و ذہن سے محروم تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مغرب اور اندلس کے فرماں روا مالکی مذہب اختیار کیے ہوئے تھے اور کسی دوسرے ملک کو اس کا بدل نہیں پاتے تھے۔

بلاشبہ مذہبی تعصب جو شیعہ، حنفیہ اور شافعیہ کے مابین پایا جاتا تھا۔ وہ اس مسلک کے شیوخ وتوسیع پر اثر انداز ہوا مگر مصر میں چونکہ تعصب نہ تھا۔ نہ شافعیہ اور حنفیہ کے مابین کسی قسم کی چپقلش پائی جاتی تھی اور نہ ان کے اور مالکی مسلک کے مابین کوئی کش مکش تھی۔ اس لیے وہاں، مسلکی پروپیگنڈہ جوش اور ولولہ پیدا نہیں ہو سکا بلکہ ہر ایک اپنے امام کی تقلید کرتا تھا اور کسی قسم کی بھیٹ کا مظاہرہ نہیں کرتا تھا۔ گو شوافع اور دیگر مسالک کے مابین کبھی کبھی مناظرات کی محفلیں قائم ہوتی تھیں۔ مگر وہ علمی حلقوں کے اندر ہی رہتی تھیں اور عوام میں کسی قسم کی فتنہ انگیزی کا باعث نہیں بنتی تھیں۔

باب ۱۱

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات

وجہ وفات:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو بواسیر کی شکایت رہتی تھی۔ اس مرض کے علاوہ بالعموم جو واقعہ مشہور ہے وہ یہ ہے کہ فتیان بن ابی السمح مالکی مصری سے آپ کا مباحثہ ہوا۔ فتیان نے خلاف تہذیب گفتگو شروع کی اور مقدمہ بازی تک نوبت پہنچ گئی۔ امیر مصر نے فیصلہ کیا اور فتیان کو سزا دی گئی۔ فتیان موقع کی تاک میں تھا۔ ایک روز اندھیری رات میں موقع پا کر آپ کے سر پر ایسا گرز مارا جس کی وجہ سے سر پھٹ گیا۔ ادھر آپ بواسیر کی وجہ سے بیحد کمزور تھے۔ مرض الموت شروع ہو گیا۔ دوسری طرف اشہب بن عبدالعزیز فقیہ مالکیہ کا مستقل کام یہ تھا کہ وہ آپ کے لیے بددعا کرتا تھا۔ محمد بن عبداللہ عبدالحکیم کہتے ہیں۔ میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ میں نے خود دیکھا ہے کہ اشہب سجدہ میں پڑا ہوا ہے یہ دُعا کر رہا ہے کہ اے خدا شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو اٹھا لے ورنہ مالکی فقہ سب مٹ جائے گی۔

اس پر آپ نے فرمایا:

> ''بہت سے لوگ میرے مرنے کی آرزو کر رہے ہیں۔ میں اگر مر ہی گیا تو بھلا موت سے اور کون بچ سکتا ہے۔ اگر علم سے اس کو سمجھ حاصل ہوئی تو وہ اس کو خوب سمجھتے ہیں میں مر بھی گیا تو میرے لیے بدعا کرتا ہے وہ ہمیشہ کب رہنے والا ہے۔''

چنانچہ یہ بھی منقول ہوتا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے اٹھارہ دن کے بعد اشہب کا بھی انتقال ہو گیا۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ فرط ذکاء اور سیلان کے باوجود آپ حافظہ کی تقویت کے لیے لوبان استعمال کیا کرتے تھے جس کی وجہ سے آپ ایک سال نفث الدم کے مرض میں مبتلا رہے۔ (تذکرۃ الحفاظ: ۱: ۲۸۸)

قریب المرگ:

۳۰ رجب یوم پنج شنبہ (جمعرات) ۲۰۴ھ کو عصر کے وقت آپ کی طبیعت زیادہ بگڑ گئی امام مزنی رحمۃ اللہ علیہ اس وقت پاس بیٹھے تھے۔انہوں نے عرض کیا۔اے استادوں کے استاد شام کے وقت کیسا مزاج ہے۔فرمانے لگے:

''آج میں دنیا سے رخصت ہونے والا ہوں اور اپنے بھائیوں سے جدا ہونے والا ہوں اور اپنے بُرے اعمال کی سزا پانے والا ہوں۔ خدا کی بارگاہ میں پیش ہونے والا ہوں اوراللہ کی قسم مجھے یہ خبر نہیں کہ آیا میری روح جنت میں جائیگی اور میں اسے مبارکباد دوں گا یا دوزخ میں جائے گی جہاں مجھے اس کی تعزیت کرنی پڑے گی۔''

اس کے بعد آپ نے مغرب کی نماز پڑھی نماز سے فارغ ہو کر لیٹے تھے کہ نزع شروع ہوگئی۔آپ نے فرمایا؛سنو مصر میں جو مشہور عابد ادریس ہیں ان سے جا کر کہہ دو کہ میری مغفرت کی دعا کریں پھر آپ نے بالحاح وزاری عرض کرنا شروع کیا اوراللہ سے دعا کی:

''الیك اله الخلق ادفع رغبتی وان کنت یا ذالمن والجود جعلت الرجامنی بعفوك سلما ومازلت ذاعفو عن الذنب لم تزل نجود وتعفومنة و تکرما ولولاك مایقوی بابلیس عابد فکیف وقد اغوٰی صفیك آدماً فان تعف عنی عن متمرد ظلوم عشوم لا یزائل ماثما دان تنقم منی فلست بآئس ولود خلت نفسی یحرمی جهنما فجرمی عظیم من قدیم وحارث وعضوك یاذا لعفواعلی واجسما تعا ظمنی ذنبی فلما قرنة بعفوك ربی کان عفوك اعظماً''.

ترجمہ: اے رحم وکرم فرمانے والے میں اگرچہ گناہ گار ہوں لیکن تیری بارگاہ میں بھیک مانگنے حاضر ہوا ہوں۔جب میرا دل سخت ہو گیا اور میرے سب راستے بند ہو گئے۔تو میں نے اپنی امید کو تیرے آستانہ کرم تک پہنچنے کا زینہ بنایا۔تو نے لغزشوں اور گناہوں کو ہمیشہ ہی معاف فرمایا ہے اور تو اپنے کرم انعام سے ہمیشہ درگزر فرماتا رہے گا۔اگر تیرا کرم شریک حال نہ

ہوتا تو کوئی عابد متقی شیطان کے مقابلہ میں نہ ٹھہر سکتا اور کیوں کر ٹھہرتا جبکہ اس نے تیرے مکرمت فرمودہ آدم علیہ السلام تک کو بہکا دیا۔ الٰہی اگر تو میری لغزشیں معاف فرمادے تو تو ایک بڑے سرکش ظالم و نافرمان کو معاف فرمائے گا۔ جو رات دن گناہ کرتا رہا ہے۔ اگر تو انتقام لے پھر بھی میں تجھ سے ناامید نہیں ہو سکتا۔ خواہ میں اپنے اعمال کی وجہ سے جہنم میں ہی کیوں نہ داخل کیا جاؤں میری خطائیں شروع سے آخر تک بہت بڑی ہیں لیکن اے غفور الرحیم تیرا اکرم و بخشش تو ان سے کہیں زیادہ ہے۔ میں نے اپنے گناہوں کو بڑا سمجھ رکھا تھا۔ مگر جب تیرے کرم و بخشش سے مقابلہ کیا تو اے میرے رب تیرا اکرم بہت ہی بڑا ہے۔"

وقوع وفات:

پھر عشاء کی نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہو کر پھر رب سے بے نیاز کی بارگاہ میں گڑگڑا کر دعا کی۔ دعا سے فارغ ہو کے لیٹے ہی تھے کہ روح مبارک قفس عنصری سے آزاد ہو کر خلد بریں پہنچ گئی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ آپ کی وفات پر لوگوں نے سورہ یٰس کو پڑھا یہ نہیں معلوم ہوتا کہ نزع کے وقت یا بعد وفات ...... بلکہ الفاظ سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ بعد وفات۔ جبکہ ایک اور روایت میں یوں ملتا ہے:

آبری، بطریقہ ابن عبدالحکم روایت کرتے ہیں کہ ان سے سوال کیا گیا کہ میت کے پاس قرآن پڑھنا جائز ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے اصحاب شافعی امام صاحب کے سرہانے جمع تھے اور ایک شخص سورۂ یٰس پڑھ رہا تھا۔ اس کے پڑھنے پر ان افراد میں سے کسی نے اعتراض نہیں کیا اور سب کھڑے رہے جب تک کہ آپ کو کفن نہ پہنا دیا گیا۔

(سیرت امام شافعی ص ۹۔۸۔۷۔۴۹)

ربیع بن سلیمان مرادی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ میں نے شعبان کا چاند دیکھا اور میں آپ کے جنازے سے واپس آ رہا تھا۔ نیز اس نے بیان کیا ہے کہ میں نے آپ کی وفات کے بعد آپ کو خواب میں دیکھا اور میں نے پوچھا اے عبداللہ۔ اللہ نے تیرے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟ آپ نے فرمایا اس نے مجھے سنہری کرسی پر بیٹھایا اور مجھ پر تازہ موتی نچھاور کیے ہیں۔

(تاریخ ابن خلکان حصہ چہارم ص ۵۴۵)

مرثیہ:

جب آپ فوت ہوئے تو بہت سے لوگوں نے آپ کے مرثیے کہے اور ایک مرثیہ ابوبکر محمد بن درید صاحب المقصورہ کی طرف منسوب ہے اور خطیب نے تاریخ بغداد میں اس کا ذکر کیا ہے:

''اور مالدار کا ذکر، اس کے بعد گمنام ہو جاتا ہے لیکن علم کا جمع کرنا انسان کو بلند کرتا ہے۔ کیا تو نے ابن ادریس کے آثار کو اس کے بعد نہیں دیکھا۔ مشکلات میں اس کے دلائل روشن ہیں۔ زمانہ ختم ہو جائے گا اور وہ نشانات ہمیشہ باقی رہیں گے اور جھنڈے نیچے آ جائیں گے اور وہ بلند رہیں۔ جب مصیبت تاریکی کر دے تو محمد کے غمزدہ ابن ادریس کی رائے پھیلنے والی اور بلند ہونے والی روشنی ہے۔''

جب گھبرا دینے والی مشکلات ایک دوسرے کے مشابہ ہو جائے اور اس سے ایک نور بلند ہو کر ان کی تاریکیوں میں روشن ہو جاتا ہے اور خدا نے آپ کی رفعت اور بلندی کو پسند کیا ہے اور جسے عرش والا بلند کرے اسے کوئی نیچے کرنے والا نہیں ہے اور اس نے آثار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پناہ لی اور لوگوں میں اس کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے تابع ہے۔ اس نے بچپن اور نوعمری میں تقویٰ کا لباس پہنا اور جوانی ہی میں ادھیڑ عمروں کی عقل سے مخصوص ہو گیا اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا علم جس کا امام ہو علم کے میدان میں اس کی چراگاہ وسیع ہوتی ہے۔ اس قبر پر سلام ہو جو اس کے جسم کو اندر لیے ہوئے ہے اور موسلا دھار برسنے والے بادل پر سخاوت کریں۔ ہم میں اس کے مکارم، روشن چاند ہیں اور اس کے آثار روشن ستارے ہیں۔

باب ۱۲

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے فضائل ومناقب

ابن خلکان نے کہا مجھے ایک فاضل شیخ نے بتایا ہے کہ اس نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مناقب میں تیرہ کتابیں لکھیں ہے۔ (ابن خلکان حصہ چہارم ص ۵۴۷) ...... چند فضائل ومناقب کو یہاں قلمبند کیا جاتا ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ:

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے تیس سال سے کوئی رات نہیں گزاری مگر میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے دعا استغفار کر رہا ہوں۔

() مزید فرمایا کہ میں نے اپنے باپ سے پوچھا۔ شافعی رحمۃ اللہ علیہ کون شخص تھے؟ میں نے آپ کو ان کے متعلق بہت دعا کرتے سنا ہے۔ آپ نے فرمایا اے میرے بیٹے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ دنیا کے لیے سورج کی مانند اور بدن کے لیے صحت کی مانند تھے۔ کیا ان دونوں کا کوئی خلف اور عوض ہے؟

() اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہر شخص جس کے ہاتھ دوات اور کاغذ ہے۔ اس کی گردن میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا احسان پڑا ہے۔ (ابن خلکان حصہ چہارم ص ۵۴۷)

() امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر محدثین نے آپ کی توثیق کی ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۲۷۷)

() امام اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ایک دن مکہ میں استاد محترم امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے کہا کہ آؤ میں تمہیں ایک ایسا آدمی دکھاؤں کہ اس جیسا آدمی آج تک تمہاری آنکھوں نے نہیں دیکھا پھر مجھے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لے گئے۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۲۷۷)

() اور یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ہمیں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے

روکا کرتے تھے۔ پھر میں ایک دن آپ سے ملا تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ خچر پر سوار تھے اور آپ ان کے پیچھے پیدل چل رہے تھے۔ میں نے کہا، اے ابوعبداللہ آپ ہمیں ان سے روکتے ہیں اور خود ان کے پیچھے چلتے ہیں۔ آپ نے فرمایا خاموش رہو۔ اگر میں خچر کے ساتھ چمٹ جاتا تو فائدہ اٹھاتا۔ (ابن خلکان حصہ چہارم ص ۵۴۳)

() امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی مجالس سے مجھے حدیث کے ناسخ ومنسوخ کا علم ہوا ہے۔

() اور محفوظ بن ابی توبہ بغداد نے بیان کیا ہے کہ میں نے مسجد الحرام میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس دیکھا تو میں نے کہا۔ اے ابوعبداللہ یہ سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ مسجد کے کونے میں حدیث بیان کر رہا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ یہ ہاتھ سے جاتا رہے گا پھر ہاتھ نہیں جائے گا۔ (ابن خلکان ۴:۵۴۴)

ابوعبید القاسم بن سلام رحمۃ اللہ علیہ:

ابوعبید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے اکمل آدمی کبھی نہیں دیکھا۔

(تاریخ ابن خلکان ۴:۵۴۴)

حسن بن محمد زعفرانی رحمۃ اللہ علیہ:

زعفرانی رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے۔ اصحاب حدیث سوئے تھے۔ حتیٰ کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے آ کر ان کو جگایا۔ تو وہ جاگ پڑے اور آپ دعا مانگا کرتے تھے۔ اے اللہ جو لطیف ہے۔ میں تجھ سے ان باتوں کے بارے میں جس میں تقدیر چل چکی ہے۔ مہربانی کا سوال کرتا ہوں اور آپ علماء کے درمیان اجابت میں مشہور ہیں اور یہ کہ آپ مجرب ہیں اور آپ کے فضائل شمار سے زیادہ ہیں۔ (تاریخ ابن خلکان ۴:۵۴۴)

اور ابو اسحاق شیرازی نے ''طبقات الفقہا'' میں بیان کیا ہے کہ زعفرانی نے ابوعثمان ابن الشافعی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ اس نے بیان کیا کہ میرا باپ ۵۸ برس کی عمر میں فوت ہوا اور اہل حدیث فقہ، اصول، لغت اور نحو وغیرہ کے تمام علماء نے آپ کی ثقاہت، امانت، عدالت، زہد وتقویٰ، پاکیزگی، عزت، غفلت نفس، حسن سیرت، علوقدر اور سخاوت پر اتفاق کیا ہے۔ (تاریخ ابن خلکان ۴:۵۴۵)

مسلم بن خالد زنجی رحمۃ اللہ علیہ:

امام حمیدی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ میں نے زنجی رحمۃ اللہ علیہ کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے کہتے سنا ہے، اے ابوعبداللہ، خدا کی قسم وقت آ گیا ہے کہ تو فتویٰ دے۔ حالانکہ آپ کی عمر ۱۵ سال کی تھی۔ (تاریخ ابن خلکان ۴:۵۴۴)

امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ:

ابوحسان الزیادی نے بیان کیا ہے کہ میں نے محمد بن الحسن رحمۃ اللہ علیہ کو کسی اہل علم کی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح تعظیم نہیں کرتے دیکھا اور ایک روز امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے پاس آئے اور محمد بن الحسن رحمۃ اللہ علیہ سوار تھے۔ پس محمد رحمۃ اللہ علیہ اپنے گھر واپس آ گئے اور اس دن رات تک آپ سے خلوت کی اور کسی کو اپنے پاس آنے کی اجازت نہ دی۔ (تاریخ ابن خلکان ۴:۵۴۴)

امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ میں امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور میں نے موطأ کو حفظ کیا تھا۔ آپ نے مجھے فرمایا اسے لاؤ۔ جو تمہارے لیے پڑھے میں نے کہا میں پڑھنے والا ہوں اور میں نے حفظاً آپ کو موطأ سنا دیا۔ تو آپ نے فرمایا اگر کوئی کامیاب ہوگا تو یہ جوان ہوگا۔ (تاریخ ابن خلکان ۴:۵۴۴)

محمد بن اسحاق خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ:

امام الائمہ محمد بن اسحاق خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا، آپ سے پوچھا گیا کہ کوئی سنت ایسی ہے۔ جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو معلوم نہیں۔ آپ نے فرمایا اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ کبھی اپنی سند کے ساتھ آپ تک پہنچتی ہے اور کبھی مرسل اور کبھی منقطع ہو کر جیسا کہ آپ کی کتاب میں موجود ہے۔

(تاریخ ابن کثیر ۱۰:۲۶۷)

ابوثور رحمۃ اللہ علیہ:

ابوثور رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں "میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جیسا کوئی آدمی نہیں دیکھا اور خود انہوں نے بھی اپنے جیسا کوئی آدمی نہیں دیکھا۔ (تذکرۃ الحفاظ ۱:۳۷۷) مزید فرمایا۔ جس شخص کا خیال

ہے کہا اس نے علم وضاحت اور مغفرت اور ثبات وتمکن میں محمد بن ادریس کی مثل دیکھی ہے۔اس نے جھوٹ بولا ہے اور آپ اپنی زندگی میں لاثانی تھے اور جب آپ فوت ہوگئے تو آپ کا کوئی بدلہ نہ ہوا۔

سفیان بن عینیہ رحمۃ اللہ علیہ:

سفیان بن عینیہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جب کوئی تفسیر یا فتویٰ کی بات آتی تو آپ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف متوجہ ہوتے اور فرماتے اس جوان سے پوچھو۔ (تاریخ ابن خلکان ۴: ۵۴۴)

یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ:

امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔لَیْسَ بِهٖ بَأْسٌ. (تذکرۃ الحفاظ ۱: ۲۷۷) مزید فرمایا آپ راستباز ہیں اور آپ پر کوئی اعتراض نہیں اور ایک بار فرمایا۔اگر جھوٹ مطلقا آپ کے لیے مباح ہوتا تو آپ کی جوانمردی آپ کو جھوٹ بولنے سے روکتی۔

اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ:

امام اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں۔شافعی رحمۃ اللہ علیہ امام ہیں۔جن لوگوں نے بھی رائے قیاس سے کام لیا ہے۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ان سب سے زیادہ متبع سنت اور خطا کا کم ارتکاب کرنے والے ہیں۔

ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ:

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی کوئی حدیث غلط نہیں دیکھی۔

ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ:

امام ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں صدیق ہیں۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے بسند صحیح ثابت ہے۔ فرماتے تھے۔جب حدیث مل جائے تو میرے قول کو دیوار پر پھینک دو۔ (تذکرۃ الحفاظ ۱: ۲۷۸)

ربیع بن سلیمان مرادی رحمۃ اللہ علیہ:

ربیع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو سنا ہے، فرماتے تھے۔جب کوئی صحیح

حدیث روایت کروں اور خود اس کے مطابق عمل نہ کروں تو سمجھ لو میری عقل ماری گئی ہے۔

(تذکرۃ الحفاظ ۱:۳۶۸)

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ:

میں کہتا ہوں؛ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو پورے فضائل ومناقب بیان کرنے کی اس مختصر میں گنجائش نہیں ہے۔ اس کے لیے تاریخ دمشق اور میری کتاب ''تاریخ اسلام'' دیکھیں آپ حدیث کے حافظ اور اس کی علل کو خوب جاننے والے تھے۔ صرف وہی حدیث قبول کرتے تھے جو آپ کے نزدیک درجہ صحت کو پہنچ جاتی تھی۔ اگر کچھ دن اور زندہ رہتے تو اس فن میں آپ کے کمال میں اور اضافہ ہو جاتا۔ (تذکرۃ الحفاظ ۱:۳۶۸)

داؤد بن علی الظاہری رحمۃ اللہ علیہ:

داؤد بن علی الظاہری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتاب میں جسے انہوں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے فضائل میں تالیف کیا ہے، بیان کرتے ہیں؛ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو ایسے فضائل حاصل ہیں جو کسی دوسرے کے لیے جمع نہیں ہوتے یعنی شرف نسب، دین واعتقاد کی صحت۔ سخاوت نفس، حدیث کی صحت وسقم اور ناسخ ومنسوخ کی معرفت، کتاب وسنت کا حفظ، خلفا کی سیرت، حسن تصنیف اور اچھے اصحاب وتلامذہ جسے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اپنے زہد وتقویٰ کے لحاظ سے فضیلت رکھتے تھے۔ پھر انہوں نے آپکے بغدادی اور مصری اصحاب کے اعیان کا بیان کیا ہے اور اسی طرح ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے فقہ کے شاگردوں میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو شمار کیا ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سب لوگوں سے بڑھ کر قرآن وسنت کا مفہوم جانتے تھے اور سب لوگوں سے زیادہ ان دونوں سے دلائل نکالتے تھے اور آپ ارادے اور اخلاص کے لحاظ سے سب لوگوں سے بہتر تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے میری خواہش ہے کہ لوگ اس علم کو سیکھیں اور اس میں سے کبھی کوئی بات میری طرف منسوب نہ کریں۔ وہ میری تعریف نہ کریں، انہیں اس پر اجر ملے گا اور کئی لوگوں نے آپ سے روایت کی ہے کہ جب تمہارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحیح حدیث موجود ہو تو وہی بیان کرو اور میرے قول کو چھوڑ دو میں بھی اسے بیان کرتا ہوں۔ خواہ تم مجھ سے نہ سنو اور ایک روایت میں ہے کہ میری تقلید نہ کرو اور ایک روایت میں ہے میرے قول کی طرف التفات نہ کرو اور ایک روایت میں ہے میرے قول کو دیوار کی چوڑائی پر دے مارو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ میرے قول کی کوئی ضرورت نہیں۔ (تاریخ ابن کثیر ۱۰:۲۶۶)

مآخذ ومراجع

☆ قرآن کریم
☆ صحیح البخاری، للامام محمد بن اسماعیل البخاری
☆ صحیح المسلم، للامام مسلم بن حجاج القشیری
☆ سنن ابی داؤد، للامام سلیمان بن الأشعث السجستانی
☆ سنن الترمذی، للامام محمد ابی عیسیٰ الترمذی
☆ سنن ابن ماجه، للامام ابی عبداللّٰه القزوینی ابن ماجه
☆ سنن نسائی، للامام ابی عبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی
☆ المسند، للامام احمد بن حنبل
☆ المستدرك علی الصحیحین، للامام ابی عبداللّٰه الحاکم
☆ موطا امام مالك
☆ سنن الدارمی، للامام ابی محمد عبداللّٰه بن عبدالرحمٰن الدارمی
☆ سنن دارقطنی، للامام الدارقطنی
☆ سنن الکبریٰ، للامام البیهقی
☆ مسند ابی داؤد الطیالسی
☆ المصنف، للامام ابن ابی شیبه
☆ صحیح ابن حزیمه، للامام ابن خزیمه
☆ صحیح ابن حبان
☆ مجمع الزوائد و منبع الفوائد، للحافظ نورالدین الهیثمی
☆ مسند الامام الشافعی، ابوعبد اللّٰه محمد بن ادریس الشافعی، مطبوعه: دارالکتب العلمیه، بیروت، لبنان، طبع: ۱۹۸۰ء
☆ دیوان الامام الشافعی، جمعه و حققه و شرحه، الدکتور امیل بدیع یعقوب، مطبوعه: دالکتاب العربی
☆ الدیباج المذهب فی معرفة اعیان المذهب
☆ توالی التاسیس، للامام احمد ابن حجر العسقلانی
☆ مفتاح دارالسعادة، لابن القیم الجوزی

☆ جامع بيان العلم، لابن عبدالبر
☆ كشف اصطلاحات الفنون
☆ المعجم المفهرس للالفاظ القرآن، محمد فواد عبدالباقي، مطبوعه: دار الكتب العلميه، بيروت، لبنان
☆ كتاب الام، حضرت امام شافعي، تحقيق محمود مطربي، مطبوعه: دار الكتب العلميه، بيروت، لبنان، طبع اولى: ۱۹۹۳ء
☆ طبقات الشافعيه، تقي الدين ابن قاضي، مطبوعه: دارالندوة الجديدة، بيروت، لبنان، طبع: ۱۹۸۷ء
☆ مناقب الشافعي، البيهقي، مطبوعه: دالتراث شارع الجمهوريه، القاهره (مصر)
☆ مناقب الامام الشافعي، الامام فخر الدين الرازى محمد بن عمر بن الحسين، مطبوعه: مكتبه انكليات الازهريه، الازهر، قاهره (مصر)، طبع اولى ۱۹۸۶ء
☆ سير اعلام النبلاء، امام ذهبي، موسسة الرسلاة، بيروت (لبنان)
☆ الرسالة، حضرت امام شافعي، دارلكتاب العرفه، بيروت (لبنان)
☆ الرسالة، تخريج: عبدالرحمن بن مهدى، المكتبه العلميه، بيروت (لبنان)
☆ تاريخ بغداد، خطيب بغدادى، مطبوعه: دار الكتب العلميه، بيروت (لبنان)
☆ طبقات الفقها، ابراهيم بن على الشيرازى
☆ مراة الجنان و عبرة اليقظان فى معرفة مايعتبر من حوادث الزمان، عبدالله بن اسعد
☆ معجم الادباء، ياقوت بن عبدالله الحموى
☆ الاصابه فى تميز الصحابه، لابن حجر عسقلانى
☆ البحر المحيط، للعلامة ابن حيان الأندلسى
☆ جہانگیری مسند الامام الشافعی رحمۃ اللہ علیہ، ابوعبداللہ محمد بن ادریس الشافعی رحمۃ اللہ علیہ، مترجم: ابوالعلا محمد محی الدین جہانگیر، مطبوعہ: شبیر برادرز، لاہور، طبع مئی ۲۰۰۹ء
☆ تاریخ ابن کثیر، علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ، مترجم: سیّد عبدالرشید ندوی، مولانا اختر فتح پوری مطبوعہ: نفیس اکیڈمی، اُردو بازار، کراچی، طبع اول: جون ۱۹۸۸ء
☆ سیر الصحابہ (جلد نہم)، ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی ندوی، مطبوعہ: اسلامی کتب خانہ، اُردو بازار، لاہور
☆ سیرت ائمہ اربعہ، قاضی اطہر مبارکپوری مطبوعہ: ادارہ اسلامیات، ۱۹۰ انارکلی، لاہور، طبع: جون ۱۹۹۰ء
☆ تاریخ المشاہیر، قاضی سلیمان منصور پوری مطبوعہ: سوہدرہ (ضلع گوجرانوالہ)، طبع: یکم اگست ۱۹۵۶ء

☆ سیرت امام شافعی، میاں خالد انصاری بھوپالی
مطبوعہ: دار الفرقان، لاہور، طبع: رمضان المبارک ۱۴۲۳ھ
☆ امام شافعی کے حالات، مقبول احمد سیوہاری
☆ سیرت الائمہ، مولانا عبد المجید سوہدروی، مطبوعہ: نعمانی کتب خانہ، لاہور، طبع: ۱۹۸۶ء
☆ بستان المحدثین، حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی، ترجمہ استاد عبد السمیع،
مطبوعہ: کلام کمپنی، مقابل مسافر خانہ، کراچی، طبع: ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۴۴ھ
☆ سیرت ائمہ اربعہ، ملک عبد الرشید عراقی سوہدروی
مطبوعہ: شعبہ تصنیف و تالیف جامعہ ابراہیمیہ، سیالکوٹ
☆ حجۃ اللہ البالغہ، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، مترجم: علامہ عبد الحق حقانی
مطبوعہ: دار الاشاعت، کراچی، طبع: ۱۹۸۱ء
☆ تیسیر مصطلح الحدیث، ڈاکٹر محمود الطحان، مترجم: عبد الرشید تونسوی
مطبوعہ: مکتبہ قدوسیہ، لاہور، طبع: فروری ۱۹۹۹ء
☆ مقدمہ ابن خلدون، علامہ عبد الرحمٰن ابن خلدون، مترجم: مولانا عبد الرحمٰن دہلوی
مطبوعہ: الفیصل ناشران، لاہور، مطبع: ۱۹۹۳ء
☆ تلخیص مقدمہ ابن خلدون، علامہ عبد الرحمٰن ابن خلدون، مترجم: انجم سلطان شہباز (ایم۔اے)
مطبوعہ: بک کارنر شوروم، جہلم
☆ اُردو دائرہ معارف اسلامیہ (جلد ۱۱۔۱۵) دانش گاہ پنجاب، لاہور
مطبوعہ: شعبہ اُردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، طبع اوّل: ۱۹۷۵ء
☆ تاریخ الفقہ، تالیف: قاضی ظہور الحسن، تصحیح: عبد الصمد صارم الازہری
مطبوعہ: مکتبہ معین الادب، لاہور، بار ششم ۱۹۸۴ء
☆ تسہیل الوجیز فی اصول فقہ، محمد نعیم صدیقی، مطبوعہ: آزاد بک ڈپو، لاہور، طبع: ۱۹۹۲ء
☆ تاریخ ابن خلکان (وفيات الاعيان و أنباء أبناء الزمان)، ابن خلکان
مترجم: علامہ اختر فتح پوری، مطبوعہ: نفیس اکیڈمی، لاہور، طبع: ۲۰۰۰ء
☆ تفہیم الفقہ، ڈاکٹر محمد اسلم، تنویر بخاری، مطبوعہ: نیو بک پیلس، لاہور
☆ شرح نور الانوار، ملا جیون، شارح: مولانا عبد الحفیظ
مطبوعہ: مکتبہ اصلاح و تبلیغ، حیدر آباد، طبع: ۱۹۹۹ء
☆ اصول الشاشی، نظام الدین شاشی، مترجم: محمد مشتاق احمد
مطبوعہ: مکتبہ شرکت علمیہ، بیرون بوہڑ گیٹ، ملتان

قادیانیت ایک فتنہ

ادارہ بک کارنر جہلم کے بانی وناشر شاہد حمید کی برسوں کی محنت

صفحات 704 قیمت -/600 روپے صرف

علمائے اہل سنت بریلوی، علمائے دیوبند اور علمائے اہلحدیث کے منتخب نادر مضامین پر مبنی تحقیقی کتاب..... پہلی دفعہ ایک کتاب میں یکجا!

حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری ؒ	حضرت مولانا حبیب اللہ امرتسری ؒ	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ؒ	حضرت مولانا محمد منظور نعمانی ؒ
حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی ؒ	حضرت علامہ محمد نعیم الدین مراد آبادی ؒ	حضرت علامہ پیر کرم شاہ صاحب ؒ	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی ؒ
حضرت سید پیر مہر علی شاہ گیلانی ؒ	حضرت مولانا احمد علی لاہوری ؒ	بطلِ حریت آغا شورش کاشمیری ؒ	حضرت سید امین گیلانی ؒ
حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ؒ	مناظر اسلام مولانا لال حسین اختر ؒ	حضرت مولانا عبدالرحیم اشعر ؒ	ڈاکٹر اسرار احمد (مرحوم)
علامہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری ؒ	حضرت مولانا ظفر علی خان ؒ	مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید ؒ	حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ
حضرت علامہ غلام ربانی چشتی حنفی ؒ	حضرت علامہ مولانا شبیر احمد عثمانی ؒ	شہید اسلام علامہ احسان الٰہی ظہیر ؒ	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری
حضرت مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی ؒ	امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری ؒ	حضرت مفتی نظام الدین شامزئی ؒ	ڈاکٹر محمد ذاکر عبدالکریم نائیک
حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری ؒ	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب ؒ	حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی ؒ	حافظ زبیر علی زئی [illegible]

کتاب ایک نظر میں

★ تاریخ مرزا ★ مرزا قادیانی کی پیشین گوئیاں ★ قادیانی مرتد پر قہر خداوندی ★ مرزا قادیانی اور نبوت ★ مرزا قادیانی کی غلطیاں ★ مرزا قادیانی کی کہانی مرزا اور مرزائیوں کی زبانی ★ آئینۂ قادیانیت ★ مسلمانوں کے مرزائیت سے نفرت کے اسباب اور مرزا قادیانی کے متضاد اقوال ★ عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت ★ ختم نبوت کے دو مفہوم اور تکمیل رسالت کے عملی تقاضے ★ مرزائیت حضرت علامہ محمد اقبال ؒ کی نظر میں ★ مرزائیوں سے چند سوال ★ ختم نبوت کے تقاضے ★ فتنہ قادیانیت اور اُمتِ مسلمہ کی ذمہ داریاں ★ قادیانیت نے عالم اسلام کو کیا عطا کیا؟ ★ مرزا غلام احمد سے مرزا ناصر احمد تک ★ قرآن اور ختم نبوت ★ مرزا غلام احمد قادیانی کے تیس (۳۰) جھوٹ ★ مسلمانوں اور قادیانیوں کے قبرستان پر سائنسی رپورٹ ★ مرزائیت کی اسلام دشمنی ★ قادیانی کیوں مسلمان نہیں؟ ★ مرزا غلام احمد قادیانی کا عبرتناک انجام ★ اشتعال انگیز تحریریں ★ قادیانی پیشگوئیوں کا انجام ★ وزیر اعظم پاکستان جناب ذوالفقار علی بھٹو کی تقریر

ناشران: بک کارنر شوروم بالمقابل اقبال لائبریری بک سٹریٹ جہلم پاکستان

TARIQ BIN ZIYAD

فاتح اندلس

طارق بن زیاد

عظیم سپہ سالار کی عظمت اور اُمت مسلمہ کے عروج، کامرانی،
فیروزمندی اور خوش بختی کی داستانِ جمیل

نایاب تاریخی تصاویر کے ساتھ

مُصنّف
صادق حسین صدیقی سَردھنوی

پکچرز ایڈجسٹمنٹ
گگن شاہد - امر شاہد

ناشران

بک کارنر شوروم
بالمقابل اقبال لائبریری
بک سٹریٹ جہلم پاکستان

فون نمبر 0544-614977
فون نمبر 0544-621953
موبائل 0323-5777931
موبائل 0321-5440882

ویب سائٹ www.bookcorner.com.pk ای میل info@bookcorner.com.pk

HAZRAT KHALID BIN WALEED

اللہ کی تلوار

خالد بن الولید رضی اللہ عنہ

اہل کفار سے 125 ناقابل شکست جنگیں لڑنے والے تاریخ اسلام کے نامور فرزند،
عظیم المرتبت مجاہد، سپہ سالار اور اللہ تعالیٰ کی ناقابل شکست تلوار کی داستان
جو اللہ نے مشرکین اور کفار کیلئے بے نیام کر دی تھی

نایاب تاریخی تصاویر کے ساتھ

مصنف
صادق حسین صدیقی

بلبلز ایڈیٹنگ
گلن شاہد ۔ امر شاہد

بک کارنر شوروم
بالمقابل اقبال لائبریری
بک سٹریٹ جہلم پاکستان

فون نمبر 0544-614977
فون نمبر 0544-621953
موبائل 0323-5777931
موبائل 0321-5440882

ویب سائٹ www.bookcorner.com.pk ای میل info@bookcorner.com.pk

خوبصورت اور معیاری کتابیں



